تذکرۃ الشعراء

گلشنِ بے خار

مُصنّفہ

نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ

نفیس اکیڈمی
بلاسس اسٹریٹ ——— کراچی

تذکرۃ الشعراء

گلشنِ بےخار

مُصنّفہ

نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ

اردو ترجمہ

نفیس اکیڈیمی

بلاسس اسٹریٹ، ـــــ کراچی

تذکرۃ الشعراء

(از چوھدری محمد اقبال سلیم گاھندری)

اُردو شاعروں کے تذکرے بارھویں صدی ہجری کے وسط بلکہ سچ پوچھئے تو نصف اول ہی سے لکھے جا رہے ہیں سراج الدین علی خان آرزو کے مشہور و معروف تذکرۃ الشعرا (تصنیف ۱۱۶۴ھ) سے پہلے بھی ایک دو تذکروں کا پتہ ملتا ہے اگرچہ ان تذکروں میں اُردو اور فارسی دونوں ہی زبانوں کے شعرا ملے جلے سے ہیں، لیکن نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ کے تذکرۂ گلشنِ بے خار کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ دوسرے تذکروں کو نہ مل سکی، حتیٰ کہ میر و سودا کے تذکروں کو بھی قبولیت کا یہ مقام نہ حاصل ہو سکا۔

قبولیت عامہ کا یہ تاج بغیر کسی وجہ کے اس تذکرہ کے سر پر نہیں رکھا گیا ہے۔ قدیم تذکروں میں سے کوئی بھی اصابت رائے حسن انتخاب اور سنجیدہ تنقیدی رنگ کے اعتبار سے اس تذکرہ کا ہم پایہ نہیں، اس پر مزید اس کی وسعت اور متانت تحریر، ان خصوصیات نے تذکرۂ گلشن بے خار کو تاریخ زبان اُردو کا ایک اہم ماخذ بنا دیا ہے۔ نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ عظیم الدولہ، سرفراز الملک، مظفر جنگ، دہلی کے آخری دور میں ایک صاحب علم اور صاحب ثروت رئیس تھے، ان کے والد نواب مرتضیٰ خاں، مغل شہنشاہ دہلی فرخ سیر (۱۱۲۴ھ - ۱۱۳۱ھ) کے عہد میں ولایت کابل سے آئے تھے، مہاراجہ اندور اور نواب امیر خان کے ساتھ معرکوں میں شریک رہے، اور آخر میں مسٹر لیک (عہدہ دار کمپنی انگریزی) کے ساتھ وفادارانہ فوجی خدمات انجام دے کر انگریزوں سے جاگیر حاصل کی تھی۔ نواب محمد مصطفیٰ خاں کی تعلیم و تربیت بڑے اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان میں جو صلاحیتیں رکھی تھیں، ان کے اُبھرنے کے بڑے اچھے مواقع انھیں ملے، اور یہ حقیقت ہے کہ وہ فارسی اور اُردو کے بہترین شاعر، اعلیٰ درجہ کے نقاد سخن اور بہترین نثر نگار تھے۔ بڑے سخی، اعلیٰ اخلاقی خوبیوں کے مالک اور متقی و پرہیزگار آدمی تھے ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء کے ہنگامہ رستخیز کے بعد انگریزوں نے انھیں سات سال کی سزائے قید دیدی تھی اور انھوں نے یہ سزا کاٹی، رہائی کے بعد وہ چار پانچ سال سے زیادہ زندہ نہ رہے، ان دنوں ان کا قیام زیادہ تر جہانگیر آباد ضلع بلند شہر میں رہتا تھا، جہانگیر آباد کا علاقہ ان کے والد نے خود ان ہی کے نام پر خریدا تھا۔ انگریزوں نے اور تو ساری جائدادیں سرکاری وظائف اور مناصب ضبط کر لئے تھے۔ مگر جہانگیر آباد کا علاقہ چھوڑ دیا تھا۔ نواب شیفتہ مرحوم نے اپنی عمر کا آخری حصہ رئیسانہ شان سے حاتم کی سی سخاوت کے ساتھ اسی جگہ بسر کیا، اور ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء میں وفات پائی۔ نواب مصطفیٰ خاں اُردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے۔ ان کے فارسی اور اُردو کلام کے مجموعے کلیات شیفتہ و کلیات حسرتی کے نام سے موجود ہیں۔ مجموعۂ کلام کے علاوہ ان کا سفر نامہ حجاز بنام "رہ آورد" اور تذکرہ شعرا بنام "گلشن بے خار" مشہور و معروف ہیں۔ یہ تذکرہ ۱۲۵۰ھ میں لکھا گیا اور ۱۲۵۳ھ میں دہلی سے طبع ہو کر شائع ہوا تھا، یہ تذکرہ فارسی زبان میں ہے اور بار بار چھپنے کے باوجود آج بہت ہی کمیاب ہو گیا ہے۔ نفیس اکیڈیمی کراچی نے اس کا سلیس و فصیح ترجمہ اُردو میں کرایا جو اس وقت آپ کے سامنے پیش ہے۔ قطب الدین باطن نے گلستان بے خزاں کے نام سے جو تذکرۂ شعرا، گلشنِ بے خار کے جواب میں لکھا تھا، نفیس اکیڈیمی کی طرف سے اسے بھی عنقریب شائع کیا جائے گا۔ اس طرح یہ دونوں تذکرے ناظرین کے سامنے آجائیں گے۔ انشاء اللہ۔ ہمیں امید ہے کہ اہلِ نظر ہماری ان مساعی کو قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے اور ہماری ہمت افزائی فرمائیں گے۔

وما توفیقی الا باللہ،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

(از نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ و حسرتی)

گفتگوئے انسانی کا گل سر سبد اس چمن طراز کا حمد ہے جس نے باد شمال و صبا کی جنبش سے گلشن زمین میں گلہائے رنگین کھلا دیئے ہیں۔ اور گلدستۂ خیال کی آرائش اس نخلبند کی تعریف و تشکر ہے جس نے ابر و باران کی آبیاری کے بغیر ہی باغ عالم میں موزوں پودے نصب کر دیئے ہیں۔ وہ ایسا صانع ہے کہ اس نے انسان کے وجود خاکی کو حسینان جہاں سے زیادہ رنگ قبول عطا کیا ہے، کوئی ایسا نہیں جو سرو لب جو کو یار کے قامت دل جو کے برابر سمجھے۔ اور وہ ایسا حکیم ہے کہ اُس نے اچھے بُرے کی تمیز اور خار و گل میں امتیاز کی صلاحیت سرشت انسانی میں رکھ دی ہے، سنبل پر پیچ و شکن کو دل وا کے زلف خوش خم کے برابر کوئی نہیں مانتا۔

یہ سب کچھ محض خرافات نہیں، خرافات حکمت کے منافی ہے۔ ایک ذرہ میں سو آفتابوں کا فروغ پنہاں ہے اور ایک پتی میں ہزار گلستانوں کا جلوہ پوشیدہ ہے۔ بیت

وصف صنعت کز لب ہر ذرہ می ریزد برون

نطق را در معرض عقد اللسان انداختہ

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار

فرد :- ہر ورقے دفتریست از معرفت کردگار

جب کمترین آشنائے احوال کا یہ حال ہو تو اس کا کیا حال ہوگا جو اشرف مخلوقات وانفس موجودات ہے۔

اسی طرح ایک کو دوسرے پر جو ترجیح دی گئی اس کا بھی ایک مقصد ہے، اور کسی کو دوسرے سے کمتر بنایا گیا ہے اس میں کوئی نہ کوئی خاص مطلب پنہاں ہے، جس طرح آنکھوں میں نور بصر ہے اسی طرح بصیرت میں قوت امتیاز حسن و قبح دی گئی ہے اس میں ایک عظیم مصلحت ہے اور تاریکی میں شمع کی طرح شبستان پیکر انسانی میں آفتاب دل کا جلوہ گر ہونا بھی ایک اعلیٰ حکمت پر مبنی ہے۔ یقیناً چشم مخمور سے نرگس بیمار پر نظر نہیں ڈالی جا سکتی اور گل روئی کے باوجود روئے گل سے قطع نظر کر دینا ہی مناسب ہے۔ لالہ رخوں کی تمنا میں بلبل کی طرح آتش شوق اپنے سینہ میں بھڑکانا نہیں چاہیئے اور شمع رویوں کے آرزو میں پروانہ کی طرح جل اُٹھنا مناسب نہیں، کیونکہ ایک ہی پھول ہے جس کی رنگینی سے جہان رنگین ہے، ایک ہی شمع ہے جس سے دنیا روشن ہے اور بادۂ سخن کا ایک ہی جام ہے جس سے کیف و سرور آ سکتا ہے۔

فرد :- فالغ نہ شوی بہر چہ یابی از خوب بخوب تر شتابی

انتہائے کمال تک پہنچے بغیر طلب سے ہاتھ کھینچ لینا پستیٔ ہمت ہے، شاخ طوبیٰ کو چھوڑ کر کسی اور شجر کی طرف ہاتھ بڑھانا کوتاہیٔ فطرت ہے۔ بادۂ طہور سامنے ہو تو انگور سے شراب کشی کرنا کہاں جائز ہو سکتا ہے یوسف کی موجودگی میں زلیخا کو دیکھنا کہاں سزاوار ہے، اعجاز کو چھوڑ کر سحر کا گرویدہ ہونا دانشمندی کے دعوے داروں کو زیب نہیں دیتا عیسیٰ مسیح سے منہ موڑ کر افلاطون سے وابستہ ہونا پاگل کا کام ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ دیر مجاز کا چراغ کعبۂ حقیقت کی مشعل ہے اور صنعت علت خود معرفت صانع کا ذریعہ، ابداع عالم سے غرض اور ایجاد آدم و عرش سے مقصود معرفت کے سوا کچھ نہیں، اور کمال معرفت یہ ہے کہ انسان کو اپنے عجز ادراک کی معرفت حاصل ہو جائے۔ العجز عن درك الادراك ادراك (ادراک یہی ہے کہ ادراک کی عاجزی کو سمجھ لیا جائے)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک جویائے متحر کے لئے راستہ کیا ہے اور کسی رہبر منزل کے لئے خضر کون ہے، یہی وہ نکتہ ہے جس سے انبیاء و رسل کی بعثت کا مقصد سمجھ میں آتا ہے۔ یہی وہ بزرگ ہستیاں ہیں جو سرگشتگان صحرائے حیرت کو منزل مقصود پہنچاتی ہیں اور درماندگان وادی غربت کو بحد توفیق وادی مطلوب کے حدود میں لے جاتی ہیں۔ سلام اللہ علیہم اجمعین خصوصاً خاتم انبیاء کے پیش رو، اصفیاء کے رہنما خاتمہ کتاب سالت گل سر سبد عدنان، سید انس و جان، صاحب حلم ابراہیم و جلال موسیٰ، حامل صبر ایوب و جمال یوسف معظم و مکرم لوز مجلی مہبط فیض سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام ہو، کہ شبستان دہر اُن کے آفتاب ذات کی کرنوں سے منور ہے اور اُن کی صفات کے انوار آفتاب عالم تاب کی طرح سارے جہان پر ضو فشاں ہیں وہ سردار کہ جس نے اُس کے دربار میں سر خم کیا اوج فلک کو بھی زیر پا لانا پستی ہمت سمجھنے لگا، وہ عرش منزلت کہ جس نے اس کے آستانہ کو بوسہ دیا اوج ثریا پر قدم رکھنے کو تحت الثریٰ کی پستی شمار کرنے لگا۔ ایسے مہربان کہ دشمنوں کو دوست سمجھیں اور دوستوں کا تو کیا کہنا، ایسے باغبان کہ اُن کا طریقۂ احسان آشنا و بیگانہ سب کے لئے کھلا ہوا ہے اور سب اس بوستاں کے گلچیں ہیں۔ جن کی انگلیوں کے اشارہ کا فلک تابع ہے، اور چاند دو ٹکڑے، جن کے قہر و مہر سے آفتاب جہاں تاب گرفتار امید و بیم جن کے معراج کی رات شب قدر سے بلند مرتبہ اور جن کی بعثت کا دن روز عرفات سے اعلیٰ و اولیٰ، ان کے انگشت فیض سے پانی کی روانی اس کے سرچشمہ کمالات کا محض ایک قطرہ ہے، دریا و سمندر، معاون، و مخازن ان کی عطا و بخشش کے امیدوار و آرزو مند، اُن کے عدل میں نام کسریٰ نامناسب، اور اُن کی سخاوت میں نام حاتم بے عقلی، ان کے معجزہ سے شجر و حجر مانند انسان گویا و ناطق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شجر کا گویا ہونا اور حجر کا حضور کو سلام کرنا، مشہور واقعہ ہے، تم نے بھی سُنا ہوگا اُن کی تلوار کی آب نے اہل کفر و طغیان کی کشتیٔ حیات کو گرداب عدم میں پہنچا دیا، اور اُن کے غضہ کی آگ نے اہل شرک و عناد کے حق میں برق خرمن سوز کا کام کیا، اُن کے عہد مبارک میں کفر کی بنیادیں اکھڑ گئیں، قصر کسریٰ کو دیکھو۔ اُن کے زمانہ میں ہنگامۂ شرک سرد پڑ گیا خود آتشکدہ ایک دلیل مبین ہے۔ صلوٰۃ و سلام ہو اُن پر اور اُن کی آل و عترت پر جو برتر شان رفعت رکھتے ہیں اور کلام خداوندی کے ذریعہ ان کی منزلت و جلالت

ثابت ہے۔ اور اُن کے تمام اصحاب پر جن میں سے ہر ایک اختر برج ہدایت و ارشاد اور گوہر درج صدق و سداد ہے۔

امابعد! اہل نظر کو مژدہ کہ معشوقۂ سخن بصد ناز و ادا رخ سے پردہ اٹھاتی ہے اور محبوبۂ فکر بہ ہزار کرشمہ و ناز جلوہ دکھاتی ہے نظم کی سلمائے شیریں ادا مستعد دل ربائی ہے اور نثر کی عذرائے خود آرا مشتاق تماشائی، شمع قلم خورشید زا ہے اور خورشید تحریر فروغ افزا یعنی ایک بیاض تیار ہوگئی ہے سپیدۂ صبح صادق سے بھی زیادہ روشن، ایک گلستان آراستہ ہوا ہے صفحۂ خیال عاشق سے بھی زیادہ رنگین، زبان ریختہ (اردو) کے فصیح اشعار اور بلاغت طراز شعراء کا ایک مختصر سا تذکرہ مرتب ہو گیا ہے۔ اور یاران جاں پرور و احباب دل نواز کے لئے ایک نہایت مختصر سا ہدیہ مہیا ہوگیا ہے۔

میری خود ناشناسی داد کے قابل ہے۔ میرا منصب تو یہ تھا کہ اس کہنہ رواق عالم میں کوئی طلسم نو بناتا اور لوح ہیچ مدانی افلاطون و ارسطو کے سر دے مارتا، میں تو فرط کبر و ناز سے ابونصر اور ابوعلی کی مہملات کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا، اور ان پر کان نہ دھرتا، اس گھٹیا درجہ کی بات سے مجھے کیا سروکار۔

بیت:- من مرغ خوش ترانۂ باغ فضیلتم　　طبع مرا بزمزمۂ شاعری چہ کار

مگر یہ سب کچھ ایک دوست کی فرمائش کی تعمیل میں ہوگیا، وہ دوست میرے احباب روحانی میں سے ہے اور ایک جانی دوست ہے جسے جان آرزو کہئے، اُس کی فرمائش کو زبان سے زیادہ دل نے قبول کر لیا اور یہ بار ننگ و عار میری گردن میں ڈال دیا۔

ہوا یہ کہ ایک رات دوستان صادق و یاران موافق کے ساتھ بزم آرائی کا اتفاق ہوا، کیا خوش گوار رت تھی، صبح جوانی کی طرح نشاط افزا اور بہار گلشن زندگانی سے زیادہ طرب انگیز، شرکائے بزم کے دل گل تازہ کی طرح شگفتہ و شاداب، خوشی اور مسرت کا دور غم و غصہ کمیاب، کسی نے دوسرے کی غزل سنائی اور کسی نے خود اپنے جواہر افکار پیش کئے، کسی نے ترنم دل آویز سے دل کو لبھایا اور کسی نے شیریں زبانی کا رنگ جمایا۔ ع　　جمے چوں گل و لالہ بہم پیوستہ

اسی محفل میں ایک یار حبیب نے جو شمع محفل احباب ہے اور جس کی محبت جان و دل میں جاگزیں ہے، کہا کہ اگر ایک بیاض ایسی مرتب کرلی جائے جس میں پرانے شعراء کا ذکر بھی ہو اور نئے کا بھی تو کیا خوب ہو، اس طرح گذشتہ لوگوں کا ایک تذکرہ اور جدید احباب کا ایک گلدستہ ہمیشہ ہی ساتھ رہ سکے گا۔ اور جو سرور اس وقت حاصل ہے اس کو دوام حاصل ہو جائے گا۔ اور جو نشہ آج پیدا ہوا ہے اس کا خمار ہر زمانہ میں موجود رہے گا۔ میں نے اس دوست سے کہا کہ اے یار جان نواز طائر سدرہ نشین کا آشیانہ ببول کی ٹہنی پر نہ بناؤ اور دریائے بحر کا سے کھیلنے والے کو کیچڑ میں نہ پھنساؤ، کہاں میں اور کہاں سودائے شاعری اور وہ بھی اشعار ریختہ (اردو)

کہنے لگا اگر میرے دل پر آپ کے علم و دانش کا اثر قبل سے نہ ہوتا تو میں آپ کے اس جواب کو حواس باختگی کی طرف منسوب کرتا اور اپنے اس خیال کے لئے کوئی دلیل او برہان پیش کرنے کی ضرورت نہ محسوس کرتا۔ یہ تو دیکھئے کہ ہادیٔ فن کون ہے اگر کچھ روایتیں اس کے خلاف وعید کے طور پر آئی ہیں تو اس کی مدح پر دلالت کرنے والی اور بھی روایتیں موجود ہیں جو معارض ہیں۔ مثلاً ان من الشعر لحکمۃ و انّ من البیان لسحرا۔ بات یہ ہے کہ کلام اگر ستائش اہل ذم یا ذم اہل ستائش پر مشتمل ہے تو مذموم ہے ورنہ بدلیل و عملوا الصالحات قابل تعریف اور محمود۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

فرد:　　مدان رتبۂ شعر را سرسری　　بود شاعری بعد پیغمبری

رہی ریختہ زبان تو آپ نے اسے حقیر شمار کیا ہے اور کمتر درجہ کی زبان سمجھ لیا ہے، یہ نہیں دیکھتے کہ غرض معانی سے ہے؛ اور معانی عالیہ کو اچھے الفاظ میں جہاں بھی ادا کیا جائے قابل تعریف ہے اور اس لائق ہے کہ اسے سنا جائے خصوصًا اس زمانہ میں

جب کہ ریختہ (اردو) زبان تین فصیح زبانوں کے باہمی اختلاط کا نتیجہ بن چکی ہے اور آج ہر زبان اس کی مشتاق ہے۔

اس دوست کی بات چونکہ دل نشین ہوگئی اس لئے اساتذہ کے دواوین کو دقت نظر اور نگاہ انصاف کے ساتھ مطالعہ کیا گیا اور اُن سے انتخاب لیا گیا۔ جن کے دیوان مل نہ سکے اُن کے افکار تذکروں اور بیاضوں سے حاصل کیے گئے اور جو پسند آئے انتخاب میں لے لیے گئے۔ چونکہ اس تالیف کا مقصد اور مطمح نظر پسندیدہ اشعار کا مجموعہ تیار کرنا ہے شعراء کے نام گنوانا نہیں ہے اس لئے قدیم یا جدید کسی شاعر کا ایک کوئی پسندیدہ شعر مجھے نہ مل سکا تو اس کا ذکر اس تذکرہ میں نہیں کیا گیا۔ مشاہیر شعراء میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کے پسندیدہ شعر موجود نہ ہوں اس لیے ان سب کا ذکر آگیا ہے۔ اگرچہ اس بات کا کوئی التزام نہیں کیا گیا ہے کہ ہر ایک کا ذکر ضرور کیا جائے۔

اور اسی وجہ سے شاعری کے مدعیان کا ذب کا ذکر بھی اس کتاب میں نہیں ملے گا۔ یہ نہ خیال کیجئے کہ مجھے اُن کا حال نہیں معلوم تھا۔ لیکن اگر کسی کے بہت اچھے اشعار و افکار ہوں اور اس کا ذکر اس تذکرہ میں نہ مل سکے تو یہ سمجھ لیجئے کہ ان اشعار کی مجھے خبر نہ ہو سکی۔

دوستوں کی محبت اور دشمنوں سے کینہ سے یہ بیاض اسی طرح پاک ہے جیسے دل اہل صفا۔ مقصد یہ ہے کہ اچھے اچھے اشعار جمع کر دیئے جائیں۔ اس کے سوا کوئی اور مقصود نہیں اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی گئی ہے۔

تراجم شعراء کی ترتیب تخلصوں پر بہ ترتیب حروف تہجی ہے۔ اس میں بلند تر و کم تر یا قدیم و جدید کے مابین کوئی امتیاز قائم نہیں کیا گیا ہے۔ اور چونکہ فرصت قلیل اور مشاغل کثیر تھے اس لئے غزل کے سوا دوسرے اصناف شعر کی طرف توجہ ممکن نہ ہو سکی۔ اس کام کی ابتداء ابتدا ۱۲۴۸ھ میں ہوئی اور انتہا انتہائے ۱۲۵۰ھ ہو سکی۔ تاریخ آغاز "بسلہ منتخب زیب" اور تاریخ اختتام "الحمد للہ علی حصول المقاصد" ہے۔ الحمد للہ علی ذلک

آج میری عمر کا اشہب تیز گام چھتیس مرحلے طے کر چکا ہے اور منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے سرگرم تگ و پو ہے، یارب اسے بعافیت منزل مقصود پر پہنچا دے۔

چونکہ یہ چمن دل آویز و حدیقہ عشرت انگیز باغ بہشت کی طرح خس و خاشاک سے پاک ہے اس کتاب کا نام گلشن بے خار رکھا گیا۔ امید ہے کہ اہل ذوق کے نزدیک پسندیدہ اور اہل نظر کی آنکھوں میں خوش منظر ثابت ہوگا۔ اب اصل کتاب شروع کرتا ہوں اور خدائے ودود سے توفیق کا طالب ہوں خدایا! یہ مساعی پسند خاطر مشکل پسند ہوں۔

محمد المدعو بہ مصطفیٰ ریختہ میں شیفتہ، فارسی میں حسرتی

خدا خاتمہ بالخیر کرے اور آخرت کو دنیا سے بہتر بنائے۔

فہرست عنوانات گلشنِ بے خار

(ص)

حرف الالف

آبرو :—

نجم الدین نام، شاہ مبارک عرفیت۔ محمد غوث گوالیاریؒ کی اولاد سے ہیں۔ سکونت . . . . . سراج الدین علی خاں آرزوؔ کے شاگرد و عزیز تھے۔ پہلے طبقے کے زبان آور، صنعت ایہام کی طرف مائل تھے۔ محمد شاہ کے عہد میں ستارۂ زندگی ڈوبا۔

کیوں چھپا ظلمت میں گر اس لب سے خضر شرمندہ تھا
جان کچھ پانی مری ہی چشم حیواں کے بیچ

کون چاہے گا گھر بسے تجھ کو
مجھ سے خانہ خراب کی سی طرح

نہیں تارے بھرے ہیں گھر ٹنک کے فقط
کس قدر نسخۂ فلک ہے غلط

دور خاموش بیٹھا رہتا ہوں
اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

سر سے لگا کے پاؤں تلک دل ہوا ہوں میں
یاں تک تو فن عشق میں کامل ہوا ہوں میں

نہ دیوے لے کے دل وہ جعد مشکیں
اگر باور نہیں تو مانگ دیکھو

پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے
وہ عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے

شور ہے اس کے ٹک باری کا
آبرو چشم تر غنیمت ہے

آتش :—

خواجہ حیدر علی نام، مشاہیر شعرائے لکھنؤ میں ہیں۔ انداز روش بیباکانہ رکھتے ہیں۔ اس علاقے کے لوگ آتش ناسخ (جو لکھنؤ کے مسلم اساتذہ میں ہیں) کو برابر اور یکساں درجے کا شاعر

مانتے ہیں۔ مگر صاحب ذوق پر اس تحقیق کی کمزوری واضح ہے۔ اس کے حسن طبع میں سخن نہیں۔ دیوان دیکھا یہ اس کا انتخاب ہے۔

شب ہجراں میں جو دم تھا وہ گویا واپسیں دم تھا
گماں تھا شام سے مجھ پر چراغ صبح گاہی کا

دم آخر بھی بالیں پر مرے ہمراہ یار آئے
رقیبوں نے محل رکھا نہ باقی عذر خواہی کا

یاد آیا جو طواف کعبہ میں آتش وہ ماہ
حال بدتر تھا کتاں سے جامۂ احرام کا

سامنے ہوتی نہیں اس شمع رو کے اپنی آنکھ
اے صبا مخمل سے پروانہ کے خاکستر اٹھا

عرصۂ محشر میں جلتے ہی جہنم میں پڑا
اور اٹھے یاں ارادہ تھا مجھے فریاد کا

گردش چشم بتاں سے مل گیا میں خاک میں
آسماں کو شوق باقی رہ گیا بیداد کا

آئے بھی لوگ، بیٹھے بھی، اٹھ بھی کھڑے ہوئے
میں جا ہی ڈھونڈتا تری محفل میں رہ گیا

لحد تیرہ میں مجھ پر جو نگا ہونے عذاب
پھر گیا آنکھوں میں عالم شب تنہائی کا

چھوڑتا میرے گریباں کو نہیں دست جنوں
کیا یہ اس کو کسی محبوب کا دامن سمجھا

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

پیچھے ہٹا نہ کوچۂ قاتل سے اپنا پاؤں
سر سے تڑپ کے چار قدم آگے دھڑ گیا

گرہ تھی دل میں زلس حسرت ہم آغوشی
فشار گور کا راحت مجھے عذاب ہوا

شب فراق میں مجھ کو ملانے آیا تھا
جگایا میں نے جو افسانہ گو کو خواب آیا

ہماری قبر سے آئے گی یہ صدا تا حشر
یہ مردہ آیا کہ مجھ پہ کوئی عذاب آیا

اللہ رے شوق اپنی جبیں کو خبر نہیں
اس بت کے آستانہ کا پتھر رگڑ گیا

روز سیاہ ہجر میں میرے جلے چراغ
پروانوں کو نصیب ہوا دن وصال کا

وہ نہیں ہوں میں رکھائی سے جو ٹل جاؤں گا
آج جاتا تھا تو ضد سے تری کل جاؤں گا

عاشق اس غیرت بلقیس کا ہوں میں آتش
بام تک جس کے کبھی مرغ سلیماں نہ گیا

چال ہے مجھ ناتواں کی مرغ بسمل کی تڑپ
ہر قدم پر ہے یقیں یاں رہ گیا واں رہ گیا

قاصدوں کے پاؤں توڑے بدگمانی نے مری
خط دیا لیکن نہ بتلایا نشانِ کوئے دوست

اس بلائے جاں سے آتش دیکھیے کیونکر بنے
دل سوا شیشے سے نازک دل سے نازک خوئے دوست

آمد آمد اس سراپا نور کی ہے بزم میں
شمع اڑ جائے جو ہاتھ آئیں پر پروانہ آج

دندان یار جب سے سمائے ہیں آنکھ میں
لیتے ہیں موتی جوہری اپنی نگاہ پر

کوچۂ یار میں سائے کی طرح رہتا ہوں
در کے نزدیک کبھی ہوں کبھی دیوار کے پاس

اے جذب دل بغل میں سمجھتا ہوں یار کو
جاتا ہے دھیان جب تری امداد کی طرف

سجدۂ شکر خدایا میں کیے رکھتا ہوں
پاؤں پر یار کے سر کو ہی جھکانا شب وصل

وحشی تھے بوئے گل کی طرح سے جہاں میں ہم
نکلے تو پھر کے آئے نہ اپنے مکاں میں ہم

لوٹ گناہ کو جو کبھی آگیا ہے دھیان
غوطے لگاتے ہیں عرق انفعال میں

مری ضد سے ہوا ہے مہرباں دوست
مرے احساں ہیں دشمن پر ہزاروں

اسے جاں کے برابر مرتے مرتے ہم نے رکھا ہے
ہماری قبر پر رویا کرے گی آرزو برسوں

خاک میں مل کے بھی ہوں گا نہ غبار دامن
کمر یار سے اٹھتا نہیں بار دامن

نوازش مجرمانِ عشق پر جلاد کرتے ہیں
خدا اجر ان کو دے اس کا اسیر آزاد کرتے ہیں

برہمن آنکھوں کو ملتا ہے جو پائے بت پر
رشک آتا ہے مجھے سنگ در یار نہ ہو

چمن دہر میں وہ سبزۂ خوابیدہ ہوں میں
باغ جنت کی ہوا سے بھی جو بیدار نہ ہو

جس تودے میں شریک ہوئے اپنی خاک سے
حسرت ہی رہ گئی لب معشوق تیر کی

سنگ در پر کسی محبوب کے دے پٹکوں گا
بد دماغی جو یہی ہے تو ہوا سر ٹکڑے

جلاتی ہے دل آتش طور کی طرح
کسی پردہ نشیں کی لن ترانی

ایڑیوں تک تری چوٹی کی رسائی ہوتی
کل جو آئی تھی بلا آج ہی آئی ہوتی

ہنسنے والا نہیں ہے رونے پر
ان کو غربت وطن سے بہتر ہے

ہاتھ مشتاقِ گریباں ہے جنوں کا جوش ہے
پیرہن تن پہ مرے گرمی کا بالاپوش ہے

منزل ہی دور ہے جو یہ پہنچے نہیں ہنوز
دم لینے والے راہ میں عمر رواں نہ تھے

افسوس ہے فرہاد کو پہلے ہی نہ سوجھی
سر توڑ کے مر جایئے اس کوہ کنی سے

پیا میسر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا
زبان غیر سے کیا شرح آرزو کرتے

پری زادوں کے کوچہ میں ہوئے ہیں گرد آلودہ
ہمارے پاؤں کو دھوئیں گی حوریں آب کوثر سے

آرزو :-

نام سراج الدین علی خان اکبر آبادی - وہ خود اتنے مشہور ہیں کہ راقم تلاش حالات کی ضرورت نہیں سمجھتا کبھی کبھی ریختہ میں بھی کہہ لیا کرتے ہیں ۔

اس تند خو صنم سے ملنے لگا ہوں جب سے
ہر کوئی مانتا ہے میری دلاوری کو

آرام :-

نام رائے پریم ناتھ - قوم کھتری - عہدہ پیشکاری ، نستعلیق بہت عمدہ لکھتے تھے اور ان کی خط شکست کی شہرت سے کفایت خاں کی شہرت کم ہوگئی - تیراندازی میں بھی مہارت رکھتے تھے ، شعر فارسی اور ریختہ دونوں میں کہتے تھے کلام یہ ہے : ۔

خون آنکھوں سے نکلتا ہی رہا
دل کا فوارہ اچھلتا ہی رہا

کون دلداری کرے آرام کی
ایک مجنوں تھا سو جلتا ہی رہا

آرام :-

نام خیر اللہ خاں - نواب ظفریاب خان کے مصاحبین میں سے تھے - ابتدائے عمر میں انتقال کیا ۔

جی میں رکھتا تو غبار اے رشک گلشن چھوڑ دے
خاک عاشق پر جھٹکتا کیوں ہے دامن چھوڑ دے

آرام :-

نام مکھن لال ۔ کایستھوں میں سے تھے ۔ ہوشیار آدمی ہیں ۔ یہ شعر ان کا بدرجہ مجبوری لکھا گیا ۔

ہمدمو مجھ سے یہ کہتے ہو نہ تو یار سے مل   اس کو سمجھاؤ ذرا یہ کہ نہ اغیار سے مل

آزردہ :-

صدر الدین علی خاں نام ۔ عالموں سے بڑے عالم ، صاحب احترام ۔ بلیغوں کے رہنما ، عالی مقام ۔ فصحا کے پیش رو ۔ بہت سی خوبیوں کے حامل ۔ بہت سے ظاہری و باطنی مناصب جلیلہ پر فائز ۔ بہت سے عجیب و غریب فنوں کے اسرار کو انھوں نے واضح کیا اور بہت زیادہ حیرت انگیز علوم پر دست رسی پائی ۔ مالک ملک معانی تھے ۔ مملکت سخندانی کے شہنشاہ تھے

اگرچہ ان کے ذکر شریف کی خوبیوں کا ذکر اس جگہ بے محل ہے ۔ لیکن یہ انتخاب بغیر ان کے نام نامی کے جو قیام قیامت تک زمانے کے اوراق پر ثبت رہے گا ۔ صاحبان بصیرت کے نزدیک بغیر اس کے سند قبول نہیں پا سکتا اس سے کسی قدر ان بزرگیوں اور خوبیوں کا ذکر کیا جاتا ہے ۔ اس سے اس صحیفہ کی رونق بڑھ جائے گی اور ایسے خانس اہل کے ذکر کو اس کتاب میں شامل کر دینا اہل سخن کے لیے بہت باعث مسرت ہوگا ۔ اور یہ مبارک تقریب ہم زبان حضرات کے لیے باعث خیر ثابت ہوگی ۔ مختصر یہ کہ مولانا ایک اونچے خاندان سے ہیں ۔ ان کے بزرگ اہل علم اور صاحب حیثیت و اعتبار تھے ۔ ایسے مبارک خاندان میں ان کی ولادت اور پرورش ہوئی ، اعلیٰ ترین مناصب پائے مقدمات کے فیصلے کیے اور اہل فرنگ سے وہ عہدہ پایا جسے ان کی اصطلاح میں صدر صدور کہتے ہیں اور جس سے

بڑھ کر آج کل ان کے عہد حکومت میں اہل ہند کے لیے کوئی درجہ نہیں ہے۔ ان لوگوں کو رستے رہے اور مولانا نے اس دینوی ذریعہ کسب معیشت کو آخرت کے ثواب کا وسیلہ بنا لیا کیونکہ وہ اپنی پوری قوت دوسروں کی کاربرآری پر صرف کرتے ہیں اور ان کی اس نیکی اور انصاف دوستی کی وجہ سے جو وہ ہر خاص و عام کے لیے روا رکھتے ہیں اور اتحاد بے پایاں اور بے انتہا مہربانی کی بنا پر جو وہ کرتے رہتے ہیں ایسا کوئی دن نہیں جاتا کہ ان کی صحبت سے لوگ فائدہ نہ اٹھاتے ہوں اور اس سے فیضیاب نہ ہوتے ہوں۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ جب یہ نعمت میسر نہ ہوتی ہو، حقیقت میں وہ دن عمر رائگاں سمجھنا چاہیے جب ان کی صحبت نہ حاصل ہو۔ وہ خلق و لطف کا مجسمہ ہیں، ان سے بہتر ہستی کا تصور نہیں کیا جاسکتا، نہ ان کے علم و فضل کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اتنی بڑی فضیلت کا شاعر خاک ایران سے نہیں پیدا ہوا ان کی بلندی مقام کا بیان دشوار ہے مجبوراً ان کے کلام معجز نظام سے چند شعر پیش کرتا ہوں

مر کر بھی ہمارا دل بیتاب نہ ٹھہرا — کشتہ بھی ہوا تو بھی یہ سیماب نہ ٹھہرا
اس دردِ جدائی سے کہیں جان نکل جائے — آزردہ مرے حق میں ذرا تو بھی دعا کر
ہو نہ دامن گیر کوئی جان کر قاتل تجھے — تو بھی روتا چل جنازے کو ہمارے دیکھ کر
برگشتہ بخت جذبۂ دل تجھ کو آفریں — آ کر وہ پھر گیا ہے بیت الحزن کے پاس
آمد آمد ہوئی پھر موسم گل کی شاید — ان دنوں چاک کو پاتے ہیں گریباں سے انس
ناصح یہاں یہ فکر ہے سینہ بھی چاک ہو — ہے فکر بخیہ تجھ کو گریبان کے چاک میں
گیا کون ساصید افگن ادھر سے — کہ خالی پڑے آشیانے بہت ہیں
یہ چھیڑ دیکھ مجھ سے شب وصل میں کہے — تو اپنی ہے بندِ قبا کیونکر روا کروں
گو اسیری میں ہوں پر مثل اسیر تصویر — نہ غم قید نہ پروائے رہائی مجھ کو
الجھنے کو بلا ہیں آپ بھی کچھ خیر ہے صاحب — لگایا ہاتھ کس نے آپ کی زلفِ پریشاں کو

ترے مجروح کے سینہ میں کچھ گرمی سی باقی تھی — وہیں بس ہو گیا ٹھنڈا جو کھینچا تیرے پیکاں کو
اس شوخ سے مربوط بہت بس سے ہوئے — گرہم بھی سبک حرکت نا اہل سے ہوئے

آزاد :-

نام شیخ امیر الدین - غلام علی عشرت بریلوی کے شاگرد تھے ۔
ان کا شعر ہے :

بن ترے سیر چمن کو نہ گئے ہم ورنہ — خندۂ گل نے مجھے خوب رلایا ہوتا

آزاد :-

نام فقیر اللہ - پرانے لوگوں میں ہیں -
نمونۂ کلام

سب صنعتیں جہاں کی آزاد ہم کو آئیں — پر جس سے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

آزاد :-

نام رام سنگھ - بہت اخلاص و اخلاق کے آدمی ہیں -

ان دنوں پیارے تری طرز تکلم اور ہے — طور چشمک اور ہے وضع تبسم اور ہے

آشوب :-

نام میر امداد علی خاں خلف میر روشن علی خاں فرخ شاہجہاں آباد کے رہنے والے ہیں - میر نظام الدین ممنون کے شاگرد ہیں - ان کے کلام میں ان کے استاد کی روش بہت نمایاں ہے - وہ ہر محفل مشاعرہ میں شرکت کرتے ہیں - طرحی غزل کہتے ہیں - راقم

سے ملاقات ہے۔ بہت مہذب نوجوان آدمی ہیں۔ ان کا کلام ہے:

ناوک غم سے چھنایاں تک تن اس ناکام کا
استخواں پر ہے گماں میرے ہما کو دام کا

گنہ کے بوجھ سے محشر تلک پہنچ نہ سکے
اسی میں پردہ رہا ہم گناہ گاروں کا

نہ آ تو میری بالیں پر تماشا جذبۂ دل کا
دکھا دوں گا تجھے گر آپ میں ہی میں کبھو آیا

کوئی دم خاک میں ہم خاک کے آسودوں کو
اس کے ہنگامۂ رفتار نے سونے نہ دیا

پوچھا جو میں نے یار سے انجام سوزِ عشق
شوخی سے اک چراغ کو اس نے بجھا دیا

دل کو سمجھے تھے کہ اس بزم سے لے آئیں گے
ہائے اپنا بھی ہوا واں سے پھر آنا مشکل

عذرِ جفا کے کب تلک تم کرو ہم گلہ کریں
وصل کی رات کم رہی آؤ معاملہ کریں

پاس آلودگی دامنِ قاتل نہ گیا
کس قدر ذوقِ تپیدن سے پشیماں ہوں میں

دل کہیں دیدہ کہیں صبر کہیں تاب کہیں
ہائے کتنا شبِ ہجراں میں پریشاں ہوں میں

یہ دیدہ و دل اس پر مائل مرے دونوں ہیں
دشمن مرے دونوں ہیں قاتل مرے دونوں ہیں

آشفتہ۔

نام عظیم الدین خان۔ عرف بھورے خان۔ قوم افغان۔ میر محمدی مائل کے شاگردوں میں سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک آشفتہ طبع اور وارستہ مزاج آدمی تھے۔ آخر میں باطنی کمالات کے حصول کی طرف توجہ کی۔ اور شاعری سے توبہ کر لی۔

ان کا کلام ہے:

برگشتہ بخت ہم سے دیکھے ہیں کم کسی نے
جب ہم ہوئے مقابل وہ منہ کو موڑ بیٹھے

دیوانگی ہماری ہر لحظہ یاں ہے تازہ
شیدا ہیں اس پری پر ہم گرچہ مدتوں سے

نبی کو خاطرِ اصحاب کیوں نہ ہو منظور
کہ زیب و زینتِ مجلس ہے چار یاروں سے

آشفتہ :-

نام میرزا علی خلف حکیم محمد شفیع - کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ان کا وطن لکھنؤ ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ اکبر آباد ہے - بہر حال جو بھی ہو - وہ ایک جوان آدمی تھے، دل کے نرم اور دوسروں کی تکلیف کا احساس کرنے والے - فن طب میں کافی مہارت رکھتے تھے - مشاعروں کی محفلیں منعقد کرنے میں دلچسپی تھی - ان کا کلام میر سوز کی نظر سے گزرا ہے - ان کے اشعار صاف و شستہ اور خیالات اہل انصاف کے نزدیک پسندیدہ ہوتے ہیں - یہ اشعار ان کے درج کیے جاتے ہیں :-

جی تھا آنکھوں میں یار تھا دل میں
یاں تلک انتظار تھا دل میں

مر گئے پر بھی ہم کو خاک نہ دی
آج تک یہ غبار تھا دل میں

دم آخر جو ہچکی آئی تھی
وہ فراموش کار تھا دل میں

فقط نہ اپنی ہی تم آن دیکھتے جاؤ
ادھر ادھر بھی مری جان دیکھتے جاؤ

بجائے اشک نکلتے ہیں پارہ ہائے جگر
تمہارے جی میں تھا ارمان دیکھتے جاؤ

دکھانے آئے تھے دامن کے چاک کی خوبی
ہمارا چاک گریبان دیکھتے جاؤ

اگرچہ ہوے کی تصدیقہ لیکن آشفتہ
کوئی گھڑی کا ہے مہمان دیکھتے جاؤ

اپنے کے ہوتے بھلا غیر کو صدقے تو نہ کر
ہم بھی جی رکھتے ہیں پیارے ترے قربان گئے

چہرہ کچھ ان دنوں غم پنہاں سے زرد ہے
ظاہر میں کچھ مرض نہیں پر دل میں درد ہے

چلا ہے کعبہ کو آشفتہ پارسا بن کر
خدا جو بیٹھے بٹھائے اسے خراب کرے

ہمیشہ آگ نکلتی ہے میرے سینے سے
الٰہی! موت دے گذرا میں ایسے جینے سے

مر گیا ایک صنم پہ آشفتہ
موت ایسی خدا نصیب کرے

آشفتہ :-

نام سید منور علی خلف علی نواز رضوی ۔ سادات بارہہ سے ہیں ۔ ان کی ولادت جہاں آباد و بلدہ میں ہوئی ۔ فن طب میں بہت مہارت اور بلند مرتبہ رکھتے ہیں اس فن کو انھوں نے حکیم غلام حیدر خاں کی خدمت میں حاصل کیا ۔ جو دہلی کے مشاہیر میں سے تھے ۔ اپنے تخلص کی تاثیر سے ان کے مزاج میں شوریدہ سری تھی اور طبیعت میں عشق کا غلبہ ۔ ان کا تخلص میرا تجویز کردہ ہے ۔ ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے ۔

پرسش حال نے پھر یاد دلائی ان کی — گور میں بھی پس مردن نہ کچھ آرام آیا

اجل تو نے کیا کیسا مجھے شرمندہ قاتل سے — تماشا تھا اسے میرے تڑپنے کی اذیت کا

آشفتہ تیری گور میں تڑپے ہے ساری خلق — ہے بیقرار آمد محشر کو جان کر

تم غیر سے ملے ہیں کسی سے ملا نہیں — سچ ہے کہ بے وفا ہوں میں تم بے وفا نہیں

نہ قتل کا خیال انھیں اور نہ موت کو — قسمت میں کیا خدا مرے مرنا لکھا نہیں

عاشق کو لطف سے ہے فزوں لطف جور میں — یہ غیر کی سزا ہے ہماری سزا نہیں

جو نامہ بر گیا وہ گیا جان سے وہاں — اب بھی یہی ہے رقیب کو ہم نامہ بر کریں

گر سنے نامہ کہ دشمن سے نباہی کس طرح — ہے یقین تو بھی کہے وہ بیوفا کہتے کہ ہیں

آوارہ ہوں آپ پر جہاں کو — میں خضر کی طرح رہنما ہوں

ہے وصل میں بھی فراق کا غم — ظاہر میں ہوں پاس پر جدا ہوں

دیکھیں آشفتہ ہمیں مر کے بھی راحت ہو گی — یا رہے گا یہ غم و درد مری جان کے ساتھ

غش ہوں گے ہم آشفتہ تاب رخ جاناں سے — پوچھے گا قیامت میں بیہوشوں سے کیا کوئی

میرا ہی کیا قصور ہے، بے تاب و بے قرار — جز غیر اور کون نہیں تیرے واسطے

ابھی دلربائی کو کیا جانتا ہے — ستم کو وہ بدخو ادا جانتا ہے

مرے خوں کو رنگ حنا جانتا ہے ہے جلاد کی سادگی میں بھی شوخی

آصف :-

نام وزیرالممالک نواب یحییٰ خاں آصف الدولہ بہادر۔ ان کی خوبیاں اور بزرگیاں تمام عالم میں مشہور ہیں۔ اور حیطۂ تحریر میں نہیں آسکتیں۔ ان کا احسان عام اور بہت بلند تھی۔ سخاوت میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ تیراندازی میں کمال حاصل تھا اور شکار کا بہت شوق تھا۔ صرف بادشاہوں کے لیے شکار کی مشق ضروری ہے کیونکہ برائے شکار دل کام میں آتے ہیں۔ وہ تیر اندازی سے چڑیوں کو زمین پر گرا دیتے تھے اور یہ ان کا ایک ادنیٰ کمال تھا۔ فن شعر سے دلچسپی رکھتے تھے اور اس کے ماہرین کو اکثر صلہ و انعام مرحمت کرتے تھے۔ چالیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن - یہ اشعار ان کی پاکیزہ خیالی کا نتیجہ ہیں۔

ایک دن یار سے یہ میں نے کہا اب تو ہم طاقت و تواں سے گئے
ہنس کے کہنے لگا کہ اے آصف یہی کہہ کہہ کے لاکھوں جاں سے گئے
ملنے نہ ملنے کا تو وہ مختار آپ ہے پر ہم کو چاہیے کہ تگ و دو لگی رہے
جاروب کش نے اس کی نہ رہنے دیا مجھے گر وہ نسیم شکل پر کاہ لے گئی

آفتاب :-

نام ابوالمظفر مجاہدالدین شاہ عالم بادشاہ جن کی بزرگیوں کا پرتو تمام دنیا پر مثل آفتاب عالم تاب کے پڑتا ہے۔ ان کی بزرگی اور بلندی مرتبہ میرے بیان کی محتاج نہیں ۴۹ سال حکومت کی۔ آج ان کی وفات کو ۲۹ سال ہو چکے ہیں۔ شاعری اور شعرا سے ان کو خاص دلچسپی تھی۔ چند اشعار ان کے انتخاب کرکے لکھتا ہوں :-

صبح اُٹھ جام سے گزرتی ہے　　شب دلارام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے　　اب تو آرام سے گزرتی ہے
آئے جو خواب میں بھی وہ بعد لقا تو یہ　　اے آفتاب دولت بیدار سمجھیے

آفریں :-

نام شیخ قلندر بخش - رہنے والے سہارنپور کے تھے - ان کا سلسلۂ نسب کوفہ کے امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے - کہا جاتا ہے کہ شعر کے ضایع سے بہت واقف تھے - انھوں نے ایک رسالہ تحفۃ الصنائع تصنیف کیا تھا ، اور مختلف اصناف سخن میں مثل غزل و قصاید و مثنوی وغیرہ طبع آزمائی کرتے تھے -

ان کے اشعار کا نمونہ یہ ہے :

نہ جا چمن میں تو اب آفریں کہ چوں غنچہ　　لبوں میں اس کے نہاں ہے بہار خندۂ گل
بہت ہیں گرچہ حسیں اور ناز کرنے کو　　بُرے تو ہم بھی نہیں دل نیاز کرنے کو

آفاق :-

نام میر فرید الدین ابن بہار الدین - ان کی عزیز داری شاہ سلیمان سے تھی کہ جو مشہد راو لیائے دہلی سے تھے - وہ ثناء اللہ خاں فراق کے شاگردوں میں سے ہیں - ان کا کلام ہے :-

ہاتھ کا اس کے خط لکھا لایا　　تیرے قاصد میں ہاتھ کے صدقے

آگاہ :-

نام میر حسن علی - شاہی السادہ خرقوں میں سے ہیں - ان کو مختلف علوم و فنون پر

دسترس ہے۔ ان کے اشعار کا نمونہ یہ ہے:۔

ہاں تیغ کھینچ اے بت آتش مزاج تو　　　مرنے پہ آج یہ بھی گنہگار گرم ہے

آگاہ:۔

نام نور خان۔ قوم افغان سے ایک شخص ہیں۔ سوائے اس کے ان کے حالات مجھ کو معلوم نہیں ہیں۔ ان کا شعر ہے:۔

منہ دیکھو اپنا سیکھو ابھی رسم چاہ کے　　　باتیں بنا بنا کے نہ۔ کیجیے نباہ کے

اٹل:۔

نام عبد الجلیل۔ وہ شاہجہان آباد دہلی کے معزز سادات گھرانے سے تھے شاگرد معنوی جعفر زٹلی کے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے استاد کو نہیں دیکھا تھا ان کا شعر ہے:۔

زلف ہے چہرہ پہ یا جنجال ہے　　　جنبش ابرو ہے یا بھونچال ہے

آثر:۔

نام حسین علی خان خلف الصدق مرزا حیدر بیگ خاں تورانی۔ ان کو شیخ امام بخش ناسخ کا شرف شاگردی حاصل ہے اور ان کی یہ غزل جس کے اشعار ذیل میں دیئے جاتے ہیں بہت مشہور ہے۔ ان کے علاوہ اور کوئی شعر میرے علم میں نہیں آیا۔ ان کا کلام ہے:۔

بس کہ ورد آٹھوں پہر نام اس مہ تاباں کا ہے　　　بن گیا اختر مری تسبیح کا جو دانہ تھا

سن کے غل شب تا در زندان وہ آ کر پھر گیا　　　شیون زنجیر خواب بخت کو افسانہ تھا

اثرؔ:-

نام سید محمد میر- خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی زمانہ کے ستائے ہوئے اور پراگندہ دل ہیں- اور اپنے بڑے بھائی کے فدائیوں میں سے ہیں- اپنے خاندان کے اثرات کی بنا پر باطنی تشینوں سے ان کا نقش آراستہ ہے- ان کو دیکھنے سے ہی یقین ہوتا ہے کہ وہ صلاح و تقویٰ کے لباس سے آراستہ ہیں- عرصہ ہوا کہ اس فانی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی- ان کا ایک چھوٹا دیوان نظر سے گزرا ہے- ان کے بعض خیالات درد مند اور دل پسند ہیں- ان کی مثنوی بہت مشہور ہے- کہ جس کی بنا محاورہ کی بحث پر ہے اور اس وجہ سے عام پسند ہے،

یہ چند شعر ان کے دیوان سے انتخاب کئے گئے ہیں:-

دیکھیں گے اس کی سنگدلی کو ہم اے اثرؔ
گر کوئی نالہ ہم سے سرانجام ہو گیا

اس سنگدل کے دل میں تو نالے نے جا نہ کی
کیا فائدہ جو اور کے جی میں اثر کیا

ہو جائیں گے جو رو اس کے معلوم
داغوں کو مرے شمار کرنا

کیا کیجیے اثر تو آپ ہی ٹک دیکھ
یوں حال اپنا تباہ کرنا

جی اب کے بچا خدا خدا کر
پھر اور بتوں کی چاہ کرنا

لگی رکھی نہ تو نے میرے ساتھ
تیرے نزدیک قصہ پاک ہوا

بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر
مجھ کو میری وفا ہی راس نہیں

یوں خدا کی خدائی برحق ہے
پر ہمیں تو اثر کی آس نہیں

مر تو چلے کہاں تلک اب در گذر کریں
یا ہم نہیں اس آہ میں یا آسماں نہیں

جی میں ہے از سر نو جور ترے یاد کریں
تو سنے یا نہ سنے نالہ و فریاد کریں

ہم اسیروں کی اسے چاہیے خاطر داری
اور الٹے کہ نہ ہم خاطر صیاد کریں

یاں تغافل میں اپنا کام ہوا — تیرے نزدیک یہ جفا ہی نہیں

حال میرا نہ پوچھیے مجھ سے — بات میری جو معتبر ہی نہیں

دہ لگا، لے گئے جہاں دل کو — آہ! لے جائیے کہاں دل کو

ہر دن فزوں ہیں کج رویاں روزگار کی — کچھ سیکھتا چلا ہے روش میرے یار کی

مانا اثر کہ وعدۂ فردا غلط نہیں — لیکن کٹی نہ آج یہ شب انتظار کی

غرض آئینہ داری دل سے — تیرا جلوہ تجھے دکھانا ہے

تیری عیاریوں کی باتیں اثر — سب سمجھتا ہے گو وہ دانا ہے

اور تو کوئی نہیں دام وقفس دامن گیر — تنگ آیا ہوں فقط دل کی گرفتاری سے

دلربائی و دلبری تجھ کو — گو کہ آتی ہے پر نہیں آتی

دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا — دشمنی پر تو پیار آتا ہے

حال پر اپنے مجھ کو آپ اثر — رحم بے اختیار آتا ہے

آپ ہی نہ جل بجھے نہ کچھ اس دل میں راہ کی — اس پر کہیں گے آہ کہ ہم نے بھی آہ کی

چھپ چھپ کے دیکھنے کے مزے سب یہ اے اثر — معلوم ہوں گے جو کبھی اس نے نگاہ کی

کبھی دوستی ہے کبھی دشمنی — تری کون سی بات پر جائیے

ہیں حیرت سے آپ ہی تجھ کو دیں کیا جواب اس کا — کہ تجھ بن اب تلک کس طرح ہم نے زندگانی کی

آپ میں کتنے لگوں سو ہے کہاں میری مجال — پوچھے تو احوال میرا ایسا کیا تجھ کو پڑے

مہر و کیں کچھ تو ہے تحقیق سے کیا کام مجھے — یوں تو ناحق نہیں دے بیٹھے ہیں دشنام مجھے

کب کب تری گلی میں ہم بے قرار آئے — سو بار جی نے چاہا تب ایک بار آئے

تارے تو گن گئے شب ہجر — داغ اپنے اگر شمار کیجیے

کب کب آتا ہے اثر کیوں تجھے تنگ آتا ہے
آنکلتا ہے کبھی جی سے جو تنگ آتا ہے

احساں :-

نام عبدالرحمٰن خان۔ شاہ عالم بادشاہ کے عہد حکومت کے شعرائے کرام میں سے ہیں۔ کئی برس تک مرزا ایزد بخش بہادر کی سرکار کے مختاری کے عہدہ پر فائز رہے۔ اس دیار کے بزرگوں میں اُن کا شمار ہے۔ باوجود پیرانہ سالی کے اکثر و بیشتر مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں۔ ان کے عاشقانہ اشعار عورتوں کے دل پر بہت اثر کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں صنایع لفظی مثلاً جناس و اشتقاق و طباق وغیرہ کی بہت کثرت ہے۔ مجھ سے ملاقات ہے۔ صاحب اخلاق اور نیک آدمی ہیں۔ ان کا دیوان میں نے دیکھا ہے۔ اس میں سے یہ اشعار انتخاب کیے ہیں:

دو دن سے میں جدا ہوں اس سرکر سے احساں
اک سو طرح کا صدمہ اس درمیاں میں دیکھا

کہاں وہ گریہ وہ نالہ وہ جاں بلب رہنا
کسی کا کام ہمیشہ بنا نہیں رہتا

گلے سے لگتے ہی جتنے گلے تھے بھول گئے
وگرنہ یاد تھیں مجھ کو شکائتیں کیا کیا

میں تو اس نوجوان پر غش ہوں
ہائے عالم تری جوانی کا

سخت نادانی کی احساں جو کہا عاشق ہوں
بھید کہتا ہے کسو سے کوئی ناداں دل کا

ہے وہ مرید آبلۂ پائے عاشقاں
پانی پہ ٹھہرے کیونکہ نہ بستر حباب کا

مرے آتے ہی بس نیند آئی تو اب
یہ اپنی چشم پوشی دیکھتا جا

یارو سبھوں کو میرے گریباں کی فکر ہے
ناصح کے منہ کو آن کے کوئی نہ سی گیا

یہی مجھ کو رہ رہ کے آتا ہے ارماں
کہ تجھ سے یہ کچھ میرا ارماں نکلا

مجھ پہ نہ یک یار ہی کچھ خشمگیں ہوا
نامہ بھی وا کیا تو وہ چیں بر جبیں ہوا

اس میں بھی دراندازوں نے سو رخنہ نکالے
احساں نے جو اس رخنۂ دیوار کو دیکھا

دامن کوہ کو تکتا ہے بحسرت مجنوں
سنگ باقی نہ رہا دامن طفلاں میں کیا

آخر کو گئے گور کے ہم آہ کنارے
دریائے محبت کا یہ ساحل نظر آیا

خاک ہو کر بھی رہوں تھا یہ وفا نے چاہا
کیا کروں لیک نہ کمبخت صبا نے چاہا

مینائے بادہ ہاتھ سے یوں میرے سے گیا
خوں محتسب کا آج تو پینا حلال تھا

جو کوئی جان بچا کر تمہارے در سے پھرا
یہ جانتا ہوں مری جاں خدا کے گھر سے پھرا

دل آہن سرشت اس کا بنے موم
مدد اے رنج عالی شان داؤد

فائدہ تم جو مجھے نزع میں یار آئے نظر
ہے نہ یارائے سخن اور نہ یارائے نظر

مجھ کو مت ٹھکراؤ بس چلیے سنبھل کر دیکھ کر
چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھ کر

دیکھیو میری طرف سچ کہیو اے اختر شناس
کیوں فلک کو تو نے دیکھا میرے اختر دیکھ کر

کوٹھے پہ چڑھا کر تو مری جان سمجھ کر
پریاں نہ اتر آئیں پرستان سمجھ کر

گر دل احسان غم معشوق وہی صد آفریں
بیہودہ مرشداہ یہ بدعت خدا کے گھر کے پاس

کڑھتا ہے دیکھ کے مجھ کو تو اس طرح ظالم
نہاں زباں پہ ہے الحمد و آشکار دریغ

احساں میں جس کے نام پہ دیتا ہوں اپنی جاں
وہ جانتا نہیں ہے مرا نام اب تلک

غم مناتے ہوا گلے سے تیرے
ایک آئے تھے اور دو گئے ہم

میں جو مے پینے پہ آؤں تو سبو پی جاؤں
گر عسس منع کرے اس کا لہو پی جاؤں

میں تڑپتا ہوں غم عشق بتاں میں احساں
حکما فضل الٰہی خفقاں کہتے ہیں

کسی مہرو کی خاطر ہم کو اک جھومر بنانا ہے
اگر بیچے فلک عقد ثریا مول لیتے ہیں

منت گر و گرد پھر تو ہر دم مری دعا کی
ہم کوئی تیری منت تاثیر کھینچتے ہیں

خفا مت ہو مجھ کو ٹھکانے بہت ہیں
مرا سر رہے آستانے بہت ہیں

کہتے ہو کیا رقیب کو بھیجوں بتا صلاح
لعنت ہی بھیجے گا یزید لعین کو

کچھ سانس رکا آتی ہے رہ رہ کے یہ ڈر ہے
قاصد نہ کہیں راہ میں کمبخت رکا ہو

اس سے پوچھے سبب جو احسان وفا پیشہ کبھی
بیوفا کون ہے کہتا ہے وہ عیار کہ تو

حال دل حزین و جگر خستگاں پہ رحم — میں نے کہا ثواب ہے کہنے لگا گناہ

جنت میں مجھ کو اس کی گلی سے ہی دے چلے — کیا جانیے کہ مجھ سے ہوا آہ کیا گناہ

کوئی فلک زدہ ایسا نہیں زمیں پہ کہیں — دماغ آہ کا اس پر بھی آسمان پہ ہے

چین تجھ کو بھی نہ ہو مجھ کو ستانے والے — تو بھی ٹھنڈا نہ رہے جی کے جلانے والے

آشنا کس کے ہیں بے دید ہیں یہ دیدہ و دل — ہیں یہی دیدہ و دانستہ ڈبانے والے

ان کے رونے پہ ہنسی آتی ہے مجھ کو احسان — دوڑے پانی کو ہیں کیا آگ لگانے والے

بیٹھ اے آہ بس خدا نہ کرے — تجھ کو فرصت ہو سر اٹھانے کی

یاد مسجد میں آئے گی احسان — کیفیت اس شراب خانے کی

کچھ اپنی بغل دیکھ کے روتا ہے تو احسان — ہاں اٹھ کے گیا کوئی تو ہے پہلو سے تیرے

بس خاک قدم دیجے تکرار بہت کی — نی مری اس خاک ست ہے خوار بہت کی

ہم لائق بندگی نہیں تو — بس خیر ہے بندگی ہماری

ہم جان چکے کہ جان کے ساتھ — جائے گی یہ جاں کنی ہماری

کہتے ہیں پلٹ گیا وہ رہ سے — تقدیر الٹ گئی ہماری

کیا کام کسی سے ہم کو احسان — ہم اور یہ بےکسی ہماری

مجھ کو مت چھیڑو معاذ اللہ میرے لب تک — نالے گر آئیں تو پھٹ جائیں جگر دو چار کے

ہے بخت تو جاگ اور جگا ہم کو کہ پھر ہم — تا حشر نہ جاگیں گے جگانے سے کسو کے

زاہد سجدے میں یہ وہ ہے مگر بھید ہے اور — گنج قارون پہ حسرت سے نظر کرتا ہے

یہ ستانے سے مری تجھ کو ہے حاصل ظالم — تجھ کو موذی کہے خلقت مجھے ایذا پہنچے

مرنے کے بعد ان کی کترائیں بیڑیاں
آج آپ اپنے کشتے کی منت بڑھا چلے

احسن :-

اور یہی نام بھی ہے ۔ آبروؔ اور ناجیؔ کے ہم عصروں میں سے تھے اور اسی طرز میں غزل کہتے تھے ۔ ان کا شعر ہے :-

نازک بدن پہ اپنے کرتے رہو تم جو غرہ
موسیٰ کمر نے تم کو فرعون سا بنایا

اس شعر کا مضمون جو اوپر لکھا گیا ہے بعینہٖ شاہ حاتم کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے لیکن چونکہ صاحب تزجہ کا کوئی دوسرا شعر قابل وقعت نظر میں نہ تھا ۔ لہٰذا مجبوراً لکھدیا ہے ۔

احسن :-

نام مرزا احسن علی ۔ نواب آصف الدولہ کی سرکار میں بحیثیت شاعر کے ملازم تھے خیال کی عمدگی اور بیان کی پاکیزگی کے لیے مشہور تھے ۔ مرزا رفیع سوداؔ کے شاگردوں میں سے تھے ۔ میر کی ضیا پاشی سے بھی کہیں کہیں مستنیر ہوئے ہیں ۔ لیکن ان کا ایک ذرہ بھی اس کے لیے خورشید کی حیثیت رکھتا ہے ۔ ان کا کلام ہے :-

ٹکڑے اڑ جائیں گے سینے میں جگر کے احسنؔ
تیرے نالوں کا کوئی دن جو یہ انداز رہا

حسن پر اپنے ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا
گھر سے وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا

رشک گلگوں کو نہیں لعل و گہر سے پیوند
یہ رکھے رنگ سے نسبت وہ جگر سے پیوند

سجدہ گہ ہے خاک احسنؔ اب تو ساری خلق کی
جان دی تھی اس نے کس کی حسرت جالوں میں

بزم میں اس کی جو ہوتی ہے کبھی سرگوشی
دل دھڑکتا ہے کہ میرا کہیں مذکور نہ ہو

تم تو دل مانگو ہو یاں جان تلک حاضر ہے
بات یہ بھی ہے کوئی آپ کے فرمانے کی

احسن :-

نام احسن اللہ خان ۔ جہاں آبادی ۔ لاہوری دروازے کے متصل مسجد سرہندی میں

رہتے تھے۔ ایک زمانے میں کسی بت رعنا کے خم ابرو دیکھ لیے، اور سر جھکا دیا۔ محراب و ممبر طاق نسیاں پر رکھ کر، خطبے کے بجائے فریاد شروع کی۔ آخر واعظوں کی نصیحت پر فریفتہ ہو گئے اور پرانے راستے پر گامزن ہو کر عہد برہمن توڑا اور شیخ سے رشتہ بیعت جوڑا۔ ہاتھوں میں تسبیح لپیٹ لی۔ ان کا یہ شعر نظر سے گزرا اور یہاں درج کیا جاتا ہے:

اس کی گلی میں احسن شب چوری چوری جانا ‏ ‏ ‏ یہ چال ڈھال تیری خانہ خراب کیا ہے

احمد:-

نام شیخ حافظ غلام احمد پنجاب کے رہنے والے ہیں۔ ان کا ایک شعر ہے:-

گر رہی ہیں دست اپنے نارسا ‏ ‏ ‏ اس کے پاؤں تک رسائی ہو چکی

احمد:-

احمد بیگ نام۔ قزلباش خاندان سے ہیں، خوبصورت جوان۔ فن سپاہ گری کے ماہر۔ سرکار مرزا ولی عہد بہادر کے رسالے سے متعلق رہ چکے ہیں۔ ان کا کلام ہے:-

غضب سے ہاتھ میں جب تو نے تیغ کیں پکڑی ‏ ‏ ‏ نہ اٹھ سکا ترے بسمل نے یہ زمیں پکڑی

احقر:-

نام مرزا سجاد علی قزلباش، لکھنؤ میں ولادت ہوئی۔ اپنے کلام میں اصلاح صاحب معلوی بدر منیر میر حسن صاحب سے لیتے تھے۔ ابتدائے سن شعور میں اکثر فیض رساں مزارات کی زیارت سے مشرف ہو کر وطن واپس آئے۔ یہ مطلع اُن کا پسند آیا:-

بزم میں اس کے جو شب جاہ کا مذکور چلا
اُٹھ کے محفل سے وہیں وحشت مغرور چلا

اختر:۔

یہ تخلص گورگانی خاندان کے ایک صاحب کا ہے۔ اُن کو شاعری سے بہت ذوق ہے۔ ان کا شعر ہے:۔

مجھے بھی ہٹ ہوئی ایسی کہ مرشا لیکن ۔۔۔ نہ تیرے کوچے سے ہرگز اٹھا قدم میرا

اختر:۔

نام میرا اکبر علی بسر ہند کے مشائخ زادگان سے ہیں۔ آتشبازی بنانے میں ان کو خاص ملکہ تھا۔ شیخ قلندر بخش جرأت کے شاگردوں میں تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

تماشے کی ہے جا مژگاں پہ جو لخت جگر نکلا ۔۔۔ عجب یہ نخل ہے جس میں کہ شکل گل ثمر نکلا

ارمان:۔

جعفر علی حسرت کے فرزند ہیں جو بلاد مشرق کے مشاہیر میں سے تھے، ان کا نام نہیں معلوم ہو سکا۔ ان کا یہ کلام ہے:۔

چرچا ہوا ہے گھر گھر اب دیکھیے کہ کیا ہو ۔۔۔ دو دن نہ چھپ سکی تو چاہت تمہارا ہو

تا سر بالیں اسے آنا قیامت شاق ہے ۔۔۔ یہ دل بیمار جس کا نزع میں مشتاق ہے۔

اسعد:۔

نام مرزا اسعد بخت جو نواسے تھے شاہ عالم بادشاہ کے۔ ان کا ایک مقطع سننے میں آیا ہے وہ یہ ہے:۔

تو اسعد غضب ہے کہ ہاتھوں سے تیرے ۔۔۔ نہ تسبیح ٹھہری نہ زنار ٹھہرا

اسد :-

نام میر امانی۔ رہنے والے جہاں آباد دہلی کے تھے۔ شگفتہ طبیعت والے تھے اور مزاج میں ظرافت تھی۔ مرزا رفیع سودا کے ساتھ شاگردی کا تعلق تھا۔ لکھنؤ کے راستہ میں بدمعاشوں نے ان کو قتل کر دیا۔ ان کا کلام ہے :-

جوں توں اسد کو لاتے تھے اس کی گلی سے ہم — خانہ خراب راہ میں آکر مچل گیا

بزم بتاں ہو جام ہو خلوت ہو پھر تو بس — کافر ہوں گر وہاں میں خدا کا بھی ذکر کروں

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی — مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

پروانے پڑے جلتے ہیں روتی ہے کھڑی شمع — یارب نہ شب وصل ہو کوتاہ کسی کی

بس ہے کہ دل طاقعادہ جب آیا سامنے — ہلنے نہ پائے ہونٹ کہ سو بات ہو گئی

مانے ہے کوئی وہ بت گمراہ کسو کی — گو آپ سفارش کرے اللہ کسو کی

اسلام :-

شیخ الاسلام قصبہ تھانہ مضافات سہارنپور کے رہنے والے ہیں۔ ان کا شعر ہے

ظلم ظالم کا پس مرگ بھی رہتا ہے بجا — ہیں یہ بازوئے عقاب اب جو ہیں تیر کے پر

اسیر :-

نام تلبرار۔ مذہباً عیسائی تھے اور ظفریاب خاں کے دوستوں میں سے تھے۔ اچھے ہاتھ پیر کے آدمی تھے۔ شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے۔ ان کا شعر ہے :-

ہم اس آئینہ رو کے ہجر میں یوں زیست کرتے ہیں
کہ سکتے کی سی حالت ہے نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

آسفان :-

(۱۸۰۲ء میں زندہ تھے) غالباً نام بھی یہی تھا، (سردار علی نے اسٹیفن یا اسٹیوسن نام لکھا ہے) مذہباً عیسائی اور اصل میں فرنگی تھے، پیدائش ہندوستان میں ہوئی۔ ان کا شعر ہے :-

خط کا یہ جواب آیا جو لکھا کبھی پھر خط　　　　کر ڈالوں گا اک دم میں تری آن کے پرزے

اشرف :-

نام محمد اشرف خلف امام الدین " کا نذلہ " کے رہنے والے تھے۔ ان کا شعر ہے :-

آتش دل سے ہوا ہے مجھے یہ ڈر پیدا　　　　کہ مرے سینے میں ہووے نہ سمندر پیدا

اصغر :-

نام سید امجد علی اکبر آبادی۔ حکیم محمد میر کے بڑے بھائی تھے جو حضرت والد ماجد کے دوستوں میں سے تھے۔ عالی خاندان آدمی تھے۔ شاہ عبداللہ بغدادی سے خلافت پائی۔ عزت، وقار، پرہیزگاری اور نیکی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ ان کا نتیجۂ فکر یہ شعر ہے :

ہوا ہوں بس کہ خفا اب تو اپنے جینے سے　　　　لگا ہی لوں گا میں اس تیغ زن کو سینے سے

اظہر :-

نام غلام محی الدین۔ غلام حسین المتخلص بہ سروری کے شاگرد تھے، جو فارسی میں شعر کہتے تھے۔ جہان آباد کے رہنے والے تھے اور اصلاح سخن، میر قمر الدین علی منت سے بھی لیتے تھے۔ بسر اوقات کا ذریعہ بچوں کی تعلیم تھا۔ ان کا شعر ہے :۔

رکھتی ہے مری جان کو مضطر تپش دل — دکھلائے گی ہنگامۂ محشر تپش دل

اعظم :-

نام اعظم خان ۔ دہلی کے رہنے والے قوم کے پٹھان تھے ۔ طبیعت میں ظرافت تھی ۔ شاعری سے دلچسپی تھی ۔ شاہ نصیر سے فن شعر حاصل کیا ۔ بعد میں شاعری ترک کر کے کسب علوم کی طرف توجہ کی ۔ ان کا کلام ہے :-

اسی مضمون سے معلوم اس کی سرد مہری ہے — جو اس نے مجھ کو نامہ کاغذ کشمیر پر لکھا
درد دل از بس طبیبوں سے نہاں رکھتے ہیں ہم — شمع آسا نبض زیر استخواں رکھتے ہیں ہم

افسوس :-

(مولود تقریباً ۱۱۵۲ھ متوفی ۱۲۲۲ھ کلکتہ) تخلص میر علی مظفر خاں کے فرزند تھے ، جو عالیجاہ نواب قاسم علی خاں کے داروغۂ توپ خانہ تھے : نارنول کے رہنے والے تھے ۔ ان کا سلسلۂ نسب امام ہمام جعفر صادق علیہ السلام تک پہنچتا ہے ، مشہور اہل سخن میں سے تھے ۔ میر حیدر علی حیراںؔ نے اصلاح کی توجہ فرمائی ۔ جس سے ان کے کلام میں صفائی آگئی ۔ ابتدا سے ہی ، مرزا جواں بخت بہادر کی سرکار سے منسلک تھے آخر زمانہ میں کلکتہ میں سرکار انگریزی سے متعلق ہو گئے تھے ۔ ان کے سپرد فارسی کتابوں کے ترجمہ کی خدمت تھی ۔ ان کا کلام یہ ہے :-

قفس سے چھٹنے کی امید ہی نہیں افسوسؔ — حصول کیا ہے جو مژدہ بہار کا پہنچا
کیا لکھوں اس کو میں احوال یہ کہنا قاصد — بے حواسی کے سبب طاقت تحریر نہیں
دیکھتے ہی اسے حاضر ہوئے مر جانے کو — وہی اشخاص جو یاں آئے تھے سمجھانے کو
کیوں نہ ہو اس قدر گھمنڈ اس لب پر غرور کو — صبر کسی طرح نہیں اس دل ناصبور کو

اس کے اُٹھتے ہی جی پہ آن بنی
دیکھیے اُگے آگے کیا ہووے

صورت تجھے حق نے دی پری سی
پر آدمیت بھی دے ذری سی

کچھ بات تم سے کر نہیں سکتے بزاعیف
مدت میں تم ملے بھی تو غیروں کے گھر ملے

افسردہ۔

نام غلام اشرف۔ ان کے والد شاہی گانے خانہ کے نگران تھے۔ غلام ہمدانی مصحفی کے شاگرد تھے۔ انھوں نے زیادہ تر مرثیے کہے ہیں۔ ان کا شعر۔

جب دیکھے ہے سر داغ سیہ اپنی جبیں پر
آتا ہے اسے رشک ترے روئے جبیں پر

اکبر

نام اکبر خاں۔ میرے چھوٹے بھائی ہیں۔ اور بہت سے صفات حسنہ سے متصف ہیں۔ ابھی تھوڑے عرصے سے شعر و شاعری سے دلچسپی لیتے ہیں۔ حضرت مومن سے استفادہ کرتے ہیں۔ ان کے کلام کا انتخاب درج ذیل ہے

سوچیے حضرت ناصح کوئی تدبیر وصال
حیف چارہ نہ کرے آپ سلا دیوانوں کا

خانۂ غیر میں گر سے لگنے لگا ہے تیرا
ہم کو بھی اور سے آتا ہے لگانا دل کا

ہوا نہ شوق سے اس کوچے میں گذرا اپنا
ہمیشہ پیچھے رہا ہم سے راہبر اپنا

جنونِ عشق کا درماں نہ ہو کسی سے کبھی
کہو علاج کرے جا کے چارہ گر اپنا

دیا نہ رنج ستم سوزِ دل سے کام لیا
یہ خاک ہونے کا احسان ہے چرخ پر اپنا

عدو کے ذکر سے واں ہوش جائیں یا موت آئے
مزاج ان سے بھی نازک ہے کس قدر اپنا

قتل کر لاشۂ اکبر کو چھپایا گھر میں
بارے اس نے مجھے جانے نہ دیا اور کہیں

ہوں صید دام دیدہ میں صیاد در گذر
غفلت میں رہ ہم ہے کہ فریب ملکیں نہ ہو

دوش ملک پہ دیکھ کے نقش شہید عشق	حوروں کو یہ گمان ہے عرش بریں نہ ہو
اکبر تباہ دیکھ کے دشمن کو ہنس دیا	اس بے وفا کو مجھ سے محبت کہیں نہ ہو
کون رویا ہے ترے کوچے میں رات	کیوں سفید سے اُڑ گئے دیوار کے
ہم تو یہیں رہے جو خفا ہو تو خوش رہو	آئے نہ تھے طلب سے کیا رخصت کیا چلے

الہام :-

(متوفی ۱۷۹۲ء) نام شیخ شرف الدین ، شاہ ملول کے نام سے مشہور تھے۔ لکھنؤ کے رہنے والے وارستہ مزاج آدمی تھے۔ درویشی کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ استادوں کے محدود زمرے میں ان کا شمار تھا۔ فارسی میں بھی شاعری کرتے تھے۔ ان کے اشعار ہیں :-

ارے بے کسی تیرے قربان ہوں	برے وقت میں ایک تو رہ گئی
نگہہ وہ دشنہ کہ طعنہ کٹار پر مارے	مژہ وہ تیز کہ خنجر کو دھار پر مارے

الم :-

نام محمد علی - شیخ ابراہیم ذوق کے شاگردوں میں سے تھے۔ برسبیل تذکرہ ایک مقطع فی البدیہ زبان پر آگیا - اور اس تذکرے میں شامل کر دیا گیا۔

نہ تھا تحمل اگر اس کے ناز کا تو پھر	اَلَم فریفتہ کیوں ایسے نازنیں کے ہوئے

الفت :-

قصبۂ مظفر نگر کے رہنے والے ہیں اور کچھ معلومات ان کے متعلق نہیں مل سکیں - ایک شعر ان کا جو نظر سے گذرا کیفیت سے خالی نہیں ہے۔ تحریر کیا گیا

وہ شعر یہ ہے:

ہمیشہ کہتے تھے الفت کو لوگ زشت نصیب　　　سو آج کوچے میں تیرے ہوا بہشت نصیب

الفت:-

نام منگل سین۔ عظیم آباد کے کالستھوں میں سے ہیں۔ دہلی بھی گئے تھے۔ شاعری میں اصلاح، قلندر بخش جرأت سے لیتے تھے۔ آپ کی طبیعت کا جوش وخروش ان کے کلام سے آشکارا ہے۔ انھوں نے اچھی طبیعت پائی تھی۔ ان کا شعر ہے:

ہر قدم پر یاں تلک آنے پہ سو سو ناز تھے　　　کیوں نکہ گھر جانے لگے شام و سحر دو چار کی

امیر:-

امیرالدولہ، ناصر جنگ۔ میرزا مینڈھو کے نام سے مشہور رہتے، وزیرالممالک نواب شجاع الدولہ کے بیٹے اور نواب آصف الدولہ مرحوم کے چھوٹے بھائی حکومت کی طرف سے عہدۂ میر آتشی پر معمور تھے۔ غلام قادر خاں کے فتنہ سے قبل جہان آباد میں اپنے مکان پر مشاعرے کی بنیاد رکھی تھی۔ جو لوگ شرکت کرتے تھے، ان کے سامنے نعمتوں کے خوان پیش کیے جاتے تھے۔ ان کے نازک خیالات کا یہ شعر آئینہ دار ہے:

یاس و غم و آبرو جمع یہ سب چیز ہے　　　بلبے ترا حوصلہ دل بھی عجب چیز ہے

امیر:-

نام علی محمد خاں، ایک افغانی خاندان سے تھے۔ ان کو قیام الدین علی قائم کا شرف تلمذ حاصل تھا۔ اہل سخن میں سے بیشتر لوگ ان کے خوانِ نعمت سے فیض یاب ہوتے تھے۔ بزم مشاعرہ منعقد کرتے رہتے تھے۔ ان کا کلام ہے

اس تمکار انداز سے لگ کر کہیں چھپتی ہے آنکھ — کیوں نہ ہو سوئے قضا منہ وقت رم نخچیر کا
بس میں آیا جو تمھارے اسے جا بوسہ کرو — کیا ستم آدمی سستا نہیں لاچاری سے
تیرے گھر جانے سے بس اپنا تو گھر جاتا ہے — اے مری جان کے دشمن تو کدھر جاتا ہے
ہائے سرخی ترے رخسار کی ہنگام عتاب — جتنا بگڑے ہے تو اتنا ہی سنور جاتا ہے

امیر:-

اہل جہان آباد سے ہیں۔ بہت قابل ہیں اور پریشان حال۔ فن رمل میں بہت مہارت رکھتے ہیں۔ شاہ نصیر کے شاگردوں میں سے ہیں۔ اکثر کھانے پر میرا ساتھ ہوتا ہے۔ ان کا شعر ہے:۔

اس تشنہ گلو پر پھرا دیکھ تو قاتل — بے آب ترا خنجر براں نہ ہوا ہو

امین:-

نام خواجہ امین الدین۔ عظیم آباد کے بزرگوں میں سے ہیں۔ ان کی نسبت مرشد آباد میں ہوئی ہے۔ یہ بڑی غلطی ان سے سرزد ہوئی ہے۔ ان کی طبیعت میں قناعت پسندی ہے اور وہ صائب الرائے آدمی ہیں۔ ان کے اشعار ہیں:۔

خورشید ترا دیکھ کے منہ کانپ کے نکلا — مہ چادر مہتاب میں منہ ڈھانپ کے نکلا
ہم کو کیا گر بہار آئی ہے — دل وہ غنچہ نہیں کہ وا ہوگا
قند سے ترے نام بھی نکلا نہیں لب سے — ظالم ہے ترے ظلم کی تاثیر ہوا پر
مرتے ہیں ہم تو اس کے لب آبدار پر — گر آب زندگی ہو تو مارے ہیں دھار پر
بوسہ دیا عتابی میں جو آوے تو پھیر لو — اتنا خفا ہو کس لیے اس خاکسار پر
یہ نہیں جو ہے نمایاں تیغ تیز یار پر — کھد رہا ہے نام مقتولوں کا اس تلوار پر

دل خیال زلف میں بے خواب بے آرام ہے
رات ہوتی ہے اجیٖں بھاری ہراک بیمار پر

دل کو کیا ہے کہیں جو آتے یار
جان آگے نکال رکھتے ہیں

مجھے بے چین رکھتا ہے دل افگار پہلو میں
وہ سوئے کس طرح جس کے رہے بیمار پہلو میں

ہم آنے کو مانع نہیں غیر کے
پر اتنا کہ خلوت میں ہر دم نہ ہو

امین کی غذا آرہی ہے یہی
الٰہی یہ خون جگر کم نہ ہو

جلوہ ترے حسن کا کہاں ہے
یوں کہیے کہ آفتاب یاں ہے

دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی
عمر گھٹنے کو کٹی پر کیا ہے خواری میں کٹی

صبح گر صبح قیامت ہو تو کچھ پرواہ نہیں
ہجر کی جب رات ایسی بے قراری میں کٹی

کس سے تشبیہ دیں بھلا تجھ کو
ایک یوسف تو تیرا ثانی ہے

امین :۔

امین الدین خاں نام ۔ قاضی وحید الدین خاں کے صاحبزادے ہیں ۔ ان کی طبیعت میں صلاحیت ہے اور اطوار ان کے پسندیدہ ہیں ۔ نجیب الدولہ نواب نجیب خاں مغفور کے بعد دہلی کا منصب قضا ، ان کے والد کو تفویض ہوا ۔ آپ کے پسندیدہ کلام بہت زائد ہے لیکن جو ہم تک پہنچا ہے وہ یہ شعر ہے :۔

کون آتا ہے یہ کس کے پاؤں کی آواز ہے
ہر صدائے پا میں جس کے سو طرح کا ناز ہے

امین :۔

نام محمد اسماعیل ۔ ابتدا میں وحشی تخلص تھا ۔ اس تغیر و تبدل کی وجہ معلوم نہیں ۔ بہت نیک نوجوان تھے اور خاندانی شریف ۔ ان کا شعر ہے :۔

اپنی تو وہی عید ہے جس روز کہ ہم دم
کھڑا نظر آجائے لب بام کسی کا

امین:-

نام میر محمد امین، بنارس وطن، قوم سیدان کا شعر ہے:۔

جی سے کہدو کہ آہِ سرد کے ساتھ — ٹھنڈے ٹھنڈے چلے تو جل نکلے

آمانی:-

(متوفی [illegible]) نام میر امانی۔ وطن شاہجہاں آباد خواجہ آثمی کے بیٹے تھے۔ مذہباً اثنا عشری تھے۔ ان کے اشعار یہ ہیں:۔

گھیرا ہے مجھے غم نے عجب حال ہے جی کا — اے نالۂ دل وقت ہے فریاد رسی کا
سینے میں جدھر رو ہو ترا پھونک نہ دے اے آہ — ٹک دل سے خبردار کہ یہ گھر ہے کسی کا
اثر ہو سنگ میں کیا کیونکہ ان کو رام کریں — بتوں کے دل ہو تو یا رب یہ آہیں کام کریں
نامہ بر کہیو زبانی کہ تڑپتے تجھ بن — شمع شب دیکھ مجھے صبح تلک روتی تھی

آمانی

شاہجہاں آباد کے رہنے والے ایک بزرگ تھے۔ ان کا ایک شعر نظر سے گذرا۔ وہ یہ ہے:۔

کس کے یہ خار مژگاں دل میں کھٹک رہے ہیں — جو چشم سے لہو کے قطرے ٹپک رہے ہیں

امجد:-

نام مولوی امجد خلف مولوی ارشد۔ مولوی ارشد صاحب قناعت پسند آدمی تھے۔ یہ مولوی عبدالرحمٰن کے والد ہیں جو فقیر کے مخلص احباب میں سے ہیں۔ ان کا شعر ہے:

جس گھڑی آپ کو دیکھوں ہوں میں جوں قطرۂ اشک　　اپنی نظروں سے بھی آخر میں گرا جاتا ہوں

امیؔ :-

نام روشن بیگ۔ حمید الدولہ کے پھوپھی کے بھائی بیٹے جو دلی جہاںدار کے منصرم تھے۔ شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ علم سے بے بہرہ تھے اور نوجواں آدمی تھے۔ ان کا کلام ہے:

جہاں زنجیریں سنتے ہیں جنگا مول لیتے ہیں　　تری زلفوں کے سودے میں یہ سودا مول لیتے ہیں

جی دھڑکتا تھا کہ پہنچے میں نہ آ جائے ٹپک　　ہاتھ سے چھوڑ دیا میں نے ترا جان کے ہاتھ

امانت :-

نام امانت رائے۔ جہاں آباد کے محلہ دریبہ میں سکونت تھی۔ ان کا شعر ہے:-

تشریف یاں نہ لاؤ پر نامہ بر تو بھیجو　　مت لو خبر ہماری اپنی خبر تو بھیجو

انور :-

نام ولی محمد خاں۔ مشائخ زادوں میں سے تھے۔ عدالت شاہی کے داروغہ رہے ہیں۔ زبان فارسی و ریختہ میں شعر کہتے تھے۔ ان کے اشعار یہ ہیں:-

ایسی جاں بخش ہوا موسم گل کی آئی　　قصد پرواز میں ہیں بلبل تصویر کے پر

ہوا اشک غم میں بہار گریباں　　رگ گل بنے تار تار گریباں

انتظار :-

نام مجھ کو نہیں معلوم ہو سکا۔ فغاں اور آرزو کے ہم عصر تھے۔ ان کا کلام ہے:-

جوں ہی بہار گل کی قفس میں خبر گئی　　بلبل یہ سن کے ایسی ہی تڑپی کہ مر گئی

گنج قفس میں جا کے بناتا ہوں آشیاں　　سیر چمن کی دل سے ہوس اس قدر گئی

انیس :-

نام امیر الدولہ نوازش خان - میر نظام الدین ممنون کے شاگرد ہیں جو شاہ نواز خاں مرحوم کے بھانجے تھے - یہ شاہ عالم بادشاہ کے زمانۂ حکومت میں بہت جاہ و مرتبہ رکھتے تھے - صدر نشیں تھے اور مختاری کی خدمت پر مامور تھے - خود باوجود اس منصب جلیل کے مجھ کو سرفراز فرماتے ہیں - لیکن شعر و شاعری کے بارے میں کبھی گفتگو کی نوبت نہیں آئی میرے خیال میں ان کو ابھی اس فن کی طرف توجہ نہیں ہے - دو تین شعر تذکرہ میں ان کے نام سے نظر سے گزرے - لہذا لکھ لیے وہ یہ ہیں :-

پر کالۂ آفت تھا وہ رخسار انیسؔ آہ　　چہرہ جو غضبناک ہوا اور بھی چمکا

کشتی سے اپنی چرخ خبردار رہ کہ آج　　رکتے سرشک دیدۂ طوفاں فشاں نہیں

انجام :-

(متوفی ۱۱۶۹ھ) نام و لقب عمدۃ الملک نواب امیر خان - ان کا سلسلۂ نسب میر میراں تک پہنچتا ہے - جو سلاطین صفویہ سے قرابت رکھتے تھے - محمد شاہ بادشاہ کے امرا میں سے تھے - چونکہ بزرگی تاریخ میں مذکور ہے اور عوام کے زبانوں پر بھی ان کا ذکر ہوتا رہتا ہے - لہذا وہ میرے بیان سے بے نیاز ہیں - ان کے نتائج فکر سے یہ اشعار ہیں :-

ساتھ اپنے سر کے تھا انجام پاس تمکنت　　شکر ہے تڑپے نہ زیر خنجر جسکا دم ہم

نعش میری دیکھ کر کے مقتل میں یوں کہنے لگے

کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے پہچانی ہوئی

انشاءؔ۔

(متوفی ۱۸۱۷ء) نام انشاء اللہ خان ولد حکیم میر ماشاء اللہ خان۔ نجفی الاصل تھے مرشد آباد میں متولد ہوئے۔ وزیر الملک نواب سعادت علی خاں بہادر کے مقربین میں سے تھے۔ رسمی فنوں میں تھوڑی بہت دستگاہ رکھتے تھے۔ لیکن ہر فن میں یکتائی کا ڈنکا پیٹتے تھے۔ امر و کنایہ سے اپنے ہم عصروں کا قافیہ تنگ کرتے تھے۔ ان کا دیوان موجود ہے جس میں تمام اصناف میں داد سخن دی ہے اور کسی صنف میں پرانے شعرا کی پیروی نہیں کی ــــ لیکن ان کی شوخی طبیع اور جودت ذہن میں، کوئی کلام نہیں، ان کی موت کو بیس سال ہو رہے ہیں۔ ان کا دیوان نظر سے گزرا ہے۔ اور یہ اشعار اس سے انتخاب کیے گئے ہیں۔ پہلا شعر مجھ کو پسند آیا اور حق یہ ہے کہ بہت بلند مرتبہ ہے:۔

اس سے خلوت کی ٹھہر جاتی تو میں اللہ سے
واسطے دو دن کے عرش کبریائی مانگتا

جس وقت وہ یوسف سے ہم آغوش تھی اس وقت
سنتے ہی ترا نام زلیخا کو غش آیا

چلے تھے حرم کو رہ میں ہوئے اک صنم پر عاشق
نہ ہوا ثواب حاصل یہ لیا عذاب الٹا

آبخورے برف کے انشا کو بھیجا آپ نے
اس کے یہ معنی کہ لو نقشہ تمہارا جم گیا

گرچہ نے پینے سے کی توبہ ہے میں نے ساقی
بھول جاتا ہوں وے تیری مدارات کے وقت

امرد ہوئے ہیں اس کے خریدار چار پانچ
دے اور ایسے حق مجھے اغیار چار پانچ

گلبرگ تر سمجھ کے لگا بیٹھے ایک چونچ
بلبل ہمارے زخم جگر کے کھرنڈ پر

راتوں کو نہ نکلا کرو دروازے سے باہر
شوخی میں دھرو پاؤں نہ اندازے سے باہر

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان پر
فعل بد تو ان سے ہوں لعنت کریں شیطان پر

کہہ تو اے چرخ بھلا تجھ سے کسی طرح کبھی
دل کے ارمان ہمارے بھی نکل سکتے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

گر یار مے پلائے تو کیوں کر نہ پیجیے
زاہد نہیں میں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں

دل کو لے بھاگیے کدھر ہاتھ سے تیرے انشا
کوئی کھڑکی بھی تو اس گنبد بے در میں نہیں

چھیڑنے کا تو مزا تب ہے کہو اور سنو
بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سنو

ہو جو انشا کو اجازت تو بھرے پھر نالہ
کبھی بلبل کے فرشتوں کو بھی جو یاد نہ ہو

بوسے دہ اپنے سرو خراماں کو تاڑ باندھ
گر قصد بوسہ ہوئے تو گرد اس کے پاڑ باندھ

چند مدت کو فراق صنم و دیر تو ہے
چلو پھر کعبے ہی ہو آئیں بھلا سیر تو ہے

غیر کے اک اشارے پہ اٹھ گئے میرے پاس سے
تس پہ یہ مجھ سے پوچھنا بیٹھے ہو کیوں اداس سے

سچ یہ آفت تری یہ دھج یہ خوش اندامی ہے
کہ نظر بھر کے تجھے دیکھیں تو بدنامی ہے

غصے میں تیرے ہم نے بڑا لطف اٹھایا
اب تو عمداً اور بھی تقصیر کریں گے

گالیاں سیکڑوں دیں پاؤں جو داب ہم نے
محنتیں خوب سی کیں خوب سے انعام لیے

گر نازنیں کے کہنے سے مانا برا ہو کچھ
میری طرف کو دیکھیے میں نازنیں سہی

کی میں نے شب جو سہواً تعریف چاندنی کی
میری طرف سے اپنے وہ منہ کو موڑ بیٹھے

صاحب کے ہرزہ پن سے ہر ایک کو گلہ ہے
میں جو نباہتا ہوں میرا ہی حوصلہ ہے

دیں گالیاں ہزاروں سن مطلع اس غزل کا
کہنے لگا کہ انشا اس کا یہی صلہ ہے

رونے سے اپنے دل کی تپش گرد ہو گئی
دو چار بوندیوں میں ہوا سرد ہو گئی

اویسی ۔

نام شاہ محی الدین ۔ مشائخ زادگان بریلی میں سے ہیں ۔ دکن گئے ہیں ۔
ان کا شعر ہے :۔

باغ میں گلعذار ہو فصل بہار ہو نہ ہو
میں ہوں غزل سرا دہاں بلبل زار ہو نہ ہو

ادباش

(۱۷۹۳ء میں زندہ و جوان تھے) نام شیخ امیر الزمان، لکھنؤ کے شیخ زادوں میں سے تھے۔ غلام ہمدانی مصحفی کے شاگرد تھے۔ یہ شعر ان کا دستیاب ہوا ہے :۔

دل و دیدہ اپنے جو یار تھے سو وہ درد و غم میں پھنسا گئے
ہیں جس سے چشم امید تھی وہی آنکھ ہم سے چرا گئے

ایمان :۔

حیدر آباد کے رہنے والے نام شیر محمد خاں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ استادی کا مرتبہ رکھتے تھے۔ ان کے اشعار ہیں :۔

ہوا ہے کون سے مشرب میں پیدا عشق بے منصف — دل بے درد خوش ہو خاطر فرہاد محزوں ہو
ٹپک پڑتا ہے خون دل مرے ایمان آنکھوں سے — مے گلگوں کا جس دم بزم میں ساغر چھلکتا ہے

حرف الباء

بجز:-

یہ ایک صاحب ہیں کہ جن کا حال اس کتاب میں تحریر نہیں ہو سکا۔ ان کا کلام ہے:

مانند اشک دامن دولت نہ چھوڑیں گے — آنکھوں سے تم نے ہم کو گرایا تو کیا ہوا
سو ذلتیں اٹھا کے ہم آخر سمجھ گئے — تم نے نہ اپنا بھید جتایا تو کیا ہوا
اس گل کی آرزو نہ گئی ہے نہ جائے گی — داغوں سے دل کو باغ بنایا تو کیا ہوا

برشتہ:-

نام شرف الدین۔ بھوری خاں آشفتہ کے شاگرد ہیں۔ ان کا شعر ہے:۔

رشتہ توڑا برشتہ الفت کا — دیکھ اس نے شکستہ حال ہمیں

برکت:-

نام برکت اللہ خان۔ کوٹانہ کے رہنے والے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ شروع میں زبان فارسی میں شعر کہتے تھے:۔

جلایاں تک تپ غم سے دل غمناک سینے میں — اگر ڈھونڈے کوئی دل کو تو پاوے خاک سینے میں

برکت:-

(متوفی تقریباً ۱۸۴۳ء) نام برکت علی خاں، خیرآباد کے رہنے والے ہیں۔ چونکہ ان کو نصیرالدولہ

جنرل اختر کوٹی کی جو وہاں کے ناظم تھے اور دہلی کے رؤسا و اکابر کے سرپرست تھے، خدمت میں تقرب حاصل تھا۔ اس بنا پر عرصہ تک راجہ پٹیالہ کی مختاری کے بلند عہدہ پر فائز رہے۔ الغرض تمام عمر آرام و آسائش میں بسر کرنے کے بعد جب وہ اپنے وطن میں باقی عمر بسر کر رہے تھے، ان کی عمر ختم ہو گئی۔ ان کے سال وفات کے اعداد دہی ہیں جو بیماروں کے ہیں۔ وہ بہت باہمت اور عقل مند تھے۔ شاعری سے بہت ذوق رکھتے تھے۔ اور کلام اچھا ہوتا تھا۔ مشاعرے منعقد کرتے رہتے تھے۔ ان کے افکار کا خلاصہ یہ ہے۔

اشکوں کو بہا دیدۂ گریاں سمجھ کر — گھبرائے نہ عالم کہیں طوفان سمجھ کر
موسم گل ہے قفس ہے میں نہ ہو جان ہوا — مست نسیم سحری مرغ گرفتار رہے دل
پہنچے آسیب نہ اس کو کہیں دلگیر نہ ہو — نالۂ شب میں الٰہی مرے تاثیر نہ ہو
دل بیتاب کسی طرح سے ٹھہرائے کوئی — مجھے سمجھائے کوئی یا اسے سمجھائے کوئی
غم اتنا مرے اس دل کا ٹھکانے لگ جائے — ایک دم کے ہی لیے پاس جو بیٹھلائے کوئی
مٹی نہ سوزش دل اشک کے بہانے سے — یہ آگ وہ ہے کہ بجھتی نہیں بجھانے سے
مجھ کو رکا رکا سا جو پایا تو یوں کہا — پالے خدا نہ ڈالے کسی بدگمان کے
خط کے نمود چہرے پہ معلوم ہو گئی — قاصد نے جب کہا کہ یہ خط کی رسید ہے
تصور میں ترے گر کوئی چھیڑے ہے تو کہتا ہوں — ذرا تم رو کوئی آیا ہوا جاتا ہے قابو سے

پرواؔنہ :-

محمد بیگ نام، دہلی/حیدرآباد کے شعرا میں سے ہیں۔ ان کا مطلع نظر سے گزرا اور قلم بند کر لیا گیا۔ وہ یہ ہے :۔

قتل کر مان مت کسو کی قسم
تجھے قاتل مرے لہو کی قسم

پروانہ :-

(متوفی ۱۸۰۵ء) نام راجہ جسونت سنگھ۔ ابن راجہ بلبی بہادر۔ جو وزیر الممالک شجاع الدولہ بہادر کے اراکین میں سے تھے۔ بہت خوبصورت جوان تھے۔ ایک دنیا اُن پر فدا تھی۔ ان کو سرب سنگھ دیوانہ کا شاگرد بتایا جاتا ہے۔ اُن کا شعر ہے :

نسیم آہ تے شاید کسی کے کی تاثیر شگفتگی سی ترے غنچۂ دہاں پر ہے

بزاز

نام حسین بخش۔ اکبر آباد کے بزازوں میں سے ہیں۔ ان کا شعر ہے :

کہوں ہوں جس سے میں ان کو بلا لاوہ یہ کہتا ہے مجھے ناحق ہو دوڑاتے تم آئیں گے نہ جائیں گے

بسمل :-

نام سید جبار علی۔ چنار گڑھ کے رہنے والے تھے۔ اور سلیم الطبع آدمی تھے۔ راجہ صاحب بنارس کی سرکار سے متعلق تھے۔ ان کا کلام یہ ہے :

یاد آگئی مشت خاک اپنی اڑتے جو کہیں غبار دیکھا

دل خس و خاشاک کی صورت اٹکتا ہی رہا گو سدا دامن کو اپنے وہ جھٹکتا ہی رہا

ہر دم مجھے نیاز اسے ناز ہی رہا انجام کار عشق کا آغاز ہی رہا

تیری ہے یاد ذکر ترا ہی ہر آن ہے گویا کہ اس لیے مرے منہ میں زبان ہے

بشیر :-

میر بشارت علی نام۔ دہلی وطن۔ لکھنؤ گئے۔ واپسی کے موقع پر راستہ میں

وفات پائی - میر نظام الدین ممنون کے شاگرد تھے - ان کا کلام ہے:-

دل بیتاب پہ ہم ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں / دیکھتے ہیں تجھے حسرت سے بھرے بیٹھے ہیں

یارب نہ کھلے زلف گرہ گیر کسی کی / وابستہ ہے واں خاطر دلگیر کسی کی

بقا

(متوفی ۱۲۰۶ھ) نام شیخ محمد بقاء اللہ - خلف لطف اللہ خوشنویس - وطن اکبرآباد - لیکن لکھنؤ میں سکونت پسند کی - ظرافت پسند طبیعت رکھتے تھے، لیکن پھر ظرافت کو چھوڑ کر ہجو کی طرف توجہ کی - میر سودا کے دور میں شرکت کرتے تھے - اور ان کے ساتھ زیادہ رہتے تھے - متعدد ہجویں کہیں، جہاں تک تغزل میں ان کے مرتبہ کا تعلق ہے ان کی طبیعت شگفتہ و رنگین تھی اور طرز بیاں عمدہ و شیریں تھا - کبھی کبھی زبان فارسی میں بھی شعر کہتے تھے - فارسی میں مرزا فاخر مکین کے اور ریختہ میں شاہ حاتم اور خواجہ میر درد کے شاگرد کہے جاتے ہیں - ان کا کلام یہ ہے:-

دست ناصح جو مری جیب کو ایک بار لگا / پھاڑوں ایسا کہ پھر اس میں نہ رہے تار لگا

یار کو پہنچے خبر نالۂ تنہائی کی / مدعی کون کھڑا تھا پس دیوار لگا

آہیں افلاک پہ مل جاتی ہیں / منتیں خاک میں مل جاتی ہیں

ساقی کو دو نوید بہار آئی باغ میں / سودے نے پھر خلل سا کیا ہے دماغ میں

دیکھ آئینہ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں / اس کا میں چاہنے والا ہوں بقا واہ رے میں

اے عشق تو ہر چند مرا دشمن جاں ہو / مرنے کا نہیں نام کا میں اپنے بقا ہوں

تو نے اس طرح سے اے چرخ گرایا ہم کو / کہ ہوئے پر بھی کسی نے نہ اٹھایا ہم کو

گر قتل کیا بقا کو خوباں / اس بات کو منہ سے مت نکالو

پنہاں یہی بھلا ہے خون عاشق / جانے دو اب اس پہ خاک ڈالو

رخ اس کا صفائی ترے تو سے کی نہ پائے — خورشید ہزار اپنے تئیں چرخ چڑھائے
آہ کی برق جو سینے میں چمکتی دیکھے — طفل اشک آن چھپے دامن مژگان کے تلے
عشق میں بو ہے کبریائی کی — عاشقی جس نے کی خدائی کی
دل سے نکلے کہیں پابوسی قاتل کی ہوس — کاش وہ خوں کو مرے رنگ حنائی جانے
یاد تڑپے ہے دل اس ابروے خمدار کی — آج کچھ ناخن بدل ہے آہ اس بیمار کی
کیا خط تجھے لکھیے حرکت ہاتھ سے گم ہے — خامہ بھی مرے ہاتھ میں انگشت ششم ہے

بہادر:-

نام راجہ بینی بہادر۔ یہ صوبہ بہار کے راجگان میں سے ہیں۔ ان کے بیٹے کا نام جسونت سنگھ پروانہ ہے۔ ان کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ ان کا شعر ہے:۔

سیاہی منہ کی گئی دل کی آرزو نہ گئی — ہمارے جامۂ کہنہ سے مے کی بو نہ گئی

بیتاب:-

یہ ایک صاحب شاہ حاتم کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

بیتاب بھی کیا جواں تھا اے وائے — ہو خانہ خراب اس اجل کا

بیتاب:-

نام خداوردی خان۔ سعادت یار خان رنگین کے چھوٹے بھائی تھے۔ میر نظام الدین ممنون سے اصلاح لیتے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

مجھ سے وہ ہر دم کہے ہے اپنا خنجر دیکھ کر
قتل کیجے تجھ کو جی چاہے ہے اکثر دیکھ کر

بیتاب :-

نام سیوک رائے۔ ایک مرتبہ مکان پر آئے تھے۔ اس سے زیادہ ان کا کچھ حال معلوم نہیں۔ تذکرہ میں ان کا یہ شعر نظر سے گزرا۔ تحریر کر لیا گیا:

محبت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا اے ہم نشیں راہیں
کہ خوباں یوں ہیں ہو کہ دیں ہم ان کو اس طرح چاہیں

بیتاب :-

نام سے واقفیت نہیں۔ پرانے لوگوں میں سے ایک ہیں۔ ان کا شعر:

گر خوں کے گلے میں اے بیتاب
خاک پا ہے گلال، کی مانند

بیتاب :-

(متوفی ۹ ، رجب ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۶ء) نام عباس علی خاں ابن نواب عبدالعلی خاں ابن نواب غلام محمد خان ابن نواب فیض اللہ خاں مرحوم والی رام پور۔ یہ ایک خوبصورت، خوش اخلاق، پاکیزہ سرشت نوجوان آدمی ہیں۔ ان کا ظاہر و باطن یکساں ہے اور دونوں ہی پہلو زیور اخلاق حسنہ سے آراستہ ہیں۔ عرصہ تک لکھنؤ میں رہے۔ اب چند سال سے جہان آباد میں قیام ہے۔ مومن خان کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کا کلام ہے:

بھا گیا اپنے زبس قتل کا ایما ہم کو
بعد مردن بھی ہے مرنے کی تمنا ہم کو

داد سے روز جزا کی بھی رہوں گا محروم
یہ نظر آئے ہے طول شب ہجراں مجھ کو

پیدا ہوا رقیب کا غم دل میں ان دنوں
بیتاب غم بھی کھانے میں اب کچھ مزا نہیں

آخر فریب کھا کے کیا اس نے مجھ کو قتل
میں نے کہا تھا تم سے اٹھائیں گے مر کے ہاتھ

سحر نہ دیکھنی ہم کو نصیب ہو یا رب — شب وصال بھی اپنی یہی دعا ہوگی
اب کوئی کہاں جائے کہ گر ہے یہی کثرت — دیوانے ترے وحشت کو آباد کریں گے

بیباک:۔

نام میر نجف علی۔ اصل میں ایک عرب خاندان سے تھے۔ ان کی ولادت قصبہ کوڑ میں ہوئی۔ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ مصحفی کے شاگرد تھے۔ فن طب میں مہارت رکھتے تھے۔ دہلی آگئے تھے۔ ان کا کلام ہے:۔

ایک دن ہو تو کوئی صبر کرے — روز کے انتظار نے مارا
مجلس میں اس کی ہم نے تحت کے ڈر سے مارے — سو سو جگہ سے اٹھ کے اپنا مکان بدلا
صیاد یہ ہوس ہے دل دا فدارہ میں — گلپوش کر قفس کو مرے تو بہار میں

بیجان:۔

نام شیو سنگھ۔ دہلی کے رہنے والے ایک دلال ہیں:۔ ان کا ایک شعر ہے:۔

آسماں گر پڑیں گے ٹوٹ کے ٹکڑے ہو کر — جب کہیں آہ ہماری میں اثر ہووے گا

بیخود:۔

نام نرائن داس۔ دہلی کے رہنے والے دہلی ہنود میں سے تھے۔ ہنڈی نویسی کرتے تھے۔ خواجہ میر درد کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

مے گلگوں کو چشم کم سے تو مت دیکھ اے زاہد
بنایا ہے یہ اعجاز مغاں نے آب آتش کا

بیخواب :-

ان کے حالات معلوم نہیں۔ شاعر تھے۔ ان کا شعر ہے :-

مدعا تجھ کو یاں نہ آنا تھا ۔۔۔ رو روٹھنے کا بھی اک بہانا تھا

بیدار :-

(متوفی ۱۷۹۴ء) نام میر محمدی۔ وطن دہلی۔ عرصہ تک اس شہر میں رہے۔ قیام "محلہ عرب سرا" میں تھا۔ جو شاہجہان آباد کے جنوب میں واقع ہے۔ بعد میں اکبرآباد چلے گئے اور وہاں سکونت اختیار کی۔ اور وہیں انتقال کیا۔ ان کا شمار، مرتضیٰ قلی بیگ فراق کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ مولانا فخرالدین کی خدمت سے فیض باطنی حاصل کیا اور ان کا خرقۂ خلافت زیب تن کر کے صحیح معنیٰ میں ان کی شاگردی کے مستحق قرار پائے۔ عرصۂ دراز تک مشق سخن کرتے رہے۔ تب اس فن میں اپنی شایانِ شان مہارت پیدا کی۔ ان کا دیوان موجود ہے۔ اس سے یہ اشعار نقل کیے گئے ہیں :-

ناتوانی سے مری دیکھیو اے دست جنوں ۔۔۔ رہ گیا ہو نہ کوئی تار گریباں میں چھپا

بھرا نہ مثل نگیں زخم یہ مرے دل کا ۔۔۔ کہ تا ہمیشہ رہے نام میرے قاتل کا

بیدار راہِ عشق کسی سے نہ طے ہوئی ۔۔۔ صحرا میں قیس کوہ میں فرہاد رہ گیا

کیوں ہوں خاد دل پنا ترے تصور سے ۔۔۔ اگر یہ شغل نہ ہوتا تو کیا سے کیا کرتا

تیرے رخسار و قد و چشم کے ہیں عاشق زار ۔۔۔ گل جدا سرو جدا نرگس بیمار جدا

ہو گیا گرتے ہی تیری چشم سے دامن کے پلہ ۔۔۔ اشک تھا بیدار یہ یا آگ کا پرکالہ تھا

عکس اس کا پڑا ہو دریا میں ۔۔۔ آبِ حیرت زدہ ہو بہہ نہ سکا

واہ واہ اے دلبر کہ فہم یونہی چاہیے
ہم سے ہونا آشنا غیروں سے ہونا آشنا

پھونک دی یہ آگ کس کے حسن دل افروز نے
اور ہی کچھ رونق ہے شمع و پروانوں میں آج

رکھتا ہے تو جس جا قدم ہوتا ہے لاہو کا نقش
پامال کرتا ہے کوئی خون شہیداں اس قدر

تھا یہی زور تری زلف دل آویز کا بس
خم ہوئے لا نہ سکے تاب گرفتاریِ دل

نہ پر پرواز ہے بیدار نہ فصل بہار
کس توقع پہ قفس سے ہوویں اب آزاد ہم

خاک سے باندھو خواہ مت باندھو
اب تیرے شکار ہو گئے ہم

دامن کو ترے نہ پہنچے اب تک
ہر چند غبار ہو گئے ہم

جانیں مشتاقوں کی لب تک آئیاں
بیٹھے ظالم تیری بے پروائیاں

خرقہ رہن شراب کرتا ہوں
دل زاہد کباب کرتا ہوں

ہم تری خاطر نازک سے حذر کرتے ہیں
ورنہ یہ نالے تو پتھر میں اثر کرتے ہیں

جو ہم کلام اس لب جاں بخش سے ہوئے
کس سے انھیں دماغ کہ پھر گفتگو کریں

یاں تو جی آن کے ٹھہرا ہے لبوں پر اپنا
آہ کیا جانیں وہاں ان کو خبر ہے کہ نہیں

کہاں ہے طالع بیدار یہ کہ ایسا ہو
کہ سر دھرے مرے زانو پہ یار سوتا ہو

آج لگتی ہے کچھ بغل خالی
کون سینے سے لے گیا دل کو

ہے زمانے سے جدا روز و شب سوختگاں
شام کہتے ہو جسے ہے سحر پروانہ

دیکھ اس گیسوئے مشکیں کی ادائیں خانہ
دونوں ہاتھوں سے یہ لیتا ہے بلائیں خانہ

شکوہ کم نگہی آنکھوں سے اس کی نہ کرو
گفتگو خوب نہیں مردم بیمار کے ساتھ

خواب میں ایک بھی شب یار نہ آیا بیدار
اس تمنا میں کئی دن ہوئے سوتے سوتے

بیدار کیونکہ آتش دل اشک سے بجھے
ظاہر کی آگ ہووے تو پانی بجھا سکے

زاہد اس راہ نہ آ مست ہیں میخوار کئی
ابھی یاں چھین لیے جبہ و دستار کئی

جام و مینا دے و مطرب و ساقی ہمراہ
اس سرانجام سے بیدار کہاں جاتا ہے

ربط جو چاہیے پیدا کر سو اس سے معلوم ‎ ‎ ‎ ‎ مگر اتنا کہ ملاقات جھپل جاتی ہے
نہ گئی تیری سرکشی ظالم ‎ ‎ ‎ ‎ ہم نے ہر چند جبہ سائی کی

بیان:-

(متوفی ۱۲۱۳ھ ۱۷۹۸ء) نام خواجہ احسن اللہ۔ دلی والوں میں ہیں۔ مرزا جان جاناں مظہر علیہ الرحمہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ طریقت میں مولانا فخر الدین قدس اللہ سرہٗ سے بیعت کی۔ اسی زمانے میں حیدر آباد چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ ان کی گفتگو نرم و شیریں ہوتی تھی اور ان کے کلام میں حلاوت و زور پایا جاتا ہے۔ ان کا کلام ہے:-

قفس میں میں رہائی کے لیے کیا کیا نہیں کرتا ‎ ‎ ‎ ‎ تڑپتا ہوں پھڑکتا ہوں کوئی پروا نہیں کرتا
کہتا نہیں میں عرش پر اے نالہ جا پہنچ ‎ ‎ ‎ ‎ کانوں تک تو اس کے کبھی اے نارسا پہنچ
باتوں میں آہ کس نے لگایا اسے بیاںؔ ‎ ‎ ‎ ‎ رکھتا تھا کان تک مری فریاد کی طرف
ہووے گا ذوق حسرت دیدار میں خلل ‎ ‎ ‎ ‎ شیریں گذر نہ کیجیو فرہاد کی طرف
کافر ہوں جو زیادہ کچھ اس سے آشنا ہو ‎ ‎ ‎ ‎ اک بے خلل مکاں ہو بس میں ہوں اور تو ہو
جادو تھی کہ سحر تھی، بلا تھی ‎ ‎ ‎ ‎ ظالم یہ تری نگاہ کیا تھی
مت آئیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی ‎ ‎ ‎ ‎ جس طرح کٹا روز گذر جائے گی شب بھی
بیاںؔ کون ہے اب تک پوچھتے ہو ‎ ‎ ‎ ‎ تغافل کے قرباں، تجاہل کے صدقے
وصل کی شب کا ماجرا کیا کہوں تجھ سے ہم نشیں ‎ ‎ ‎ ‎ شام سے لے کے صبح تک وہی نہیں نہیں ہی

پیام:-

(متوفی ۱۱۶۶ھ ۱۷۵۳ء) نام شرف الدین علی خان اکبر آبادی۔ فارسی کے مشہور شاعروں میں سے تھے۔ کبھی کبھی ریختہ میں بھی شعر کہتے تھے۔ ان کا کلام ہے:-

دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے ‎ ‎ ‎ ‎ کام عشاق کا تمام کیا
ایک عاشق نظر نہیں آتا ‎ ‎ ‎ ‎ ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

حرف التا

تاباں :-

(۱۷۰۰ء میں زندہ تھے) نام میر عبدالحی، دہلی کی خاک سے تعلق رکھتے تھے ان کا سلسلۂ نسب جناب امام علی رضا علیہ السلام تک پہنچتا ہے، حسن یوسفی کے ساتھ ساتھ غم یعقوب میں بھی مبتلا تھے۔ باوجود حسن آفتابی، مہرودن کے داغ حسرت وصل سے دل چھلنی تھا، مرزا مظہر ہی کا دل بے چین نہیں رہتا تھا۔ بلکہ ان کے عشق جہاں سوز کا چرچا ہر گلی کوچے میں باعث ہنگامہ آفرینی تھا۔

جو کلام وہ موزوں کرتے تھے؛ وہ سوداؔ کے کان تک پہنچتا تھا۔ چونکہ شاگردی کا تعلق تھا اس لیے وہ باغ باغ ہوتے تھے۔ عنفوان شباب میں انتقال کیا۔ آزاد مرد تھے اور حسن صورت کے ساتھ طبیعت بھی بہت اچھی پائی تھی۔ وہ صاحب دیوان تھے۔ یہ اشعار اس میں سے انتخاب کیے گئے ہیں۔

اڑا دے صبا خاک میری اگر تو
تو کوچے میں اس بے وفا کے ہی لے جا

تو دیکھ مجھ کو نزع میں مت کڑھ کہ میرے بعد
مجھ سے بہت ہیں ایک نہ ہوگا تو کیا ہوا

کاکل کی طرح کیوں نہ پریشاں مجھے کرے
تو جانتا ہے دام میں میرے یہ آ چکا

نہ پائی خاک بھی تاباںؔ کی ہم نے اے ظالم
وہ ایک دم ہی ترے روبرو ہوا سو ہوا

دیتا نہیں ہے ساقی اس ابر میں پیالہ
آتا ہے مجھ کو تاباںؔ بے اختیار رونا

ہے سوز عشق مجھ میں یہاں تک کہ بعد مرگ
پروانہ مرغ روح ہو شمع مزار کا

کس کس طرح کی دل میں گذرتی ہیں حسرتیں
ہے وصل سے زیادہ مزا انتظار کا

حرم کو چھوڑ رہوں کیوں نہ بتکدہ میں شیخ
کہ یاں ہر ایک کو ہے مرتبہ خدائی کا

گل زمیں سے جو نکلتے ہیں یہ رنگ شعلہ
کون جاں سوختہ جلتا ہے تہہ خاک ہنوز

دیکھ قاصد کو مرے یار نے پوچھا تاباںؔ
کیا مرے ہجر میں جیتا ہے وہ غمناک ہنوز

یہ زاہد بے خبر کیوں عاشقوں پر طعن کرتے ہیں
کہ کہلاتا ہے پیغمبر کا اے تاباںؔ خدا عاشق

آتا ہے فاتحہ کو بھی گلرو رقیب ساتھ
لاتا ہے خار قبر پہ میری بجائے گل

کہتے ہیں اثر ہے گا رونے میں، یہ ہیں باتیں
اک دن بھی نہ یار آیا، روتے ہی کٹیں راتیں

غم وصل میں ہے ہجر کا، ہجراں میں وصل کا
ہرگز کسی طرح مجھے آرام ہی نہیں

ہاتھ بے فائدہ زنداں میں مرے دوڑائے جنوں
طوق ہے میرے گلے میں یہ گریباں تو نہیں

انجان ہو تو اس سے کوئی درد دل کہے
جو جانتا ہو میں اسے آگاہ کیا کروں

یاں تک تپش ہے عشق کی مجھ میں کہ بعد مرگ
گل بھی مرے مزار پہ گل کر گلاب ہو

کس سے فریاد کروں میں کہ وہ ہرجائی ہے
آہ اس بات میں میری بھی تو رسوائی ہے

ظالم وفا کا میری جو لیتا ہے تو حساب
اپنی جفا و ظلم کا بھی کچھ شمار ہے

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے

کروں دعوئے خوں میں قاتل سے اپنے
کب آئیں گے یارب قیامت کہاں ہے

ہمارے اس بہشتی پوش کے آنے سے مجلس میں
پڑی ہے دھوم تاباںؔ اس طرح گویا بہشت آئے

تاب :۔

نام مہتاب رائے۔ اصلاً کشمیری ہیں، لیکن پیدائش ان کی اسی شہر کی ہے۔ اشعار ان کے نام سے مشہور ہیں :۔

خو ہوتی ہمیشہ سے تمھاری اگر ایسی
تو کاہے کو نبھتی مری اے فتنہ گر ایسی

یا تنگ نہ کر ناصح ناداں سے مجھے اتنا — یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

تپش :-

نام مرزا محمد اسماعیل ۔ مرزا جان کے نام سے مشہور تھے ۔ مرزا یوسف ان کے والد کا نام تھا ۔ اصل وطن بخارا تھا ۔ ان کی ولادت شاہجہان آباد میں ہوئی ۔ ان کا سلسلہ نسب سید جلال بخاری تک پہنچتا ہے ۔ میر دردؔ کے شاگرد تھے ۔ زبان سنسکرت میں بھی فی الجملہ مہارت رکھتے تھے ۔ پسندیدہ آداب و اخلاق کے آدمی تھے ۔ شرقی اضلاع میں جانے سے مشہور ہو گئے ۔ ان کا کلام ہے :-

آتے تو ہو کہیں سے آخر بے ولے تم — کیا ہوا اگر مرے بھی لگ جاؤ پھر گلے تم
تم تو کہتے ہو کہ دم کے بعد آجاتا ہوں میں — یہ خدا جانے ہیں دم کا بھروسا کچھ نہیں
کچھ تیرے سلیقے سے پھنسے ہم نہیں صیاد — لائی ہے ہمیں دام میں تقدیر ہماری
کس کی طرف سے آج تپش مجھ کو یاس ہے — سچ کہ ہمارے سر قسم کیوں اداس ہے
ہیں تو اشک کے قطرے کا بھی ہے تماشا مشکل — بھلے وہ لوگ ہیں جن کے تئیں دل تمام آتا ہے
ہر طرف آج ہے بسنت کی دھوم — سیر میں ہے ہر اک تماشائی
کتنے گلرو جو ہیں بسنتی پوش — جی میں کھٹکے ہے جن کی رعنائی
کہتے ہیں آن کے مجھے ہنس ہنس — دیکھ کر میری ناشکیبائی
ہو مبارک تمھیں جنون تپش — پھر نئی رت نئی بہار آئی

تجلّی

نام میر محمد حسین ۔ حاجی کے نام سے مشہور تھے ۔ والد کا نام میر محمد حسین کلیم تھا جو میر تقی میرؔ کے بھانجے تھے ۔ چاندنی چوک کے بیگم باغ میں سکونت تھی ۔

یہ ایک خوش مزاج، ہنس مکھ، پر مذاق ظریف اور ہوشیار انسان تھے۔ زبان ریختہ میں ان کی مثنوی "لیلی مجنوں" نظر سے گزری پسند نہیں آئی ان کا کلام یہ ہے:

میری وفا پہ تجھے روز شک تھا اے ظالم	یہ سر یہ تیغ ہے لے اب تو اعتبار آیا
آنکھیں خدا نے دیکھنے کو دی ہیں میری جان	دیکھا تری طرف جو کسی نے تو کیا ہوا
یہ شوق دیکھو پس مرگ بھی تجلی نے	کفن میں کھول دیں آنکھیں سنا جو یار آیا
عشق میں کرتے ہیں بدنام تجلی کو عبث	وہ بچارا کبھی اس کوچے میں آیا نہ گیا
تر دامن آگیا جو میں روز حساب میں	کہنے لگے بٹھاؤ اسے آفتاب میں
لوگ اس کی تو جفاؤں کی خبر رکھتے نہیں	بے وفا مجھ کو ہی کم سننے سے ٹھہرانے لگے
حال تیرا ان سے کیا کہتا تجلی میں بھلا	وہ کو تیرے نام ہی کو سن کے شرمانے لگے
جب رات تھی دراز ملاقات کم ہوئی	ملنے کے دن جو آئے تو اب رات کم ہوئی
وہ اب تو ہمیں بھول گئے ہیں یہ تجلی	جب ہم نہیں ہوئیں گے بہت یاد کریں گے

تجلیؔ

(متوفی ۱۲۱۹ھ ۱۸۰۴ء) نام شاہ تجلی، حیدر آبادی درویش تھے۔ ان کا ایک شعر یہ ہے:۔

دامن کا عکس کس کے پڑا ہے کہ آج تک	پھیلا رہا ہے سر لب جو تپا رہا شفق

تجمل:۔

نام محمد عظیم۔ قلندر بخش جرأت کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا شعر ہے

کتاب قصہ فرہاد و دفتر مجنوں
یہ دو ورق ہیں مرے عشق کی کہانی کے

تجمل

تخلص ایک صاحب کا تھا جو ارباب لکھنؤ میں سے تھے ۔ نام معلوم نہیں ہو سکا متوسط درجہ کی زندگی بسر کرتے تھے ۔ کسی قدر پڑھے لکھے بھی تھے ۔ ان کا شعر ہے ،

جس کے گھر رہے کے میں یہ دیدۂ تر بیٹھ گیا   اُٹھتے اُٹھتے مرے آخر کو وہ گھر بیٹھ گیا

تجرد

نام میر عبد اللہ ۔ ان کے حالات کی تحقیق نہیں ہو سکی ۔ ان کا مطلع ہے : ۔

اس رنج میں لطف ہے ، سو ملک کو خبر نہیں   خورشید کیا ہے اس کے فلک کو خبر نہیں

تحیر : ۔

نام مصطفےٰ ۔   جناب شاہ رفیع الدین قدس سرہ العزیز کے بیٹے تھے ان کے نسب کی عظمت شرح و بیان کی محتاج نہیں ہے ۔ ان کے چچا جناب مستطاب مولانا عبد العزیز صاحب طاب ثراہ ہیں ، مختلف فنون میں یکتائے زبان تھے اور اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے ۔ یہ صاحب اگرچہ صاحب علم نہ تھے ۔ لیکن جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ باپ کے اوصاف بیٹے میں آتے ہیں ۔ ان کے بھی عادات و اطوار عمدہ اور اخلاق پسندیدہ تھے ۔ شاعری میں ثناء اللہ خاں فراق سے مشورہ کرتے تھے : ان کا شعر ہے ۔

فکر اطفال کو ہے سنگ اٹھالانے کی   آمد آمد ہوئی شاید ترے دیوانے کی

ترقی : ۔

نام مرزا تقی خاں بہادر ۔ روسائے فیض آباد میں سے ہیں اور بہت بلند

خصلتوں کے امیر ہیں: - ان کے اشعار ہیں :-

ساکنانِ کعبہ نے کی بت پرستی اختیار — وہ صنم نام خدا کیا ان د نوں جوبن پہ ہے

اس نے تو دکھ یہ دکھایا ہے کہ جی جانے ہے — پر مزا ہم نے یہ پایا ہے کہ جی جانتے ہے

تسلیؔ :-

نام ٹیکارام خلف گوپال رائے وزیر الممالک کے بخشی تھے۔ وطن اٹاوہ تھا ولادت لکھنؤ میں ہوئی۔ اچھی طرح زندگی بسر کرتے تھے اور پسندیدہ اوصاف کے حامل تھے۔ زبان فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے اور ریختہ میں مصحفی کو اساتذہ میں شمار کرتے تھے۔ ان کا کلام ہے۔

آنکھیں سحر تلک مری در سے لگی رہیں — کیا پوچھتے ہو حال شب انتظار کا

گو دل میں جفا ہے تو پھر اس بات کو ناداں — کہہ بیٹھیو مت عاشق دلگیر کے منہ پر

اب بھی اس نیم جان میں کچھ ہے — فائدہ امتحان میں کچھ ہے

تسکینؔ :-

نام سعادت علی۔ میر قمر الدین کے شاگردوں میں سے ایک یہ بھی ہیں۔ ان کا شعر ہے

کیا خاک ہو صفائی بھلا ہم میں یار میں — خط بھی لکھا جو ہم کو تو خط غبار میں

تسکینؔ :-

(ولادت ۱۲۱۸ھ متوفی ۱۲۶۸ھ) نام میر حسین نام سلسلۂ نسب میر حیدر خاں تک پہنچتا ہے جو وزیر فرخ سیر کے قاتل تھے۔ بلند فکر کے مالک ہیں۔ ان کی گفتگو کا طریقہ بہت پسندیدہ ہے۔ مومن خاں سے اصلاح لیتے ہیں۔ راقم کے احباب میں سے

ہیں - یہ اشعار ان کے نتیجۂ افکار سے انتخاب کیئے گئے ہیں

دیکھیو خانہ خرابی غیر واں قابض ہوا ‏ ‏ جس کے گھر کو ہم یہ سمجھے تھے کہ اپنا ہو چکا

ہم کو ہر دام میں لازم ہے پھنسانا دل کا ‏ ‏ سیکھے ہیں تیری نگاہ وٹ سے لگانا دل کا

بے بال و پری کھوتے ہیں تو قید اسیری ‏ ‏ صیاد کبھی لے کے یہاں دام نہ آیا

ہر صبح وہ ڈھونڈے ہے کوئی تازہ خریدار ‏ ‏ صورت مری ہر روز بدل جائے تو اچھا

چپ لگی مجھ کو تو چرچا یہی پھر واں ہوگا ‏ ‏ راز اپنا نہ خموشی سے بھی پنہاں ہوگا

اس در سے نہ جاؤں گا کبھی لاکھ کہو تم ‏ ‏ دشمن ہی سہی تابع فرمان تمہارا

یاں آنے سے کس واسطے جلتا ہے ہمارے ‏ ‏ عاشق تو نہیں ہے کہیں دربان تمہارا

تم کو بھی تو غیروں سے یہ اخلاص نہیں ہے ‏ ‏ جو ربط کہ اس دست نگر بیاں میں دیکھا

گیا مجنوں نکل صحرا کو یہ دیوانگی دیکھو ‏ ‏ فضائے کوچۂ لیلیٰ کو اس نے تنگ ٹھہرایا

وحشت اب لاش کو لے بھاگے گی ‏ ‏ تنگی گور سے گھر یاد آیا

بھول جائیں گے وہ اغیار کو میں ‏ ‏ مر گئے پھر بھی اگر یاد آیا

کوچۂ یار میں میں نے تسکیں ‏ ‏ پاؤں رکھا تھا کہ سر یاد آیا

خوبصورت نہ ہو کوئی تو نہ ہو بدنامی ‏ ‏ سچ تو یہ ہے کہ برا ہونا ہے اچھا ہونا

غیروں کو اشارا ہے مرے قتل پہ ناحق ‏ ‏ یہ جنبش ابرو ہے تو سر کا ہے کو ہوگا

سہل سمجھے ہو اس کا آ جانا ‏ ‏ تم نے تسکین دل کو کیا جانا

اس گلی میں اژدہام اغیار کا یاد آ گیا ‏ ‏ دل میں جوش حسرت و یاس تمنا دیکھ کر

گر مر کے چھٹے دل کو تپش سے تو عزیزو ‏ ‏ تا حشر نہ نکلیں گے کبھی گور سے باہر

اس کو میں مجھ کو جانے سے کرتا ہے منع ہائے ‏ ‏ ناصح کو کوئی جا کے کرے پاسبان غیر

اے چشم سرمگیں تری گردش نے کیا کیا ‏ ‏ راحت پذیر تھے ستم آسماں سے ہم

روئے ہے مجھ کو ڈبو کر چشم تر کو کیا کہوں ‏ ‏ وہ ہی آتا تھا پسند اپنی نظر کو کیا کہوں

دیکھوں تو سے ہے جاں ملک الموت کس طرح — تم وقت مرگ پاس سے اٹھنا ذرا نہیں

زلف پر پیچ کو لکھوا ہے یہ کس نے یارب — کہ مرے پاؤں کی زنجیر کیے دیتے ہیں

ایسی ہے غیر کی خاطر کہ مرے حال کو سن — دل میں روتے ہیں پہ ظاہر میں ہنسے دیتے ہیں

یہ تو سچ ہے کہ جو تم چاہو گے کر گذرو گے — پر یہ ممکن نہیں ہم پر کبھی بیداد نہ ہو

مجھ بے گنہ کے قتل پہ گر ہے خوشی غیر — ظالم تو میرے واسطے اندوہ گیں نہ ہو

کر سکے دفن نہ اس کو میں جو احباب مجھے — خاک میں دل کی کدورت نے دیا داب مجھے

قاصد آیا ہے وہاں سے تو ذرا تم تو سہی — بات تو کرنے دے اس سے دل بیتاب مجھے

ہجر میں پاس نہ ہے زہر نہ خنجر افسوس — نہ دیے موت کے بھی چرخ نے اسباب مجھے

نام تسکین دیہ مضمون تپش نازیبا — تھا تخلص جو سزاوار تو بیتاب مجھے

کس کو بھی جانے سے ناصح تو ڈرا جاتا ہے — یہی جاتا ہے محبت میں تو کیا جاتا ہے

دل کے جاتے ہی چلی جان یہ جلدی کہ نہ پوچھ — صبر بھی چند قدم پیچھے رہا جاتا ہے

عشق اور حسن میں ہے ربط تم مجھ پر بھی — جوں جوں میں اس کو چھپاؤں وہ نہاں رہتا ہے

وہ مسیحا لب اگر آئے تو جی اٹھوں ابھی — ہاتھ اٹھایا چارہ سازو تم نے کیوں تدبیر سے

دیکھتے ہی شوق نے ایسا کیا بے اختیار — حال دل کہنے لگے ہم یار کی تصویر سے

چین سے بیٹھے رہے محفل میں تسکیں رات بھر — اس نے پہچانا نہ ہم کو رنگ کی تغیر سے

اب یہ حالت ہے کہ ان سا ہے ورد — میرے نہ بچنے کی دعا مانگے ہے

کیوں ہڈیوں پہ جنگ سگان سر کو ہے — وارث ہیں یہ کیا عاشق تسکیں کے تمھارے

تصوّر۔

نام سید حیدر حسین خان قصبہ پنگھوڑا میں سکونت تھی۔ زید شہید رحمت اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں۔ جرأت کے شاگرد ہیں۔ ان کا کلام ہے:۔

رونا کوئی موقوف کرے ہیں مری آنکھیں | جب تک نہ تسلی کو دل آئے جگر آئے
تصور گرمجوشی یار کی مجھ کو رلائے گی | بہت گرمی کا ہونا مینہ برسنے کی علامت ہے
لے گئے یوں ترے کوچے سے تصور کو لوگ | جوں اٹھاویں کسی بدمست کو میخانے سے

تعشق:۔

(وفات ۱۸۵۷ء) میر سید محمد نام الحکیم میر عزت اللہ خان۔ عشق سے تعلق شاگردی و دامادی تھا۔ انھوں نے درسی کتب پڑھی ہیں اور بالفعل شاہجہاں آباد کے انگریزی مدرسہ کے مدرس ہیں۔ تقریبوں کے مواقع پر میں نے ان کو دیکھا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس زمانے میں اس فن کے رموز سے واقف نہ تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

سامنے دیکھیو آتا ہے تعشق وہ کون | بارے کہ اب تو ہوا خوش دل محزوں تیرا

تمکین:۔

نام صلاح الدین۔ ایک آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے اور دنیاداروں کے میل جول سے کراہت کرتے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

عشق اور حسن کو جس روز کہ ایجاد کیا | مجھ کو دیوانہ کیا تجھ کو پری زاد کیا

تمنا:۔

نام محمد اسحاق۔ لوگ کہتے ہیں کہ عشق و عاشقی کرتے تھے اور اسی میں مست رہتے تھے۔ نازنینوں کی صحبت میں زیادہ رہتے تھے۔ اتفاق سے ایک موقع پر ان کی صحبت میں خلل واقع ہوا۔ اطبا نے ان کو مستورات کی صحبت سے منع کیا۔ اس عالم میں انھوں نے جو شعر کہے، وہ بہت مناسب ہیں اور وہ یہ ہے:۔

اپنی تو یہ صورت ہے کہ جوں بلبل تصویر — پرواز کی طاقت نہیں اور پاس چمن ہے

جس کے غم میں ہم کبھی آرام سے واقف نہیں — کیا غضب ہے وہ ہمارے نام سے واقف نہیں

تنہا۔

(متوفی ۱۲۲۲ھ) نام محمد عیسیٰ۔ شاہجہاں آباد دہلی کے خاندان سے ہیں۔ ان کی نشوونما لکھنؤ میں ہوئی شاعری غلام ہمدانی مصحفی سے سیکھی۔ ان کا کلام یہ ہے:۔

تم کے بے وجہ تڑپتے نہیں بسمل تیرے — آب خنجر سے یہ رو رہ کے مزہ لیتے ہیں

ان دنوں چاک ہے پیراہن گل اے تنہا — ہم کوئی اپنے گریباں کو سلا سکتے ہیں

غیر سے شکوہ مرا بس دیکھی دانائی تری — میں ہوا رسوا تو کیا ہوگی نہ رسوائی تری

حشر میں کس لیے ہم آہ بھٹکتے پھرتے — اپنا منہ ہم سے یہاں گر نہ چھپاتا کوئی

میں جو روٹھا تو منا کر مجھے وہ یوں بولا — کہیے کیا کرتے جو تم کو نہ مناتا کوئی

حرف الثا

ثابت :-

نام مرزا معز الدین ۔ مرزا احسن بخت بہادر کے چھوٹے بھائی تھے ۔ حافظ عبد الرحمٰن احسان سے اصلاح لیتے تھے ۔ ان کا کلام ہے :۔

سحر ہونے کے دھڑکے سے بیتاب ہے بدن ٹھنڈا کہ تیرا ہاتھ موتی کا ہوا ہے سیم تن ٹھنڈا
میں کسی چشم مفتن کا ہوں مائل ثابت کیونکہ محکوم مرا ابلق ایام نہ ہو
اس قدر ادب مروت مجھ سے استغنا تجھے جان دینی تھی تجھے پر دل نہ دینا تھا تجھے

ثابت :-

نام اجابت خان ، مرزا بچھو فدوی کے شاگردوں میں سے ایک ہیں ۔ عظیم آباد سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ان کا شعر ہے :۔

وقت مرنے کے مرے پاس وہ موجود ہوا اپنے ہی جی کا زیاں اپنے تئیں سود ہوا

ثاقب :-

نام شاہ شمس الدین ۔ قدما میں سے ہیں ۔ بالکل بے نیازی سے زندگی بسر کرتے تھے ۔ شاہ مبارک آبرو کے شاگرد ہیں ۔ ان کا شعر ہے :۔

مرے ادب نے رکھا مجبور کو یاں تک محروم   کہ بعد قتل بھی دامن تک لہو نہ اڑا

ثروت :-

نام سید درویش علی - اُن کے نام کے ساتھ یہ تخلص لطف دیتا ہے - وارفتہ مزاج سے آدمی ہیں - ان کا ایک شعر درج ہے :-

قابل نہ تھے جفا کے اٹھانے کے ہم ذرا   ثروت نباہ ہے یہ اس آفت پناہ کی

ثنار :-

میر شمس الدین عظیم آبادی - اصلی وطن کشمیر تھا - لکھا ہے کہ وہ شاہ مشتاق طلب کے شاگرد تھے - اُن کا شعر ہے :-

چمن ہے خندۂ گل ہے مے و مینا ہے اور تو ہے   فغان ہے نالہ ہے فریاد ہے زاری ہے اور میں ہوں

حرف جیم

جامؔ :-

نام کنور سین ۔ بدھولی کے رہنے والے تھے ۔ شرف الدین مسرورؔ، ابن غلام محی الدین نے اُن کو اپنے شاگردوں میں سے لکھا ہے ۔ ان کا شعر ہے :

پڑھتے ہے باد کے گھوڑے پہ گو موج ہوا لیکن　　　یہ دعویٰ کر سکی گنگوں سے تیری ہم عنانی کا

جانؔ

نام جان علی جہاں آباد کے لوگوں میں سے تھے ۔ نواب بیرم خان مغفور سے ان کی عزیزداری تھی ۔ اور میر تقی میرؔ کے شاگرد تھے ۔ ایک آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے ۔ ان کا شعر ہے :

ذکر اس زلف کی درازی کا　　　صبح سے تا بہ شام ہوتا ہے

جانیؔ :-

بیگم جان نام ۔ بہو بیگم کے نام سے مشہور تھیں نواب قمر الدین خاں صاحب مرحوم کی بیٹی تھیں اور نواب آصف الدولہ بہادر کی زوجیت میں تھیں ۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس حالت میں جب کہ سابق الذکر بیگم کثرت امراض و علل کی بنا پر پریشان اور

خستہ دل تھیں۔ ہمدم نامی خواجہ سراان کی مزاج پرسی کو آیا۔ تو انھوں نے فی البدیہ یہ مطلع پڑھا:۔

کیا پوچھتا ہے ہمدم اس جسم ناتواں کی ہر رگ میں نیش غم ہے کیسے کہاں کہاں کے
دل جس سے لگایا وہ ہوا دشمن جانی کچھ دل کا لگانا ہی ہمیں راس نہیں ہے

جذب :۔

نام میر عزت اللہ خاں۔ یہ میر ھبکاری کے نام سے مشہور تھے۔ بریلی کے معززین میں سے تھے۔ بہت مہذب اور سنجیدہ طبیعت کے انسان تھے اور فطرت سلیم پائی تھی۔ علوم رسمی سے آگاہ تھے اور سب فنون میں کمال رکھتے تھے۔ حالانکہ عمر کم تھی۔ بہت سے مقامات کی سیر کر چکے تھے۔ بخارا کے قریب وفات پائی۔ ان کا کلام ہے:۔

وہاں صفائی و خود نمائی ہے یاں مری جان کی صفائی ہے
جو کہ حلقہ بگوش نتھ کے ہیں ناک میں ان کے جان آئی ہے

جراح :۔

نام غلام ناصر۔ وطن کشمیر تھا۔ لیکن ولادت ان کی اس شہر میں ہوئی۔ اسی تخلص والے پیشے کو اختیار کیا تھا اور اس میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ کبھی کبھی میرے پاس آتے تھے۔ اچھے انسان تھے۔ چند سال ہوئے کہ اس جہان فانی سے رحلت کی خدا مغفرت کرے۔ ان کا یہ شعر بطور یادگار کے حوالہ قلم کرتا ہوں:۔

جراح ٹانکے دینے میں سست کرو رنگ تو اس واسطے کہ زخم مرے یار گرم ہے

جرأت :۔

(متوفی ۲۴، ۱۲۲۵ھ) قلندر بخش نام ان کا سلسلہ رائے مان محمد شاہی تک

پہنچتا ہے جو نادر شاہ کے جلادوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے تھے اور جنھوں نے مردانہ وار جان دی۔ ان کو علم موسیقی کے رموز جاننے کا دعویٰ تھا اور اس کے حقدار بھی تھے۔ ستار اچھا بجاتے تھے۔ اور کسی حد تک علم نجوم سے واقف تھے۔ زمانے نے انکی اچھائی برائی بہت کم دیکھی، اور آنکھیں بند کر لیں (نابینا ہو گئے) حسینوں کی صورت حسرت سے بھی نہ دیکھ سکے، مہ لقا اور موسیقاروں کی صحبت سے دلچسپی تھی۔

کچھ عرصہ تک مرزا سلیمان شکوہ بہادر کے خوان نعمت سے مستفید ہوتے رہے وہاں انشاء اور مصحفی سے ٹکر بھی رہتی تھی اور ایک ردیف و قافیہ میں شعر کہتے تھے۔ اب ان کی وفات کو بیس سال سے زاید ہو چکے ہیں۔ اپنے کلام میں وہ اس گفتگو کو زیادہ نظم کرتے تھے جو عاشق و معشوق کے درمیان ہوتی ہے۔ رسا طبیعت پائی تھی۔ حسرت ان کی شاگردی پر ناز کرتے تھے۔ ایک ضخیم دیوان جس میں مختلف قسم کا کلام ہے، جمع کیا تھا۔ چونکہ اس فن کے اصول اور قواعد سے واقف نہ تھے۔ اس لیے ان کے خلاف ہوتے تھے اور کلام مشہور اس لیے ہے کہ اوباش طبیعتوں اور امرد پرستی کے مذاق کے مطابق ہوتا تھا۔ بعض بعض شعر ان کے بہت خوب اور عمدہ بھی ہوتے تھے۔ جو کچھ بھی ان کے دیوان میں اہل فن کے طریقہ پر دستیاب ہو سکا۔ انتخاب کر کے ان اوراق میں لکھا گیا۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

محمدؐ ہے نبی ممدوح ذات کبریائی کا	کہے بندہ گر اس کی مدح دعویٰ ہے خدائی کا
رتبہ گل بازی کا دلا کاشش تو پاتا	ہاتھوں سے جو گرتا تو وہ آنکھوں سے اٹھاتا
سنیو شوخی کہ یہ کہتا ہے وہ قاصد سے مرے	نامہ سے پرا بھی واں جانے میں تاخیر لگا
جرأت انبوہ ہو درکار اگر بعد فنا	دیکھو اس کی مرے تابوت پہ تصویر لگا
ناتوانی سے نہ پایا جب مجھے صیاد نے	بول اٹھا ہے یہ قفس کا کس طرح در کھل گیا
نگاؤں چھاتی سے جرأت نہ کیونکہ اس کو کہ یہ	وہ ہاتھ ہے کہ کسی کے گلے کا ہار رہا

در تک اب چھوڑ دیا گھر سے نکل کر آنا / یا وہ راتوں سدا بھیس بدل کر آنا

کلمہ پڑھتے ترا جسے دیکھے تو بھر نظر / کافر اثر ہے یہ تری کافر نگاہ کا

چھپکے اجل سے کیونکہ مری آنکھ وقت نزع / بسمل ہوا ہوں میں کسی بانکی نگاہ کا

نہ آنے کی جب میں سنانے لگا / وہ آئینہ مجھ کو دکھانے لگا

کون دیکھے گا بھلا اس میں ہے رسوائی کیا / خواب میں آنے کی ہے تم نے قسم کھائی کیا

تماشے کو نکل آتا ہے وہ رشک پری گھر سے / مزا دکھلا رہا ہے ان دنوں دیوانہ پن اپنا

رو بیٹھے سو بار کیے ہم نے سفر بھی اکثر / پر گئے ہم سے کبھی آ کے نہ دلدار لگا

کاش یوسف کی میں اس کو نہ دکھاتا تصویر / اب ہوا اور ہی دعویٰ اسے یکتائی کا

سن کے میں عزم سفر مر ہی گیا / تم تو گھر سے گئے یاں گھر ہی گیا

تھا یہی دھڑکا خدا جانے کہ کیا لائے پیام / جا کے واں سے جو نہ آیا نامہ بر اچھا ہوا

مگر کچھ میرے قلق کا کیجے / نہیں پھر آپ ہی گھبرایئے گا

ناصحو آپ میں جرأت نہ رہا / اب سمجھ کر اسے سمجھایئے گا

بلائیں ہاتھوں نے میری جو لیں تمھاری رات / بلائیں ہاتھوں کی لیتا رہا میں ساری رات

جرأت میں پوچھتا ہوں کہ یہ اضطراب دل / جائے نہ وصل میں بھی تو پھر اس کا کیا علاج

دور سے کل ہم نے اس کے آستاں کو دیکھ کر / رو دیا کن حسرتوں سے آسماں کو دیکھ کر

ہر دم کے اٹھا کون سکے رنجش بے جا / اس واسطے پھر پھر کے یہ غصہ ہے ہمیں پر

حیراں ہوں میں وہ کون ہے جو چین وصل میں / کہتے ہو تم کہ چل ہے اسی کو تو پیار کر

واں سے ہے یہ بدگمانی جائے حجاب کیوں کر / دو دن کے واسطے ہو کوئی خراب کیوں کر

دور سے دیکھ نہیں سکتے ہیں جرأت اور ہائے / جی یہ چاہے ہے کہ دن رات رہیں یار کے پاس

عید قرباں کو بھی دے گھر سے ہیں یار نکال / جی میں آتا ہے گلا کاٹیے تلوار نکال

روز کہتے ہیں وہ آئے تو کہیں غم جرأت / جب وہ آتا ہے تو اس وقت نہیں ہوتے ہم

نہ دیکھنا جو نصیبوں میں ہے تو وصل ہیں بھی | اٹھا کے آنکھ نہیں دیکھتے حجاب سے ہم

اپنے پہلو سے وا جب اٹھ کے چلا اے جرأت | اس کا منہ دیکھ کے بس رہ گئے مجبور سے ہم

حیران مجھے دیکھ کے بولا وہ ہنسی سے | ہے آج تو جرأت پہ بھی تصویر کا عالم

کل واقف کا اپنے سے کہتا تھا وہ یہ بات | جرأت کے جو گھر رات کو مہمان گئے ہم

کیا جانیے کم بخت نے کیا ہم پہ کیا سحر | جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم

ضبط وحشت ہے تجھے اے دل دیوانہ ضرور | آتا آتا بھی نہ وہ چھوڑ دے جھنجلا کے کہیں

گو وہ نہ دیوے بوسہ لیکن اس آرزو میں | کس کس مزے کی باتیں اپنی زبان پر ہیں

تپش سے اس کے اب اعضا تمام جلتے ہیں | جو ہم سے دل کوئی بدلے تو ہم بدلتے ہیں

زبسکہ مرتے ہیں اک سبز رنگ پر جرأت | یہ شعر کہتے نہیں زہر ہم اگلتے ہیں

دم بہ دم دیکھ ہم کو روتا ہے | مارے ڈالے ہے ہم نشیں تو ہمیں

کوچۂ جاناں سے جاتے ہیں پہ جا سکتے نہیں | گو اٹھاتے ہیں قدم پر دل اٹھا سکتے نہیں

جی میں سو بار آتی ہے جرأت نہ ملیے یار سے | پر سمجھ کر دل میں کچھ سوگند کھا سکتے نہیں

میری بے تابی سے محفل میں یہ دھڑکا ہے اسے | اٹھ کے ہونے نہ لگے یہ مرے قربان کہیں

قدم میں ناتواں جب اس کے کوچے سے اٹھاتا ہوں | تو شکل نقش پا ہر ہر قدم پر بیٹھ جاتا ہوں

بسکہ تنگ مہر ہے گردش ہی ہم کو سارے دن | جو تم پھر آؤ تو پیارے پھریں ہمارے دن

وصل ہی جس کے نہ تھا چین سو جرأت افسوس | وہ گیا پاس سے اور موت نہ آئی تجھ کو

کام رونے سے ہے یاں اس کو خبر ہو کہ نہ ہو | گریہ جوں ابر ہے خلقت میں شہرہ ہو کہ نہ ہو

کھل گیا اپنا جو نوشتہ تھا | دور سے شکل نامہ بر کو دیکھ

عیاری تو دیکھو نہ ملانے کے لیے آنکھ | دیوانہ کیا ہے ہمیں مشہور کسی نے

کچھ لگاوٹ کا سبب اور نہیں پر جرأت | ہم وہ چاہے ہے کہ اس کو بھی لگائے رکھیے

جتاؤں درد محبت تو کس ادا سے کہے | کرو نہ مجھ سے یہ باتیں دوانہ پن کی سی

مالوف جس سے طبع ہے یارب حبیب کی
ہو جائے کاش شکل مری اس رقیب کی

رو دو اس سے کہیے تو منہ پھیر مسکرا
کیا چپکے سے کہے ہے وہ شامت نصیب کی

جرأت اب بند ہے تنخواہ تو کہتے ہیں ہم
کہ خدا دیوے نہ جب تک تو سلیمان کب دے

اجل گر اپنی خیال جمال یار میں آئے
تو پھر بجائے فرشتہ پری مزار میں آئے

وعدہ پر آیا نہ وہ اور میں رہا جیتا اب آہ
اس سے شرماتا ہوں میں اور مجھ سے وہ شرماتا ہے

جواب نامہ کی کیا پوچھتے ہو واں سے پھر آ کر
یہ منت مصلحت دیتا ہے قاصد باز آنے کی

دم آخر نہ پوچھو وضع اس بدظن کے آنے کی
کہ آ کر نعش پر کہنے لگا خوبی بہانے کی

دل وحشی کو خواہش ہے تمہارے در پہ آنے کی
دوانہ ہے ولیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی

غم سے گھٹتا یہ مرا سب میں بجھا جاتا ہے اسے
جو مجھے دیکھے ہے سو دیکھنے جاتا ہے اسے

گھر کو جاتا ہے ترے کوچہ سے جرأت تو یوں
جاتے ہے جیسے کہ رستہ نہیں آتا ہے اسے

لے کے دل کہتے ہو ملتے ہیں ہے رسوائی واہ
آپ ہوشیار بنے مجھ کو دوانہ کر کے

وہ نہ آئے تو یہ ہو جائے غلط
کر بن آئے نہیں مرتا کوئی

کھڑا تھا بام پر وہ اور نظر میں نے جو اس پر کی
نظر آنے لگی گویا مجھے پتلی سکندر کی

اس پردہ نشیں سے کوئی کیا شکل بر آئے
جو خواب میں بھی آئے تو منہ ڈھانک کر آئے

گذرے ہے جب اس کے لب و دنداں کا تصور
نچلے نہیں رہتے لب و دندان ہمارے

ناصح ہیں اور ہم میں بھی ہے طرفہ حجت آہ
ہم کچھ نہیں سمجھتے وہ سمجھائے جائے ہے

قاتل نہ مجھ سے موڑیو منہ وقت قتل تو
ٹک شرم کیجیو مری گردن جھکائی کی

یہ تو میں کیونکر کہوں کچھ نہیں بھاتا مجھ کو
کچھ تو بھایا ہے کہ اب کچھ نہیں بھاتا مجھ کو

زخم تازی کی طرح زخم کہن اے جرأت
ٹک ہنساتا ہے تو پھر خوب رلاتا ہے مجھے

یاد آوے بدے ہم نے بہ منت کتنے بوسے
ہارے بھی تو کیا ہار مزے دار نکالی

چھوڑا اپنے گرفتاروں کو صیاد سمجھ کر
جاتی نہ رہے جان رہائی میں کسی کی

کیوں صبح کو جی چاہنے لگتا ہے وہیں بس
اڑ جائے ہے جب آنکھ لڑائی ہیں کسی کی

یاد جب آتا ہے یہ کہنا تو اڑ جاتی ہے نیند
اپنی ہٹ تو رکھ چکے لو اب تو ہٹ کر سویئے

پوچھا یہاں تک کہ ہوا تنگ نامہ بر
لذت ملی جو یار کے پیغام سے مجھے

جی خاک میں ملایا تمھارے ملاپ نے
اچھا غرض سلوک کیا ہم سے آپ نے

آج بھی اس کی جو آنے کی نہ ٹھہرے گی تو بس
ہم وہ کر بیٹھیں گے جو جی ہیں ہیں ٹھہرائے ہوئے

جعفری :-

(متوفی ۱۲۴۹ھ) میر باقر علی نام - ولد میر قمر الدین منت جو میر نظام الدین ممنون کے چھوٹے بھائی ہیں اور ان کے زیر تربیت رہے ہیں ۔ سال گذشتہ سفر حجاز کی واپسی کے وقت وفات پائی - ان کا کلام ہے :

آرام وعدہ کے شب اک دم کبھو نہ آیا
آیا نہ چین دل کو جب تک کہ تو نہ آیا

تیغ یوں دل میں خیال نگہ یار نہ کھینچ
ناخدا ترس تو کعبے میں تو تلوار نہ کھینچ

جلال :-

یہ ایک صاحب فیض آباد میں تھے - اس سے زیادہ حال سننے میں نہیں آیا۔ ان کا کلام ہے :-

تنگ احوال ہے اب تو ترے شیدائی کا
آکے ٹک دیکھ تماشا تو تماشائی کا

قتل کرتے تھے دو عالم کو بیک چشم زدن
چشم بد دور وہ اب باندھنے ہتھیار چلے

کیا ہوا میں نے جو ٹک جانب ابرو دیکھا
اتنی بس بات پہ تم کھینچنے تلوار لگے

جنون :-

نام مرزا نجف علی خاں ولد مرزا محمد علی خاں جن کا تخلص دیوانہ ہے - باپ بیٹے

دونوں بنارس کے ہیں۔ مرزا محمد علی خان نے اپنے والد کی جب کہ وہ دہلی آئے تھے اور بورڈ کی سر رشتہ داری کے عہدے پر مامور تھے، مجھ سے کئی مرتبہ ملاقات کرائی۔ وہ خیان تر تحصیل داری اور سر رشتہ داری کے عہدوں پر فائز رہے۔ یہ عہدے سرکار انگریزی کے معزز عہدوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اب نہیں معلوم کہ کہاں ہیں۔ ان کا کلام یہ ہے:۔

اپنے چہرے سے مت نقاب الٹ　　دیکھ جاوے گا آفتاب الٹ

دل کو شاید کوئی ستاتا ہے　　قاصد اشک تیز آتا ہے

جنون:۔

نام فخر الاسلام۔ پیر ترک کے خاندان سے ہیں اور مشائخ زادگان دہلی میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ممنون کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کا شعر ہے:۔

اٹھی جو شرم تو دونوں ہی دل سے نکلے　　بجز حجاب یہاں کچھ نہ فاصلے نکلے

جنون:۔

نام شاہ غلام مرتضیٰ۔ الٰہ آباد کے ممتاز لوگوں میں سے تھے۔ پرہیزگاری و تقوے میں مشہور تھے۔ اور ان اوصاف کے حامل تھے۔ ان کا شمار عارفوں میں ہوتا تھا۔ تھوڑی سی دلچسپی شعر و شاعری سے بھی تھی۔ ان کا شعر ہے:۔

تری چشم مست سے ساقیا یہ سیاہ مست جنوں ہوا　　کہ سبوئے دو آتشہ طاق پر جو دھری تھی وہ دھری رہی

جوہر:۔

نام مرزا احمد علی۔ یہ صاحب قزلباش تھے۔ یہ مطلع ان کا ہے:۔

آتش ہو وہ چمن ہو یا برقِ آشیاں ہو　　اے مرغ نالہ کچھ ہو اک شب تو پر فشاں ہو

جوشش

محمد عابد نام۔ تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ جسونت نگر عظیم آباد کے رہنے والے
تھے۔ ان کا کلام ہے:

چوں آئینہ یہ ستم رسیدہ — رہتا ہے مدام آب دیدہ
تمہارے در پہ جو درباں نے آستیں پکڑی — بہ رنگ نقش قدم ہم نے بھی زمیں پکڑی

جوشش

نام شیخ محمد روشن۔ عظیم آباد کے طبقۂ دوم کے شعرا میں سے ہیں۔ ان کا کلام
صاف ہوتا ہے اور اس میں گنجلک اور پیچیدگی نہیں ہوتی۔ خیالات سلجھے ہوئے
اور انداز بیاں شستہ ہوتا ہے۔ فن عروض میں بہت مہارت رکھتے ہیں
نمونۂ کلام یہ ہے۔

وہ زمانہ کیا ہو جو مرے گریہ میں اثر تھا — یہی چشم خونفشاں تھی یہی دل یہی جگر تھا
گریوں ہی یہ دل در پہ آزار رہے گا — اک روز نہ اک روز مجھے مار رہے گا
جیسا کہ دل پہ زخم ہے اس کی خدنگ کا — گلشن میں ایک گل نہیں اس آب ورنگ کا
اس کا خدنگ داغ جگر سے گذر گیا — اک تیر تھا جو صاف سپر سے گذر گیا
دیکھ کر ایک ستم تیری جفا کاری کا — کوہکن ہو تو نہ دم مارے وفاداری کا
اس کی آنکھوں کو دیکھیں اے جوشش — منہ تو دیکھو شراب خواروں کا
جز چشم بتاں میکدۂ دہر میں جوشش — ہم نے تو کسی مست کو ہشیار نہ پایا
اس کی رنجش کا تجھے خوف عبث ہے جوشش — ہو چکا ہے وہ اسی طرح سے سو بار خفا
کل جو اسے دیکھ کر ہو گئے ہم بے خبر — ہنس کے وہ کہنے لگا پھر بھی ادھر دیکھنا

قیس پھرتا جو رہا دشت میں دیوانہ تھا — اس کو لیلیٰ ہی کے دروازے پہ مرجانا تھا

مدعی مجھ ہوں جن جن کو میں اب تیرے لیے — دوست اپنے ہی تھے سب کیا کوئی بیگانہ تھا

مزا دکھاؤں تجھے تیری بے وفائی کا — اگر نہ ہووے مجھے پاس آشنائی کا

حیراں ہوں کس طرح ہے وہ انساں ہو جلوہ گر — جلوے سے اس کے طور تو جل خاک ہو گیا

ہماری آہ کے صدمے نہیں اٹھانے کا — یہ چرخ بام کہن ہے کسی زمانے کا

نہ پھولتے ہیں شگوفے نہ غنچے کھلتے ہیں — چمن میں شور پڑا کس کے مسکرانے کا

نہ شکل شیشہ آتی ہے نظر نہ جام کی صورت — رہی زیر فلک پھر کون سی آرام کی صورت

ہمیں تو رونے نے آخر یہ رنگ دکھلایا — سفید ہو گئیں آنکھیں ہوا گریباں سُرخ

روتے کے لیے ہوں آفریدہ — ماتم کدہ جہاں میں جوں ابر

ہمارے حال پہ اس کو نظر نہیں ہرگز — کسی کے دل کی کسی کو خبر نہیں ہرگز

دیکھیے ہم میں اور ان آنکھوں میں کیا ہوتی ہے — لہو کے پیاسے ہیں وہ تشنۂ دیدار ہیں ہم

دود کی طرح میں دل سوختہ جاتا ہوں جدھر — اپنے احوال پہ عالم کو رلا جاتا ہوں

عمر عزیز گذرے ہے رنج و ملال میں — عاشق کہاں ہوئے کہ پڑے اک زوال میں

نہ ڈر عسس کا ہے ہمیں نہ خوف محتسب — رہتے ہیں مست شام و سحر اپنے حال میں

کرے ہیں جور کا تیری ہی شکوہ یار آپس میں — جہاں مل بیٹھتے ہیں آشنا دو چار آپس میں

آج ہے عزم شکار اس کا یہ معلوم نہیں — خوف سے مر گئے یا صید حرم جیتے ہیں

بے کسی سے یہی گلہ ہے مجھے — تھام لیتے ہیں دست قاتل کو

راغب نہیں طبیعت گر حور رو برو ہو — اپنی یہ آرزو ہے دنیا ہو اور تو ہو

توانائی تو کرہ بیٹھی جدا آغوش سے مجھ کو — کرامت دیکھیو اے ناتوانی دوش سے مجھ کو

دم بہ دم بزم میں کاہیدہ ہوئی جاتی ہے — لگ گئی شمع کو شاید نظر پروانہ

جی میں جس وقت کہ مضمون کمر آتا ہے — بس کہ نازک ہے مجھے باندھتے ڈر آتا ہے

شبنم کی طرح سامنے اس آفتاب نے | ہونے کو تو ہوئے تھے ولیکن نہ ہو سکے

جوش :-

(۱۷۹۲ء میں زندہ تھے) نام رحیم اللہ۔ دہلی کے عوام میں سے تھے۔ فقیروں کی طرح مجمعوں میں اشعار پڑھتے تھے۔ مصحفی نے ان کو اپنے شاگردوں میں شمار کیا ہے۔
ان کا کلام یہ ہے:۔

میں نے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ الم گذرا | بولا کہ اب تیرا روتے ہی جنم گذرا

دریا مری آنکھوں سے اک جاری لہو کا ہے | بے درد تو کیا جانے کیا حال کسو کا ہے

جواں :-

نام مرزا نعیم بیگ۔ جہان آباد کے رہنے والے تھے۔ مرشد زادہ مرزا سلیمان شکوہ بہادر کے لواحقین میں سے تھے۔ ان کے انتقال کو کافی عرصہ ہو چکا ہے۔
نمونۂ کلام یہ ہے:۔

پہلو میں دل اپنے کو بھی غم خوار نہ پایا | یہ خوبی قسمت کہ کوئی یار نہ پایا

از بسکہ ہوئی گرمی خورشید قیامت | کوچے میں ترے سایۂ دیوار نہ پایا

ظلم و ستم و جور سبھی ہم نے اٹھائے | جب اور کوئی تجھ سا طرح دار نہ پایا

دیوار و در کی چھاتی سوراخ ہو گئی ہے | کیا روزنوں سے اس نے آنکھیں لڑائیاں ہیں

کسی کو اپنی سفارش کے واسطے اس پاس | جو لے کے جاؤں تو اس کا وہ آشنا نکلے

جیتا نہیں پھرتا ہے کوئی اس کی گلی سے | مجھ تک مرے دلدار کی کیوں کر خبر آوے

جولاں :-

نام میر بہادر علی۔ اسی شہر کے رہنے والے ہیں۔ اپنے زمانے میں تیر اندازی کے

سیے بہت مشہور رہتے ۔ ان کا شعر ہے :۔

کنج قفس میں دیکھ کے بے بال و پر مجھے　　اے ہم صفیر چھوڑ گئے تم کدھر مجھے

جولاں :۔

نام میر حسن علی خان ۔ دکن کے رہنے والے تھے ۔ ان کا شعر ہے :۔

اب ایسے جام میں ساقی شراب زعفرانی بھر　　کہ جس کو دیکھ کر زاہد کے منہ میں آئے پانی بھر

جہانگیر :۔

نام جہانگیر بیگ ۔ وطن دہلی تھا لیکن بہت عرصے تک لکھنؤ میں رہے ۔ منچلے آدمی تھے ۔ تیغ زنی کرتے اور زخم بھی کھاتے تھے ۔ آخر عمر میں وطن واپس گئے اور وہاں مالیخولیا کے مرض میں مبتلا ہو گئے ۔ جس دن مولانا عبدالعزیز کا وعظ تھا ۔ انھوں نے میر شاہ علی کو جن کا تخلص درویش تھا ۔ زخمی کیا ، قید کیے گئے اور قید ہی میں وفات پائی ۔ ان کا شعر ہے :۔

وہ کافر مراد ورد کیا جانتا ہے　　جو گذرے ہے مجھ پر خدا جانتا ہے

جہاں دار

مرزا جہاں دار شاہ ، عرف مرزا جواں بخت کے جو کہ شاہ عالم بادشاہ کے ولی عہد ہیں اور فہم و فراست اور عقل و فہم میں بہت ممتاز ہیں ، مرشد زادہ ہیں ۔ یہاں سے لکھنؤ اور لکھنؤ سے بنارس گئے اور وہاں ۱۲۰۲ھ میں وفات پائی ۔ اس نقل مکانی اور تبدیلی سکونت کا قصہ بہت طویل ہے ۔ جس کی اس تذکرے میں گنجائش نہیں ہے نمونۂ کلام یہ ہے :۔

مر کس کے انتظار میں یہ بے اجل گیا　　آنکھیں جو یوں کھلی رہیں اور دم نکل گیا
ٹھان لیتے ہیں وہ پہلے ہی سر اپنا دیتا　　تیرے کوچے میں جو اے شوخ قدم رکھتے ہیں
آخر کو اپنی صرف در میکدہ ہوئی　　پہنچے وہاں ہے خاک جہاں کا خمیہ ہو
کون سی بات تری ہم سے اٹھائی نہ گئی　　پر جفا جو تری ناحق کی لڑائی نہ گئی

جہمن :-

(۱۱۹۰ھ میں زندہ تھے) نام جہمن ناتھ - دہلی کے رہنے والے تھے - جابت پسند اور کہنہ مشق شاعر تھے - ان کا شعر ہے :-

دل جوں سپند عشق کی آتش سے جل گیا　　اک آہ کھینچتے ہی مرا دم نکل گیا

جینا بیگم :-

ان کا حال معلوم نہیں ہو سکا اور اسی بنا پر ان کے کمالات بھی پردۂ خفا میں ہیں۔
ان کا شعر ہے :-

یہ کس کے آتش غم نے جگر جلایا ہے　　کہ تا فلک مرے شعلے نے سر اٹھایا ہے

حرف الحا

حاتمؔ:-

(مولود ۱۱۱۱ھ وفات ۱۱۹۷ھ) نام مرزا ظہور الدین۔ شاہ حاتم کے نام سے مشہور تھے۔ پرانے لوگوں میں سے تھے لیکن ان کے کلام میں جدت تھی۔ ابتدائے شباب میں سپاہی پیشہ تھے۔ بعد میں خدا والے ہو گئے تھے اور توکل اختیار کیا تھا۔ اور جہان آباد میں آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ بہت سے ارباب فکر نے ان سے فیض حاصل کیا ان لوگوں میں مرزا رفیع سوداؔ بھی ہیں۔ شروع میں اپنے کلام میں قدما مثلاً ولی دکنی کی پیروی کرتے تھے۔ لیکن جب متاخرین کی روش مشہور ہوئی تو انھوں نے بھی وہی طرز اختیار کیا۔ ان کا دوسرا دیوان اسی طرز کا ہے۔ عمر طبیعی پائی اور اسی شہر میں وفات پائی

نمونۂ کلام یہ ہے:-

اس قدر کی حرف تسخیر پری رویاں میں عمر
رفتہ رفتہ نام میرا اب پری خواں ہو گیا

ہجر کی زندگی سے مرگ بھلی
کہ جہاں سب کہیں وصال ہوا

تو اذیت پیشہ دشمن ہے بغل میں دل نہیں
دور ہو پہلو سے صحبت کے مرے قابل نہیں

تم تو بیٹھے ہوئے یہ آفت ہو
اٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو

مفلسی اور دماغ اے حاتمؔ
کیا قیامت کرے جو دولت ہو

کریں ہیں قمریاں تعریف سرو اوہم تیرے قد کی
جو تو آوے چمن میں تو ہمارا بول بالا ہو

آتا ہے اب نشہ کی طرف جی کبھو کبھو
ساقی نگاہ مست ادھر بھی کبھو کبھو

پیری میں آج یار مرا ہمکنار رہے
ساقی شتاب آ کہ خزاں میں بہار ہے

بے خود اس دور میں ہیں سب حاتم
ان دنوں کیا شراب سستی ہے

دیکھ جراح تیرے مرہم کو
میرے سینے کا داغ ہنستا ہے

وہ وحشی اس قدر بھڑکا ہے صورت سے مری یارو
کہ اپنے دیکھ سائے کو مجھے ہمراہ جانے ہے

حافظ :-

نام محمد اشرف۔ دہلوی لوگوں میں سے تھے اور اپنے آپ کو فن موسیقی میں یگانہ سمجھتے تھے۔ ان کے کلام میں اس سے بہتر شعر نہیں ملا۔ لہٰذا اسی کو لکھ لیا گیا شعر یہ ہے :

ابر میں مہ کی طرح زلف کے پردے میں آہ
تو نے گو منہ کو چھپایا، مجھے معلوم ہوا

حالی :-

نام میر محب علی۔ وطن مرشد آباد۔ ان کا شعر ہے :

یہ طرز تو نے نئی نکالی سوال دیگر جواب دیگر
عوض میں بوسے کے دے ہے گالی سوال دیگر جواب دیگر

حبیب :-

نام معلوم نہ ہو سکا۔ وطن کے متعلق یہ اطلاع ملی ہے کہ مراد آباد ہے۔ ان کا شعر ہے :

خانہ ویرانی مری گرچہ کی اس دل نے حبیب
پر خدا حشر تک آباد رکھے خانۂ دل

حجام :-

(۱۱۹۳ھ میں تیس سال کے تھے) نام عنایت اللہ عرف کلو۔ سہارنپور کے لوگوں

میں سے ہیں۔ پیشہ حجامی ہے۔ یعنی بال بنانا۔ اسی سے روزی کماتے تھے۔ مرزا رفیع سودا کے شاگرد تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ مولانا فخر الدین علیہ الرحمہ سے ارادت رکھتے تھے اور ان کا بہت خیال کرتے تھے اور یہ بات ان کے اشعار سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔

نمونۂ کلام یہ ہے:۔

روز رخسار کے لیتا ہوں مزے خوباں کے — بہتر اس شغل سے حجام ہنر کیا ہوگا

جینا نظر اپنا تو ستمگر نہیں آتا — بے وصل ترے سو یہ میسر نہیں آتا

خط آتے سے بھی اپنی رسائی نہیں ہے واں — حجام کس طرح سے ملیں کیا ہنر کریں

دیکھ کے عاشق تری رسوائیاں — عشق کی لوگوں نے قسمیں کھائیاں

اک روز نصیبوں سے کہیں واں تیغ پہنچوں — پھر سر ہے مرا اور در و دیوار تمہارے

اس کاوش مژگاں کا گلہ مجھ سے عبث ہے — اے آنکھو یہ بوٹے ہوئے ہیں خار تمہارے

مثال ناقۂ لیلیٰ کے اک دو گام غلط — خدا کرے کہ ادھر بھی ترا سمند کرے

حزیں:۔

ان کے حالات میں صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ ایک صاحب اس تخلص کے تھے آغاز عہد محمد شاہ فردوس مکانی کے ہیں۔ ان کا شعر ہے:۔

ویراں ہوا خزاں سے چمن یاں تلک کہ ہم — چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں

حسرت:۔

(متوفی ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۶ء) نام جعفر علی ابن ابوالخیر۔ باشندگان لکھنؤ میں سے تھے۔ ان کے بزرگ عطار پیشہ تھے۔ وہ خود بھی کچھ عرصہ تک یہی کام کرتے رہے تھے۔ لیکن اس کام سے مطمئن نہ ہونے کی بنا پر مرزا اجمادار مرحوم کے زمرۂ متوسلین میں شامل ہوئے۔ لیکن اس پر بھی

قناعت نہ کی اور دنیا کو ترک کر کے دنیا کی پستی و بلندی اور زمانے کے نشیب و فراز سے
پر لات مار کر گوشۂ عافیت کی زندگی اختیار کی۔ فن نظم میں سرب سنگھ دیوانہ کے شاگرد
تھے اور سلاست عبارت اور عمدگی خیال کے سبب مشہور زمانہ تھے۔ قلندر بخش جرأت
ان کے شاگردوں میں سے تھے اور اپنے استاد سے آگے بڑھ گئے تھے۔ ان کا کلام ہے:۔

گیا دل سو گیا رونے سے اب حاصل نہیں ہوتا — اگر رو رو کے جی کھوویں تو پیدا دل نہیں ہوتا

آشیاں چھوڑ چلے اے چمن آرا ہم تو — تو ہی لے جائیو سر پر یہ گلستان اٹھا

درس تھا مکتب میں مجھ کو آہ کا — یہ سبق تھا پہلے بسم اللہ کا

ہے غبار آلودہ یاں تک اشک اس غمناک کا — دست مژگاں میں مرا رہتا ہے سبحہ خاک کا

کل کون سے خوش تھے کہ نہیں ہو تم آج خوش — ہم نے تو ایک دن بھی نہ پایا مزاج خوش

حسرت ہزار رنگ سے بولا میں جھوٹ سچ — یعنی کہ نوبت آوے سخن کی قسم تلک (ق)

لیکن سمجھ کے بات کو اس نے اڑا دیا — پہنچاتے ورنہ ہاتھ ہم اس کے قدم تلک

ساقی نے دی کہ اہل مجلس — پانی پانی پکارتے ہیں

کسے منظور تھا یوں تلخ کیجے زندگانی کو — ولے کیا کیجیے حسرت بلائے ناگہانی کو

نازک دلوں کے زخم کو مرہم کبھو نہ ہو — پیراہن حیات پھٹے تو رفو نہ ہو

کس کا ہے جگر جس پہ یہ بیداد کرو گے — لو دل تمھیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کرو گے

بزم میں بیٹھے تھے کل جتنے پری رو حور سے — دیکھ کے اس کو گئے لینے بلائیں دور سے

مجھ کو تجھ سے خدا جدا نہ کرے — میں ہوں تجھ سے جدا خدا نہ کرے

فسانہ وصل کا جس سے دل بیتاب کہتا ہے — وہ کہتا ہے کہ افسانہ نہیں یہ خواب کہتا ہے

یہ بھی اک ستم تھا کہ خواب میں مجھے شکل اپنی دکھا گئے — کبھی نیند برسوں میں آئی تھی سو اس طرح سے جگا گئے

حسرت:

نام ذوقی رام۔ وطن جہان آباد تھا اور فرخ آباد میں رہتے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

بہ رنگ آبلہ اے وائے یہ کیا زندگانی ہے ۔۔۔ کہ جس کے پاؤں پڑتا ہوں اسی کو سرگرانی ہے

یہ شعر جعفر علی حسرت کے نام سے بھی لکھا دیکھا ہے

حسرت

نام ہیبت قلی خان - وطن عظیم آباد - فن شعر کو مرزا مظہر سے حاصل کیا تھا - اُن کا شعر ہے :-

فرہاد سے ہمسری کرے کون ۔۔۔ سر کس کا پھرا ہے یوں مرے کون

حسن :-

(مولود ۱۱۵۰ھ ۱۷۳۷ء تقریباً - متوفی ۱۲۰۱ھ ۱۷۸۶ء) نام غلام حسن - والد کا نام سید غلام حسین تھا - ضاحک تخلص تھا - مرزا رفیع سودا نے ان کی بابت بہت ذلیل قسم کی ہجویں نظم کی ہیں اُن کا خاندان ہرات کا تھا - لیکن ان کی ولادت دہلی میں ہوئی تھی - ابتدائے شباب میں مشرق کی طرف گئے اور فیض آباد میں نواب سردار جنگ خلف نواب سالار جنگ کے خوان نعمت سے فیض یاب ہوئے - میر ضیاء الدین ضیاؔ کے شاگردوں میں سے تھے - اچھی فطرت اور عمدہ طبیعت پائی تھی - اکثر اصناف سخن پر کسی قدر قدرت رکھتے تھے - لیکن مثنوی خوب کہتے تھے - مثنوی سحر البیان کہ جو بدر منیر کے نام سے مشہور ہے کافی شہرت رکھتی ہے - شاعرانہ کمزوریوں سے قطع نظر کرکے عوام کے محاورے کے مطابق بری نہیں - بلکہ انھوں نے حق بلاغت ادا کیا ہے - نمونۂ کلام یہ ہے :-

گر کیجے رقم کچھ تری وحدت کے بیاں کا ۔۔۔ تو چاہیے خانہ بھی اسی ایک زباں کا

اظہار خموشی میں ہے سو طرح کی فریاد ۔۔۔ ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

تا اشارے کو سمجھنے نہ لگے غیر کہیں وہ ۔۔۔ میں نے اس ڈر سے کبھی اس کو اشارا نہ کیا

چھوڑ دے کوئی کسی کے لیے جس طرح سے کچھ — ہم نے منت میں تری کون و مکاں چھوڑ دیا

بے وجہ تو نہیں یہ حسن اس گلی میں روز — جا جا کے بات کرتے ہر اک سے پکار کے

میں حشر کو کیا روؤں کہ اٹھ جاتے ہی تیرے — برپا ہوئی اک مجھ پہ قیامت تو یہیں اور

دامن صحرا سے اٹھنے کو حسن کا جی نہیں — پاؤں دیوانے نے پھیلائے بیاباں دیکھ کر

دروازہ گو کھلا ہے اجابت کا پر حسن — ہم کس کس آرزو کو خدا سے طلب کریں

جو کوئی آوے ہے نزدیک ہی بیٹھے ہے ترے — ہم کہاں تک ترے پہلو سے سرکتے جائیں

اس کی جب بزم سے ہم ہو کے بہ تنگ آتے ہیں — اپنے ساتھ آپ ہی کرتے ہوئے جنگ آتے ہیں

کہتا ہے تو کہ تجھ سے میں ہی نباہتا ہوں — تو ہی کہیں ہو سچا میں یہ ہی چاہتا ہوں

روٹھا کرے وہ کیوں نہ کسی اور سے حسن — یہ سب بگاڑ چاہ ہے اور کچھ نہیں

دل کو کھویا ہے کل جہاں جا کر — جی میں ہے آج جی بھی کھو آؤں

غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو — کیا غضب کرتے ہو ادھر دیکھو

تیرے ہم نام کو جب کوئی پکارے ہے کہیں — جی دھڑک جاتا ہے میرا کہ کہیں تو ہی نہ ہو

دی تھی یہ دعا کس نے مرے دل کو الٰہی — اجڑے یہ گھر ایسا کہ پھر آباد نہ ہووے

پھر پھر آئینے کو وہ دیکھنے لگتا ہے حسن — ایک دم آپ میں وہ شوخ جو پاتا ہے مجھے

شب وصل صنم ہے آج اے ہمدم کسی ڈھب سے — گریبان سحر کو ٹانک رکھنا دامن شب سے

پڑے رات کچھ داد و ستد عجب — جو بوسے کو اس شوخ سے جا اڑے

لگاتے ہی لب لب سے بس جی دیا — حسن اور لینے کے دینے پڑے

کہنے کی ہیں یہ باتیں کس بن نہیں گذرتی — پر ایک جان تو ہے جس بن نہیں گذرتی

ساتھ دیکھوں ہوں کسی کے جو کسی دلبر کے — میں بھی جی رکھتا ہوں مجھ کو بھی ہوس آتی ہے

آجا کہیں شتاب کہ مانند نقش پا
تکتے ہیں راہ تیری سر راہ میں پڑے

حسن :-

خواجہ حسن نام۔ والد کا نام خواجہ ابراہیم تھا۔ خواجہ عنایت الدین رحمۃ اللہ علیہ مودودی کے پوتوں میں سے ہیں۔ ان کا خاندان طریق تصوف سے آگاہ تھا اور موسیقی میں سلیقہ رکھتا تھا۔ وہ ایک شوریدہ سر انسان تھے اور دردمند دل رکھتے تھے اور صاحب عزت اور بلند مرتبہ کے آدمی تھے۔ فن نظم میں جعفر علی حسرت کے شاگرد تھے۔ اور بہ سبب ایک سرکار کے متعلق ہونے کے قلندر بخش جرأت سے بہت ربط و ضبط تھا۔ اور اُن سے بہت صحبت کرتے تھے۔ لکھنؤ میں ایک بازاری عورت سے جس کا نام بخشی تھا، تعلق خاطر پیدا کیا تھا اس کا نام غزلیات کے مقطعوں میں اہتمام کے ساتھ نظم کرتے تھے اور درویشی کی بنا پر ان کا خاصا احترام کیا جاتا ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے:

آنڈ کے آنکھوں سے یک بار بہہ چلے آنسو　　ہنسی ہنسی میں جو ذکر وداع یار ہوا
وقت نظارہ نہ رہ سکتے تھے اے چشم تجھے　　شدت گریہ سے سے خاک نہ سوجھا دیکھا
کیا قتل اور جان بخشی بھی کی　　حسن اس نے احساں دوبارا کیا
وہ تو آیا نہ تماشے کو مرے نزع کے پر　　ہم نے اس وقت میں بھی اس کا تماشا دیکھا
وقت وداع یار دل بے قرار نے　　یہ آہ کی کہ عرش معلیٰ ہلا دیا
دل وا سوں سے کرے ہے بے قراری بیشتر　　خانۂ ماتم میں ہوپرے ہے زاری بیشتر
ہیں آرام زیر خاک بھی کیا خاک ہووے گا　　لیے پہلو میں یہ ایسا دل پر شور جاتے ہیں
بھلا میں ہوا نہ سہی پر یہ ناصح　　مرے ساتھ یکتا ہے عاقل کو دیکھو
آہ کس کس بے وفائی کا تری کیجے شمار　　اور تو سب یک طرف منہ بھی دکھانے سے رہے

اس نے کس کس طرح نالاہم کو اپنے در سے پر
دیکھو تو ہم بھی حسن کس کس بہانے سے رہے

حسن :-

نام مولوی ابو الحسن ابن مولوی الٰہی بخش ۔ المتخلص بہ نشاط۔ قصبہ کاندہلہ کے رہنے والے تھے۔ میرٹھ میں بھی رہتے تھے۔ اُن کا کلام ہے :۔

جواب لائیو قاصد شتاب نامے کا | جواب نامہ نہ ہووے جواب نامے کا
منفعل ہوں دست و پا بھی مارنے سے وقت ذبح | کیوں میں تڑپا جو ترے دامن میں چھینٹا پڑ گیا
گر تو نے لپٹ کر نہ کیا ہم کو ذرا گرم | رہتی تھی ترے عشق میں چھاتی یہ سدا گرم

حسن :-

نام حسن علی خان ۔ سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ کشمیری تھے۔ ان کا شعر ہے :۔

آنکھوں میں مری قطرۂ خوناب نہ ٹھہرا | ہر چند کیا ضبط پہ سیماب نہ ٹھہرا

حسن :-

نام مرزا حسن ۔ سید رضی خاں سیف الدولہ کے صاحبزادے ہیں۔ یہ شعر اُن کا تذکرہ نواب اعظم الدولہ المتخلص بہ سرورسے نقل کیا گیا ہے :۔

دل کو دے کر اس بت کافر کو ہم نے اے حسن
جس قدر ناحق یہ کھینچے ہے ندامت کیا کہوں

حسین :-

نام سید غلام حسین دہلوی ۔ والد کا نام سید عبد اللہ تھا۔ شروع میں عزیز تخلص تھا۔ کچھ عرصہ تک میرٹھ میں ایک انگریز کو پڑھاتے رہے۔ کلکتہ بھی گئے تھے ۔ ان کا شعر ہے :۔

تھا عرش سے بڑھ کر جو دماغ اپنا وہی ہے — یوں چرخ نے گو کر دیا مجبور کسی کا

حسین :-

نام نواب غلام حسین خاں ۔ افغانی النسل اور رئوسائے شاہجہاں پور سے تھے ۔ ان کے اخلاق و عادات پسندیدہ تھے ۔ یہ اشعار ان کے قلمبند کیے گئے ۔

میں تو تدبیر میں تھا زخم جگر کے مصروف — دل بھی پہلو میں تپاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

آ گئے ملنے کی کوئی راہ نکل آئے گی — بے قراری تو مجھے اس کے تو در تک پہنچا

تشنۂ آب دم خنجر ہے بسمل اور بھی — دست نازک کو ذرا تکلیف قاتل اور بھی

حشمت :-

(متوفی ۱۱۶۳ھ) نام میر محتشم علی خان ۔ والد کا نام میر باقی تھا ۔ اصل وطن بدخشاں تھا ۔ ان کی ولادت شاہجہان آباد میں ہوئی ۔ زبان فارسی میں ان کے خیالات کا اظہار بہت رنگین اور اعلیٰ طرز میں ہوتا تھا ۔ میر محمد افضل ثابت اور شیخ عبدالرضا متین سے صحبت رہتی تھی اور باہم مشورہ سے ہوتے تھے ۔ ۱۱۶۳ھ میں وفات پائی ۔ خدا مغفرت کرے ان کا شعر ہے

گور کے سوتے دیوانوں کو جگاتی ہے بہار — شور ہے غل ہے قیامت ہے کہ آتی ہے بہار

حشمت :-

نام میر محمد علی ۔ پرانے لوگوں میں سے تھے ۔ ان کا شعر ہے :-

خط نے تیرے حسن سب گنوایا — یہ سبز قدم کہاں سے آیا

حضور :-

نام لالہ بال مکند کھتری دہلی کے رہنے والے تھے ۔ خواجہ میر درد کے شاگرد تھے ۔

عربی میں کسی قدر واقفیت رکھتے تھے۔ اُن کا کلام یہ ہے:۔

نہ پاؤں میں جنبش نہ ہاتھوں میں طاقت — جو ہاتھ کھینچوں میں دامن اس دلربا کا
سر راہ بیٹھے صدا ہے یہ اپنی — کہ اللہ یاور ہے بے دست و پا کا

یہ جو چشم پر آب ہیں دونوں — ایک خانہ خراب ہیں دونوں

یاں مجھی میں نہیں ہے جاں باقی — وہاں اب بھی ہے امتحاں باقی

جفا کو تم وفا سمجھے ستم کو ہم کرم سمجھے — ادھر کچھ دل میں تم سمجھے ادھر کچھ دل میں ہم سمجھے

حفیظ:۔

(متوفی ۱۲۵۰ھ) نام محمد حفیظ۔ دہلی والوں میں سے تھے۔ شعر میں اصلاح حکیم قدرت اللہ خان قاسم سے لیتے تھے۔ ان کے مرثیہ خوانی کا طرز بہت پسندیدہ تھا۔ اور شہر بھر میں مشہور تھا۔ ایک سال سے کم ہوا کہ وفات پائی۔ ان کا کلام یہ ہے:۔

محبت آہ کیا کیا رنگ عاشق کو دکھاتی ہے — اگر اک دم ہنساتی ہے تو پھر برسوں رلاتی ہے

روبرو غیروں کے شکوہ کیا کروں میں آپ کا — ہو رہیں گے پھر کبھو باتیں ہماری آپ کی

حقیقت:۔

(متوفی ۱۲۶۰ھ) نام میر شاہ حسین۔ اصل وطن بلخ تھا۔ ان کی ولادت بریلی میں ہوئی اور نشو و نما لکھنؤ میں۔ فن شعر قلندر بخش جرأت سے حاصل کیا۔ ان کے اشعار نقل کرنے کا کام بھی ان سے متعلق تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

کیا ترے عشق میں اے عربدہ جو ہاتھ لگا — زیست سے ہاتھ بھی دھویا پہ نہ تو ہاتھ لگا

دل اب دونوں جل کاٹیں گے اوقات آہ و زاری میں
ہوئے بیمار ہم بھی لے تری تیمار داری میں

حکیمؔ :-

نام محمد اشرف خاں ولد حکیم شریف - اپنے والد کے مثل ایک بے مثل طبیب تھے - علاج معالجہ میں ماہر تھے اور مشہور علوم سے واقف تھے - ابھی ان کی وفات کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا - ان کا کلام ہے :-

میرے رونے نے مجھ کو اس سے کھویا	مجھے اس دیدۂ تر نے ڈبویا
کھوں میں کیا بہ رنگ زخم ناسور	ہنسا یک بار گر سو بار رویا

حکیمؔ :-

نام محمد پناہ خاں ولد سید محمد شریف خاں - جو رنجش شاہ کے نام سے مشہور تھے - خواجہ میر دردؔ - المتخلص بہ دردؔ کے شاگرد تھے - جب شاعری شروع کی تو تخلص نثارؔ نظم کرتے تھے - اور آخر میں فن طب کی مہارت کی بناپر تخلص بدل کر حکیمؔ رکھا - لوگوں کا بیان ہے کہ تاریخ اور موسیقی میں کافی آگاہی رکھتے تھے اور موسیقی کے آخری فنوں میں بہت سلیقہ رکھتے تھے - نمونۂ کلام یہ ہے :-

پوچھتے کیا ہو حکیمؔ جگر افگار کا گھر	ایک تکیہ سا ہے اس شوخ کی دیوار کے پاس
کہتے ہیں حکیمؔ آیا میخانے سے مسجد میں	ہم کو تو تعجب ہے وہ گر مسلماں ہو
تیرے لیے خلق در بہ در ہے	اے خانہ خراب تو کدھر ہے
ہم ہی صنم کے غم میں نہ ایماں سے گئے	کتنے ہی بندگانِ خدا جاں سے گئے
ہم تو کیوں کر کہیں کہ بوسہ دو	گر عنائت کرو عنائت ہے

ہے رشک دستۂ گل کیوں یہ آستیں تیری
سر شک خون تبا کس کے اس سے پاک ہوئے

حقیر:۔

نام میر امام الدین۔ میر کلو کے نام سے مشہور تھے۔ جہاں آباد کے رہنے والے تھے طبیعت میں ظرافت اور شاعری سے مناسبت تھی۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

ہوں ہست و نیست عالم تصویر کی طرح — گویا ہوں اور خموش ہوں زنجیر کی طرح
دل میں ہے بیٹھ رہیں در پہ صنم کے ہی حقیر — راہ کعبہ کی تو آتی ہے نظر دور ہمیں
یاد میں اس بت کافر کی ہوں ایسا مصروف — کہ خودی بھول گئے۔ بلکہ خدائی مجھ کو
پامال ہوئے ہم تو حقیر آہ جہاں میں — جوں نقش قدم یار کے قدموں سے بچھڑ کر

حیرت:۔

نام میر مراد علی۔ مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ تجارت کی غرض سے کوہستان گئے وہیں انتقال ہوگیا۔ ان کا شعر ہے:۔

کہاں ہے شیشۂ مے محتسب خدا سے ڈر — مرے بغل میں جھلکتا ہے آبلہ دل کا

حیرت:۔

نام غلام فخر الدین۔ میر منو کے پوتے تھے۔ جن کے نانا کا نام اعتماد الدولہ قمر الدین خاں تھا۔ کالپی میں قیام تھا۔ دو شعر ان کے مل سکے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

ہم اس بزم سے یوں پر ارمان نکلے — جوانی میں جس طرح سے جان نکلے
یہ ستم دیکھوں میں کن آنکھوں سے اے غیرت عشق — ایک عالم اسی کوچے کا تماشائی ہے

حیرت:۔

(متوفی ۱۲۲۷ھ) نام پنڈت اجودھیا پرشاد کشمیری لکھنوی قلندر بخش جرأت

کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا ایک مختصر دیوان اور چند مثنویاں ہیں۔ جن کو میں نے دیکھا ہے۔ فن موسیقی کے ماہر تھے اور تیر اندازی کا فن بھی جانتے تھے۔ زیادہ تر لکھنؤ اور لکھنؤ جہان آباد میں قیام رہتا تھا۔ سنہ ۱۲۳۳ھ میں جب کہ ان کی عمر پینتیس سال کی تھی۔ وفات پائی۔ ان کا شعر ہے:۔

ہوا ممنون احساں خوب اپنی ناتوانی کا — یہ رنگ نقش پا اس کی گلی سے اٹھ نہیں سکتا

حیران:۔

نام میر حیدر علی۔ پیدائش جہان آباد میں ہوئی۔ زیادہ تر مشرقی ممالک میں رہے۔ سرب سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ شاعری کے غرور نے اُن کا دماغ خراب کر دیا تھا۔

ضلع بہار میں قتل کر دیئے گئے اور قاتل بھی مار ڈالا گیا۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

دم نکلتا ہے اب کوئی دم میں — بیٹھ جا کچھ نہیں رہا ہم میں

میں نے حیراں کو جو دیکھا روتے — ق — بن گئی دو دیکھنے کی گھات مری

ان کی خدمت میں ادب سے میں نے — عرض کی دیکھ کرامات مرے

میں نہ کہتا تھا کہ دل آپ نہ دیں — بندگی قبلۂ حاجات مرے

گذر کرتا ہے بھولے سے ہماری خاک پر گر وہ — کھڑا دو سواس سے دور و پھر دامن جھٹکتا ہے

جب کہا میں نے میرے گھر چلیے — ق — اس میں کچھ کم نہ ہو گی محبوبی

تیوری کو چڑھا لگا کہنے — رسم و راہ ادب تو سب ڈوبی

مجھ سے کہتا ہے میرے گھر چلیے — دیکھیے اختلاط کی خوبی

حیدر:۔

نام حسام الدین۔ یہ شعر ان سے حاصل کیا گیا:۔

ملک خصال پری وش فرشتہ جو کہتا — مجال تھی کہ سگ یار کو میں تو کہتا

حیدر

نام میر حیدر علی خاں۔ لاہور میں ولادت ہوئی۔ شیخ عبدالقادر کی اولاد سے تھے
ان کا کلام ہے:۔

ارادہ ہے بے ڈھب کچھ اس چشم تر کا — خدا حافظ آج اپنے دیوار و در کا
بے سنگ وخشت مجھ پر ہر خاص و عام نکلا — بارے جنوں کے دولت اپنا یہ نام نکلا

حیرت:۔

نام میر چراغ علی۔ لکھنؤ کے رہنے والے اور میر شیر علی افسوس کے شاگردوں
میں سے تھے۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

جس کی ہر اک امید مبدل بہ یاس ہو — کیا اس مریض عشق کے جینے کی آس ہو
ہے اپنے تو نزدیک و فا خوب ولیکن — ہو لطف جو تیری بھی طبیعت ادھر آوے

حرف الخاء

خاکسار :-

نام محمد یار۔ قبل سنہ ۱۱۹۰ھ وفات) ۔ اس مقام پر جو قدم شریف کے نام سے مشہور ہے ایک قطعہ مکان ۔ بنوایا اور وہاں بہت اطمینان سے بسر کرتے تھے ۔ وہ ایک ایسے سید تھے جن کا دل دردمند اور غمزدہ تھا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ابتدائے شباب میں امرد پرستی کی طرف مایل تھے اور حسینوں پر نظر رکھتے تھے اور جو کوئی اُن کا منظور ہوتا تھا تعلقات دنیوی کو چھوڑ دیتا تھا۔ میر تقی کے ہم عصر تھے ۔ ان کا کلام :-

ترے باغباں کا یہ دیکھا سلیقہ — کہ نہ نرگس کو بویا نہ بوئیں یہ آنکھیں

تیغ قاتل سے رہے محروم بلا تقصیر ہم — روز محشر کو اٹھیں گے اس لیے دلگیر ہم

خاکی :-

نام حیدر بیگ ——————— ان کا خاندان بدخشاں کا تھا۔ عرصہ ہوا کہ دکن چلے گئے ۔ سپاہی پیشہ آدمی ہیں ۔ ان کا شعر ہے :-

ہم عشق بھی سیکھیں اگر استاد ہو کوئی — دل تو ہی بتا دے تجھے گر یاد ہو کوئی

خادم

——————— یہ صاحب مضافات صوبہ سرہند کے تھے ۔ ان

کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

عاشق ہوا ہوں اک بت بالا بلند پر　　صد آفریں ہے میری بھی عالی پسند پر
اس کے ہاتھوں اک جہاں ویران ہے　　چشم ہے میری کوئی طوفان ہے

خادم:۔

---------- یہ تخلص پانی پت کے رہنے والے ایک صاحب کا ہے۔ تذکرہ نویسوں نے ان کا نام نہیں لکھا ہے۔ اور یہ شعر ان کے نام سے درج کیا ہے:۔

رات بھر ماتم پروانہ میں روتی ہے شمع　　اشک سے داغ جگر اپنے کو دھوتی ہے شمع

خادم:۔

نام خادم علی خاں۔ ز ---------- ' فرخ آباد کے رہنے والے تھے۔ نواب ناصر جنگ بنگش کے استاد تھے جو اس شہر کے حکام میں سے تھے اور اسی لیے ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ زبان فارسی میں صاحب دیوان تھے۔ میری نظر سے یہ دیوان نہیں گذرا۔ ان کا شعر ہے:۔

مجھ کو کہتے ہو کہ چل باہر ہو　　آپ کے کہنے سے کب باہر ہوں

خان:۔

نام محمد خان ----------) دکن کے لوگوں میں سے ہیں کسب معیشت کے سلسلے سے دہلی گئے۔ سعادت یار خاں، المتخلص بہ رنگیں کے شاگرد تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

یاد جس وقت تری آتی ہے مجھ کو ہچکی وہیں لگ جاتی ہے

خاںؔ:-

نام اشرف خاں ——— دہلی کے ہیں۔ لیکن پھر لکھنؤ چلے گئے تھے اور قیام لکھنؤ کے زمانہ میں مشاعرے منعقد کرتے تھے۔ غلام ہمدانی مصحفی کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کا شعر ہے:۔

اے خاںؔ غم فراق میں تم زہر کھا مرو اس کے سوا نہیں کوئی تدبیر دوسری

خردؔ:-

نام نواب فخر الدین خاں۔ والد کا نام نواب شرف الدین محمد خاں تھا جو تنخواہ تقسیم کرنے کے عہدہ پر مامور تھے۔ بہت عمدہ عادات و خصائل کے انسان تھے۔ فارغ البالی کے ساتھ، دوسروں کے معاملات میں دخل دیئے بغیر، نیکی اور بھلائی سے زندگانی بسر کرتے تھے۔ وہ ایسے شخص تھے کہ جن کی نظر میں اورین لباس اور پھٹے پرانے کپڑوں کی کی وقعت ایک سی تھی۔ اور جن کی نظر میں موتی اور پتھر کی قیمت ایک ہی تھی۔ ابتدائی عمر میں شعر کا شوق تھا۔ لیکن اب ان کی عمر ایسی ہے کہ شاعری نہیں کرتے۔ اصرار پر اُس کلام میں سے جو انھوں نے زمانۂ گزشتہ میں کہا تھا۔ کچھ اشعار لائے تھے جن کے انتخاب پر قناعت کی گئی۔ میرے دیوان کی تاریخ ایسی عمدہ کہی ہے۔ جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ اور اس تذکرہ کی بھی تاریخ کہی ہے جو اپنے مقام پر درج ہوگی۔ لیکن وہ تاریخ جو انھوں نے اور دیوان کی کہی ہے۔ وہ بے حد عمدہ اور پسندیدہ ہے اور میرے مسودات کی بیاضوں کا تعلق اس سے ہے۔ ان کے مختصراً دو شعر لکھتا ہوں وہ یہ ہیں:۔

ہماری ان کی صحبت آہ ابر و برق کی سی ہے ہم ان کو دیکھ کر روتے ہیں اور وہ ہم پر ہنستے ہیں

لبوں پہ جان ہے جلدی کہیں نہ پہنچے ظالم — یہ آرزو ہے کہ دم تیرے رو بہ رو نکلے

خستہ

نام محمد عبداللہ خاں ——————— میر جیون کے نام سے مشہور ہیں۔ کشمیرالاصل تھے۔ ان کی پیدائش جہان آباد میں ہوئی تھی۔ ان کے والد مجدالدولہ عبدالاحد خاں مرحوم کی سرکار سے متعلق تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

سایہ ساں پہنچے تو تھے پاؤں تلک گر پڑ کر — اس نے دامن کو بھی پر ہاتھ لگانے نہ دیا

خستہ:۔

نام غلام قطب ——————— سید محمد کرمانی قدس اللہ سرہ العزیز کی اولاد میں سے تھے۔ جن کا شمار مزار کثیرالانوار سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے زمرۂ خدام میں ہوتا تھا۔ بہوری خاں آشفتہ سے فن شعر حاصل کیا۔ ان کا شعر ہے:۔

جلوہ اس مہ نے جو ناگاہ لب بام کیا — روز خورشید درخشاں کا وہیں شام کیا

خشتو:۔

ان کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔ ان کا یہ شعر نظر سے گزرا ہے،

ہو غریق رحمت پروردگار — آج ساقی کا پیالہ ہو گیا

خلق:۔

میر احسن کے نام سے مشہور تھے۔ والد کا نام میر حسن تھا۔ مثنوی سحرالبیان جو کہ مثنوی بدر منیر کے نام سے مشہور ہے ان کی کہی ہوئی ہے۔ انھوں نے فن شعر اپنے

اپنے والد سے حاصل کیا۔ ان کا کلام ہے:۔

عجب عالم میں بے ہوشی کی وہ مجھ کو نظر آیا — کہ اتنا بھی نہ آیا ہوش جو پوچھوں کدھر آیا

بے قراری میں کٹی رات تو یاں اپنے تئیں — چین سے زلف میں دل کیونکر رہا ہووے گا

دل لگانے تو لگایا یہ نہ تھا یہ معلوم — جی پہ کیا گذرے گی اور جان پہ کیا ہووے گا

خلیق:۔

نام میر مستحسن (متوفی ۱۸۵۶ء تقریباً) یہ میر احسن خلیق کے چھوٹے بھائی تھے۔ اور اس فن میں اپنے بڑے بھائی سے بڑھ گئے تھے۔ مصحفی نے ان کو اپنے شاگردوں میں شمار کیا ہے انھوں نے اکثر واقعہ کربلا کے متعلق مراثی نظم کیے ہیں۔ ان کا نمونۂ کلام یہ ہے:۔

رشک جو چشم خونفشاں سے گرا — تھا ستارہ کہ آسماں سے گرا

ہنس دیا یار نے جو رات خلیق — کھا کے ٹھوکر اس آستاں سے گرا

غفلت میں فرق اپنی تجھ بن کبھو نہ آیا — ہم آپ میں نہ آئے جب تک کہ تو نہ آیا

کہا میں نے ہوا اے گل کچھ وفا کر — تو وہ ہیں ہنس پڑا وہ کھل کھلا کر

کس کے خرام ناز کا پامال ہوں خلیق — لگتی ہے چوٹ دل کو مرے ہر قدم کے ساتھ

خنداں:۔

خنداں تخلص کے ایک شاعر تھے۔ اُن کا شعر ہے:۔

گردش چشم پہ تری جب کہ نگاہ کیجیے — خانۂ دل کو اپنے ہاتھ آپ تباہ کیجیے

خود غرض:۔

فرخ آباد کے شاعروں میں سے ایک صاحب تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

بند قبا کو کھوں کے گلشن میں تو نہ جا | ہووے نہ گل گلے کا کہیں ہار دیکھنا

خیالؔ :-

نام غلام حسن خاں - ان کے بزرگ صاحب مرتبہ لوگ تھے۔ بزرگ اللہ خان المتخلص بہ برکت جو فارسی میں شاعری کرتے تھے، ان کے چچا تھے۔ اپنے کلام میں اصلاح اپنے چچا سے لیتے تھے۔ جن کے دو دیوان موجود ہیں اور جن میں قریب ایک لاکھ کے اشعار ہیں۔ جو کچھ میں ان کے کلام سے انتخاب کر سکا وہ یہ ہے :-

تجھے تو غیر کو منظور منہ دکھانا تھا | نقاب کھولنا گرمی سے اک بہانا تھا
جھلک ایسی کوئی دکھلا گیا ہر پارہ غرفے میں | کہ جوں چلمن مشبک رہ گیا نظارہ غرفے میں
پھر نئے سر سے ہوا خانۂ مجنوں آباد | پاؤں جب ہم نے دھرا آن کے ویرانے میں
حاضر ہیں ہم تو آؤ شمشیر کیں نکالو | جو دل کی آرزو ہے اس کو کہیں نکالو
جرعہ افشاں ہو ہماری خاک پر غافل کبھی | ہم بھی اے ساقی تری مجلس کے میخواروں میں تھے
مژگاں کی یہ کاوش نہیں ناوک فگنی ہے | ابرو کی اشارت نہیں شمشیر زنی ہے
تیرا شگفتگی پہ دل آیا ہے اے خیالؔ | اے غنچۂ فسردہ تجھے بھی ہوا لگی

حرفِ دال

داغ

نام میر مہدی - میر سوزؔ کے بیٹے تھے - یہ ایک خوبصورت جواں آدمی، عمدہ اخلاق وعادات کے ہیں - باوجود ان خوبیوں کے افسردہ دلی طبیعت پر غالب ہے - وہ خود بھی زخم خوردہ ہیں اور دوسروں کے دلوں کو بھی پامال کرتے ہیں - خود بھی دام محبت میں گرفتار ہیں اور دوسروں کو بھی اپنی محبت میں گرفتار کیے ہوئے ہیں - نمونۂ کلام یہ ہے :-

ازجاں رمقی بود کہ مکتوب تو آمد   دیگر چہ نویسم خبرم خوب گرفتی

اسی کے پاس تھا دل کیا ہوا اسے ہمنشیں دیکھو   ادھر دیکھو ادھر دیکھو یہیں دیکھو کہیں دیکھو

اسی کے پاس ہے رہ کے یہ جو مسکراتا ہے   اسی کی جیب دیکھو ہاتھ دیکھو آستیں دیکھو

پکڑنا چور کا مشکل نہیں گر کچھ سمجھ ہو دے   ہوائی رنگ دیکھو ماہتابی سی جبیں دیکھو

داراؔ

نام دارا بخت بہادر - مرزا ولی عہد بہادر المتخلص بہ ظفرؔ کے فرزند ارجمند ہیں - ان کا شعر ہے

کسی کی چشم سے گوں کا تصدق ہم کو ہے داراؔ   قدم اٹھتا نہیں بے لغزش مستانہ رکھتے ہیں

داناؔ

نام میر فضل علی - دہلی کے لوگوں میں سے تھے اور میر شرف الدین المتخلص بہ مضمونؔ کے

شاگرد تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

دل میں ہر ایک کے سودا ہے خریداری کا　　یوسف مصر گر تو ہی ہے اے یار عزیز

داؤد

یہ پرانے لوگوں میں سے ایک صاحب تھے۔ ممکن ہے کہ نام و تخلص دونوں ایک ہی ہوں ان کا شعر ہے:۔

چاندنی کی سیر کو کس طور نکلے وہ صنم　　دیکھنے مہ کا تماشا آفتاب آتا نہیں

دردمند

نام کریم اللہ خان۔ عمدۃ الملک کے عزیزوں میں سے تھے۔ شاہ عالم بادشاہ کے عہد حکومت میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

کنارے سے کنارہ کب ملے ہم بحر کا یارو　　پلک لگنے کا مضمون دیدۂ پر آب کیا جانے

درد

(۱۱۹۹ھ ۱۷۸۵ء) نام خواجہ میر علیہ الرحمہ۔ خواجہ محمد ناصر المتخلص بہ عندلیب کے بیٹے تھے۔ یہ شیخ بہاء الدین قدس سرالله بہاالنقش بند کے متعلقین میں سے تھے۔ طبقہ صوفیا میں سے تھے۔ بہت سے کمالات صوری و معنوی کے حامل تھے۔ جن کا بیان تحریر میں نہیں ہو سکتا۔ ان کی ایک ایک خوبی ایسی ہے جس پر دفتر کے دفتر تحریر کیے جا سکتے ہیں۔ شاعری میں بھی ان کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کے کلام میں پستی اور غلطیاں نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ نظم میں بلاغت فصاحت کے دریا بہاتے ہیں۔ ان کا دیوان نظر سے گزرا ہے۔ وہ بھرتی کے اشعار سے پاک ہے۔ ان کے اکثر اشعار میں بلند مطالب اور دلکش مضامین کو نظم کیا گیا ہے

فن موسیقی بہت اچھا جانتے تھے۔ تاریخ یوم جمعہ ۲۴ صفر صدائے «یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ» کان میں آئی اور یہ تھا ۱۱۹۹ھ ۔ یہ اشعار ان کے دیوان سے انتخاب کر کے اس کتاب میں درج کئے گئے :

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا ۔۔۔ پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا

بھول جا چپ رہ عبث وہ سابقے مت یاد کر ۔۔۔ دردؔ یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا

ان لبوں نے نہ کی مسیحائی ۔۔۔ ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا ۔۔۔ میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر ۔۔۔ میں نے تو در گذر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا ۔۔۔ بس ہجوم یاس، جی گھبرا گیا

آنے کو تھی اجل کی طرف سے ہی ورنہ میں ۔۔۔ اک عمر سے اسیر ہوں زلف دراز کا

نالۂ دل کا اثر دیکھ لیا دردؔ بس ۔۔۔ جی میں نہ رہ جائے یہ آہ بھی کر دیکھنا

کی تو تھی تاثیر آہ آتشیں نے اس کو بھی ۔۔۔ جب تلک پہنچے ہی پہنچے راکھ کا یاں ڈھیر تھا

جفا سے غرض امتحان وفا ہے ۔۔۔ تو کہہ کب تلک آزماتا رہے گا

اس نے قصداً بھی میرے نالے کو ۔۔۔ نہ سنا ہو گا گر سنا ہو گا

ہے کچھ خبر تجھے بھی کہ اٹھ اٹھ کے رات کو ۔۔۔ عاشق تری گلی میں کئی بار ہو گیا

پھرتی ہے میری خاک صبا در بدر لیے ۔۔۔ اے چشم اشکبار یہ کیا تجھ کو ہو گیا

گر ہیں یہی ڈھنگ تیرے ظالم ۔۔۔ دیکھیں گے کوئی وفا کرے گا

مثل نگیں جو ہم سے ہوا کام رہ گیا ۔۔۔ ہم رو سیاہ جاتے رہے نام رہ گیا

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی ۔۔۔ افتادہ ہوں پر سایۂ قد کشیدہ ہوں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں ۔۔۔ دل ہی نہیں رہا ہے کہ کچھ آرزو کریں

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو ۔۔۔ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

دامن دشت ہے پر لالہ و گل سے یارب
خون عاشق بھی کہیں ہووے بہار دامن

نزع میں تو ہوں ولے تیرا گلہ کرتے نہیں
دل میں ہے وہی وفا پر بھی وفا کرتا نہیں

کرتا ہوں پس مرگ بھی حل مشکل عالم
بے حس ہوں پہ ناخن کی طرح عقدہ کشا ہوں

تو مجھ سے نہ رکھ غبار جی میں
آئے بھی اگر ہزار جی میں

ہر چند نہیں صبر تجھے درد و لیکن
اتنا بھی نہ ملیو کہ وہ بدنام کہیں ہو

نہیں شکوہ مجھے کچھ بے وفائی کا تری ہرگز
گلہ تب ہو اگر تونے کسی سے بھی نباہی ہو

ہر طرح زمانے کے ہاتھوں ہوں ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ خاطر ہوں تو رنجیدہ

کاش تا شمع نہ ہوتا گذر پروانہ
تم نے کیا قہر کیا بال و پر پروانہ

اہل فنا کو نام سے ہستی کی ننگ ہے
لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

یارو مرا شکوہ ہی بھلا کیجیے اس سے
مذکور کسی طرح تو جا کیجیے اس سے

خدا جانے کیا ہوگا انجام اس کا
میں بے صبر اتنا ہوں وہ تند خو ہے

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

کبھو ہنسنا کبھو رونا کبھو حیران ہو رہنا
محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے

دل بھی تیرے ہی ڈھنگ سیکھا ہے
آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

نہ ملیں گے اگر کہے گا تو
تیری خاطر ہمیں مقدم ہے

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے
جوں صدا نکلا ہے جائے خانۂ زنجیر سے

سب برا کہتے ہیں تو کہنے دو
بات لاتے ہو تم بھلی ایسی

اگلے معانقہ کو اگر کیجیے معاف
لگ جاؤں اب گلے سے مکافات کے لیے

درد اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
جو سانس بھی نہ لے سکے تو آہ کیا کرے

اس طرح سے یک لخت بہا آنسو نہیں تھمتے
معلوم ہوا درد کہیں آنکھ لڑی ہے

تیری گلی میں نہ چلوں اور صبا چلے
یوں ہی خدا جو چاہے تو بندے کا کیا چلے

کہہ بیٹھیو نہ درؔد کہ اہل وفا ہوں میں　　اس بے وفا کے آگے جو ذکرِ وفا چلے

دل بھلا ایسے کو اے دردؔ نہ دیجے کیوں کر　　ایک تو یار ہے اور تسپہ طرحدار بھی ہے

یہی پیغام دردؔ کا کہنا　　گر صبا کوئے یار میں گذرے

کون سی رات آن ملیے گا　　دن بہت انتظار میں گذرے

روندے ہے مثلِ نقشِ قدم خلق یاں مجھے　　اے عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

دریؔغ

نام سید زین العابدین سیف الدولہ سید رضی خاں کے نواسوں میں سے ہیں۔ اصلاحِ سخن شاہ نصیر سے لیتے ہیں:۔

یوں وہ بولا دیدۂ تر دیکھ کر دو چار کے　　ڈوبتے مجھ کو نظر آتے ہیں گھر دو چار کے

درویؔش

نام میر شاہ علی۔ ان کا سلسلہ نسب شاہ اللہ دیا تک پہنچتا ہے جو عالی مقام مشائخ میں سے تھے۔ متداولہ علوم کسی حد تک حاصل کیے اور استاد سے رسمی فنون سیکھے۔ اور ابتدائے شباب میں شعر گوئی شروع کی۔ میر نظام الدین المتخلص بہ ممنون سے شاعری کے بارے میں مشورہ کرتے تھے۔ ان کا کلام یہ ہے۔

درویؔش کو مجنوں بھی لکھا کرتا تھا عرضی　　اس مملکتِ عشق میں سلطان سمجھ کر

ایک شب بیٹھے تھے جس گھر میں کبھی یار سے مل　　روز روتے ہیں وہاں کے در و دیوار سے مل

دلؔ

نام مولوی شمس الدین۔ صابرین و شاکرین میں سے تھے۔ احکامِ شرعیہ کے پابند تھے

اور جو باتیں منع ہیں ان سے سخت نفرت کرتے تھے۔ اس شہر میں کافی نیک مشہور تھے۔
ان کا شعر ہے۔

صبح ہو آئی ہے اور رات چلی جاتی ہے — تیری اب تک بھی وہی بات چلی جاتی ہے

دلؔ

نام زور آور خان۔ سرکار کول کے رہنے والے تھے۔ ان کا ایک ضخیم دیوان اور متعدد مثنویاں ہیں۔ جن کو میں نے نہیں دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ ان کے بیٹے عنایت حسین خاں نے ان کی ایک مثنوی میرے سامنے پڑھی تھی۔ یہ اشعار تذکروں سے انتخاب کیے گئے ہیں۔

مت پھرا سر مرا اے ناصح جاہل آ کر — پھر بھی جاتا ہے نصیحت سے کہیں دل آ کر
کیا سینے کو وا کس نے لگائی آگ گلشن میں — عیاں ہیں داغ حسرت لالۂ احمر کی چھاتی پر
فاتحہ کو عربستان سے جو زوار آئے — لائے تربت پہ مرے وادیٔ مجنوں کی گل
ساقی نے جو پلایا مجھے میں نے پی لیا — زاہد تجھے خبر ہے حلال و حرام کی

دلؔ

آزاد خاں نام۔ نومسلم تھے۔ ان کا شعر ہے۔

یہ تماشا ہے کہ قاصد کو ملے ہے دشنام — خط کا انعام گیا نامہ و پیغام گیا

دلؔ

نام دیبی پرشاد۔ مرشد آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کا ایک شعر ہے۔

امید وصل اس سے عبث تو رکھے ہے دل
جس سے کہ رسم نامہ و پیغام بھی گیا

دلخوش :-

نام بہادر سنگھ۔ قوم کھتری ۔ راجہ خوشحال رائے کے پوتے تھے، جو محمد شاہ بادشاہ کے عہد حکومت میں بڑے لوگوں میں سے تھے۔ ان کا شعر ہے :۔

ہوں ترے ہجر میں جوں دیدۂ نرگس حیراں   چشم پوشی نہ کر آ اپنے گنہگار سے مل

دلیر :-

نام دلیر شاہ - یہ عظیم آباد کے ایک درویش تھے ۔ اُن کا ایک شعر ہے :۔

پھر بھی یارب وہ کبھو دن رات ہو   یار ہوئے ہو گلے میں ہاتھ ہو

دلسوز :-

خیراتی خاں نام۔ افغانی النسل اور قصبہ ٹپل کے رہنے والے تھے ۔ شاہ نصیر جہان آبادی کے شاگردوں میں سے تھے ۔ نواب ظفریاب خاں کی خدمت میں رہتے تھے اور ہمیشہ . . . شغل میں بسر کرتے تھے ۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ جے پور میں وفات پائی - ان کا کلام یہ ہے :۔

ارادہ پائے بوسی کا تھا اے بیداد گر اپنا   گرا قدموں ہی پر تیری کٹا جس وقت سر اپنا

جگر فراق کے صدموں سے لالہ زار رہا   یہاں خزاں میں سدا موسم بہار رہا

تپ فراق کے بیمار کی جو دیکھی نبض   طبیب کو بھی کئی دن تلک بخار رہا

وہ تو کہتے ہیں راز دل اپنا   مت کسی اپنے یار سے کہنا

اور یاں دل کی بے قراری سے   روز دو تین چار سے کہنا

وہ منہ زلفوں سے ڈھانکے ہیں تو ہم آنسو بہاتے ہیں   وہ دن کو رات کہتے ہیں تو ہم تارے دکھلاتے ہیں

سب سہیں گے ہم اگر لاکھ برائی ہو گی　　پر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہو گی

رات تم اس طرف ہو آن پھرے　　دن مرے کچھ تو میری جان پھرے

دلگیر۔

نام میر حمایت اللہ خاں - والد کا نام عالم خان ۔ باپ کے زمانے سے نعمت خانہ کی داروغگی پر مامور رہے اور فہم و فراست میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے ۔ فن رمل میں مہارت رکھتے تھے ۔ اور ہیئت و نجوم کے نکات کو بھی سمجھتے تھے ۔ اس زمانے میں جب محافل مشاعرہ منعقد کرتے تھے، مجھ کو بھی یاد کیا کرتے تھے ۔ یہ اشعار ان کے ہیں

جس طرح ناک میں دم لایا ہے میرے یہ شیخ　　یا خدا اس کے بھی پیچھے یوں ہی شیطان پڑے

دلگیر سے تم چھپکے سے گر آن کے ملتے　　رسوائی ہر کوچہ و بازار نہ ہوتی

دولہن بیگم

ان کا حال مثل ان کے چہرہ کے پردۂ خفا میں ہے ۔ یہ دو شعر ان کے ہیں : ۔

بہا ہے پھوٹ کے آنکھوں سے آبلہ دل کا　　تری کی راہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا

جہاں کے باغ میں ہم بھی بہار رکھتے ہیں　　مثال لالہ کے دل داغدار رکھتے ہیں

دوست

نام معلوم نہیں ہو سکا - اعظم الدولہ نے ان کو فرخ آباد کے لوگوں میں شمار کیا ہے ان کا شعر ہے : ۔

روشِ گریہ مری چشم سے سیلاب نے لی
بے قراری دل بیتاب سے سیماب نے لی

دیوانہ

نام مرزا محمد علی خاں - بنارس کے رہنے والے تھے۔ سرکار انگریزی کے ممتاز عہدوں پر فائز رہے - اس وقت جبکہ وہ روشن الدولہ کو برک کے ہمراہ جو جہان آباد کے ناظم تھے اس شہر جہان آباد میں آئے ہوئے تھے۔ میرے ہمراہ بھی کھانے میں شرکت کی تھی - ان کے اشعار ہیں ،

اس کا آخر ادھر کلام ہوا
اپنا قصہ ادھر تمام ہوا

بتاؤ تو درست جنوں کیا کرو گے
گریباں میں جس دم نہ اک تار ہوگا

چلتے چلتے ایک دن دیوانہ بس اٹھ جائیں گے
جوں چراغ صبحدم ہم سینۂ سوزاں سمیت

آیا نہ بعد مرنے کے بھی وہ مزار پر
خاک اس کے پیچھے آپ کو ہم نے عبث کیا

میری سرگشتگی کو دیوانہ
پہنچے کب آسمان کی گردش

دیوانہ

(متوفی ۱۲۰۶ھ ۱۷۹۱ء) نام رائے سرب سنگھ۔ مشہور شاعروں میں سے ہیں مشرقی شہروں کے اکثر موزوں طبع اُن سے کسب فن کرتے تھے۔ ان میں جعفر علی حسرت اور میر حیدر علی حیراںؔ بھی شامل تھے۔ زیادہ تر فارسی میں کلام ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اردو میں بھی شعر کہتے تھے۔ یہ اشعار اُن کے ہیں۔

جان پر آ بنی ہمدم مری خاموشی سے
بات کچھ بن نہیں آتی ہے اب اظہار بغیر

دل ہے کہ تیری تیغ کے آگے سے ٹل نہ جائے
رستم کا کب جگر ہے کہ زہرہ پگھل نہ جائے

حرف الذال

ذاکرؔ:-

نام مرزا احمد بیگ - یہ صاحب جہان آباد کے رہنے والے تھے۔ مرزا رستم بیگ کے شاگرد تھے - ان کا شعر ہے:-

چھوڑ اسلام کو اور کھینچ کے قشقہ ذاکرؔ   طالب کفر ہوا اس بت عیار سے مل

ذرہؔ:-

نام مرزا رام ناتھ بہادر - حضور والا کے محکمۂ نظارت کی پیش کاری کے عہدہ پر مامور تھے - ان کا شعر ہے:-

ترے کوچے میں روز و شب پڑا پھرتا ہے یہ ذرہؔ   بجا ہے ایسے دیوانے کے مطلب کو روا کرنا

ذکاؔ:-

نام ذکاء اللہ خاں لکھنوی - نواب محبت خاں ابن حافظ رحمت خاں مرحوم کی اولاد میں سے تھے - اُن کی بزرگیاں اور نیکیاں اتنی ہیں کہ مجھے بیان کرنے کی ضرورت نہیں - ان کا شعر ہے:-

آہ کس طرح سے اس پردہ نشیں کو دیکھوں
اس کے گھر میں تو کوئی روزن دیوار نہیں

ذکاؔ :-

(متوفی ۱۲۶۶ھ ۱۸۴۹ء) نام خوب چند دہلوی قوم کالستھ شاہ نصیرؔ کے شاگرد تھے۔ ایک دن میرے ہمراہ تھے۔ کہا کہ میں نے اردو میں ایک تذکرہ لکھا ہے۔ جس کو میں نے نہیں دیکھا۔ ان کا کلام ہے:-

آسیا جب کہ چلے سر پہ ذکاؔ نیند کہاں
ہاتھ سے چرخ کے ڈھونڈے ہے تو آرام کہاں

ہلے ہے ابروئے دلدار دیکھیے کیا ہو
کہاں کہاں چلے تلوار دیکھیے کیا ہو

نقش پا خالق گیتی نے بنایا ہم کو
جس کے قدموں سے لگے اس نے مٹایا ہم کو

شرم سے ہوگئی پانی تری دولت سے جنوں
موج دریا بھی مرے پاؤں کی زنجیر کو دیکھ

ذوقؔ

(مولود ۱۱ر ذی حجہ ۱۲۰۴ھ ۲۲ اگست ۱۷۹۰ء دوشنبہ وفات شب چہارشنبہ ۲۴ صفر ۱۲۷۱ھ ۱۶ نومبر ۱۸۵۴ء) نام شیخ محمد ابراہیم دہلوی۔ جن کو خاقانی ہند کہا جاتا ہے۔ ان کی بلاغت کا طوطی بولتا ہے۔ اور فصاحت کا ڈنکا پٹا ہوا ہے۔ وہ اپنی رنگین خیالی سے لالہ و گل کی بے مثل منظر کشی کرتے ہیں اور دلوں کو مسخر کر لیتے ہیں۔ ان کا ہر مصرع فوری اثر کرتا ہے اور ہر شعر دلوں کو زخمی کرتا ہے۔ بہت عرصہ سے مشق سخن جاری ہے۔ اور وہ مرشد زادۂ آفاق مرزا ولی عہد بہادر کی سرکار میں بہت ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کو شاعری میں جتنی قدرت حاصل ہے اتنی اور کسی میں نہیں دکھائی دی۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب بسیار گو شاعر کے کلام میں رطب و یابس ہر طرح کے مضامین آجاتے ہیں۔ لیکن ان کے کلام میں بھرتی کی چیزیں بہت کم ہوتی ہیں۔ وہ تمام اصناف سخن پر بڑی قدرت رکھتے ہیں اور مسلم الثبوت شاعروں میں سے ہیں اور باوجود اس کے کہ ان کا کلام بہت زاید ہے انھوں نے اب تک اپنا دیوان نہیں مرتب کیا ہے۔ ان سے کبھی کبھی ملاقات ہوتی ہے۔ وہ ایک منتخب روزگار ہستی ہیں اور ان کا دم بہت غنیمت ہے

نمونۂ کلام یہ ہے :۔

چاندنی نے شب تجھ بن روپ یہ دکھایا تھا ۔۔۔ مجھ کو ماہتابی پر دھوپ میں بٹھایا تھا

ہم ہیں اور سایہ ترے کوچے کی دیواروں کا ۔۔۔ کام جنت میں ہے کیا ہم سے گنہگاروں کا

مجھ کو ہر شب ہجر کی ہونے لگی جوں روز حشر ۔۔۔ مجھ سے یہ کس دن کے بدلے آسماں لینے لگا

مذکور تیری بزم میں کس کا نہیں آتا ۔۔۔ پر ذکر ہمارا نہیں آتا، نہیں آتا

کہے ہے خنجر قاتل سے یہ گلو میرا ۔۔۔ کمی جو مجھ سے کرے تو پیے لہو میرا

لبوں پر جاں ہے عبث منتظر وہ شوخ کب آیا ۔۔۔ اگر جیلم کو بھی آیا تو ہم جانیں گے اب آیا

تامل کیجیے ذوق تپیدن دیکھتے کیا ہو ۔۔۔ کہ اب تک ذبح کرنے کا نہیں قاتل کو ڈھب آیا

ہاتھ تو اچھا پڑا تھا یار کی شمشیر کا ۔۔۔ زخم پر قسمت سے میری کارگر اچھا ہوا

لکھیے اسے خط میں کہ ستم اٹھ نہیں سکتا ۔۔۔ پر ضعف سے ہاتھوں میں قلم اٹھ نہیں سکتا

دل تو لگتے ہی لگے گا حوریان عدن سے ۔۔۔ باغ ہستی سے چلا ہوں ہائے پریاں چھوڑ کر

ٹھہری ہے ان کے آنے کی یاں کل یہ جا اصلاح ۔۔۔ اے جاں بہ لب آمدہ تیری ہے کیا صلاح

مجھ میں کیا باقی ہے جو دیکھے گا تو ان کے پاس ۔۔۔ بدگماں وہم کی دارو نہیں لقمان کے پاس

نہیں تدبیر کچھ بنتی پڑے سر کو پٹکتے ہیں ۔۔۔ نہ دل چھوڑے ہے اس کو اور نہ ہم دل چھوڑ سکتے ہیں

مر گئے پر بھی تغافل ہی رہا آنے میں ۔۔۔ بے وفا پوچھے ہے کیا دیر ہے لے جانے میں

خط پڑھ کے اور بھی وہ ہوا پیچ و تاب میں ۔۔۔ کیا جانے لکھ دیا اسے کیا اضطراب میں

وہ جنازے پر مرے کس وقت آئے دیکھنا ۔۔۔ جب کہ اذن عام میرے اقربا کہنے کو ہیں

ہاں تامل دم ناوک فگنی خوب نہیں ۔۔۔ ابھی چھاتی مری تیروں سے چھنی خوب نہیں

اس حور وش کا گھر مجھے جنت سے ہے سوا ۔۔۔ پرواں رقیب ہو تو جہنم سے کم نہیں

دیکھا دم نزع [illegible] دل آرام کو ۔۔۔ عید ہوئی ذوق وصل شام کو

عبث تم اپنا رکاوٹ سے منہ بناتے ہو ۔۔۔ وہ آئی لب پہ ہنسی دیکھو مسکراتے ہو

کھانے پینے کی قسم کھائی ہے تجھ بن ہم نے
ورنہ ہے زہر تو ہر طرح گوارا ہم کو

تو جان ہے ہماری اور جان ہے تو سب کچھ
ایمان کی کہیں گے ایمان ہے تو سب کچھ

رخصت اے زنداں جنوں زنجیر در کھڑکائے ہے
مژدہ خار دشت پھر تلوار مرا کھجلائے ہے

کون وقت ہے دلسئے گذرا جی کو گھبراتے ہوئے
موت پڑتی ہے اجل کو یاں تلک آتے ہوئے

وہ نہ جاگے رات ہم کو ضد ہے بخت خفتہ کا
بچ گیا آخر مگر زنجیر کھڑکاتے ہوئے

قطرہ قطرہ آنسو جس کے طوفاں شدت ہے
پارہ پارہ دل ہے جس میں تودہ تودہ حسرت ہے

قسمت برگشتہ دیکھو اک نگہ کی تھی ادھر
سو بھی آکر تا سر مژگاں حیا سے پھر گئے

زخمی میں ہوا ہوں تری دزدیدۂ نظر سے
جانے کا نہیں چور مرے زخم جگر سے

وہ اپنے سینے میں ہے آہ آتشیں لئے فوق
کہ برق دیکھے تو فی النار والسقر ہو جائے

نگہ کا وار تھا دل پر پھڑکنے جان لگی
چلی تھی برچھی کسی پر کسی کی آن لگی

الفت کا نشہ جب کوئی مر جائے تو جائے
یہ درد سر ایسا ہے کہ سر جائے تو جائے

کہتے ہیں لوگ موت تو سب جائے جائے ہے
پر میرے پاس اسے بھی کوئی کھائے جائے ہے

ذکر کچھ چاک جگر سینے کا سن سن اپنے
کرکے میں ضبط ہنسی دیکھوں ہوں ناخن اپنے

زخم دل پر کیوں مرے مرہم کا استعمال ہے
مشک اگر مہنگا ہے تو کیا خون کا بھی کال ہے

جوش گریہ کا مرے تم کچھ نہ پوچھو ماجرا
چادر آب رواں منہ پر مرے رومال ہے

زباں پیدا کروں جو آسیا سینہ میں پیکاں سے
دہن کا ذکر کیا یاں سر بھی غائب ہے گریباں سے

فلک کیا فتنہ سازی میں ہو ہمسر چشم فتاں سے
گرا تھا یہ بھی اشک سرمہ آلود اس کی مژگاں سے

یہاں تک ناتواں ہیں ہم گذر جائیں اگر جاں سے
اٹھائے مور لاشے کو ہمارے دشت مژگاں سے

اسی باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہے
کہ تا ہو جائے لذت آشنا تلخی دوراں سے

صراط عشق پر ازبسکہ ہے ثابت قدم میرا
دم شمشیر قاتل پر بھی خمل جاتا ہے جم میرا

موذیوں کو حق نہ دے آنکھیں کہ تا لاویں بلا
عین حکمت تھی کہ معدوم البصر عقرب بنی

اے غم مجھے تمام شب ہجر میں نہ مار
رہنے دے کچھ کہ صبح کا بھی ناشتا چلے

بس ہے غرور حسن زمین پر رکھے نہ پاؤں
مانند آفتاب وہ بے نقش پا چلے

نہ ہوا آب شہادت سے گلو تر نہ ہوا
مستعد جب وہ ہوا ہائے تو خنجر نہ ہوا

جل کے میں خاک ہوا تو بھی رہا دل مضطر
یہ وہ سیماب ہے کشتہ نہ ہوا پر نہ ہوا

ذوقؔ بیمار محبت ہے خدا خیر کرے
کہ یہ آزار ہوا جس کو وہ جاں بر نہ ہوا

اس نے مارا رخ روشن کی دکھا تاب مجھے
چاہیے جائے کفن چادر مہتاب مجھے

کل جہاں سے کہ اٹھا لائے تھے احباب مجھے
لے چلا آج وہیں پھر دل بیتاب مجھے

ہیں وہ مجنوں یوں کہ مجنوں بھی ہمیشہ خط میں
قبلہ و کعبہ لکھا کرتا ہے القاب مجھے

بے یار روز عید شب غم سے کم نہیں
جام شراب دیدۂ پرنم سے کم نہیں

دیتا ہے دور چرخ کسے فرصت نشاط
ہو جس کے پاس جام وہ اب جم سے کم نہیں

پی بھی جا ذوقؔ نہ کر پیش و پس جام شراب
لب پہ تو یہ ترے دل میں ہوس جام شراب

مجھ کو اس بوسۂ دنداں نے پس از بوسۂ لب
دیے نقل نمکیں چند پس جام شراب

ترے کوچے کو وہ بیمار غم دار الشفا سمجھے
اجل کو جو طبیب اور مرگ کو اپنی دوا سمجھے

نگہ کیا اور مژہ کیا ہم تو دونوں کو بلا سمجھے
اسے تیر قضا اس کو پر تیر قضا سمجھے

ستم کو ہم کرم سمجھے جفا کو ہم وفا سمجھے
اور اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو اس بت سے خدا سمجھے

ہر اک گردش میں سو انداز ناز فتنہ زا سمجھے
فلک کو ہم کسی کافر کے چشم سرمہ سا سمجھے

تصور کس طرح بھولے ترا اس چشم گریاں کو
نکالے مینہ برستے میں کوئی کیا گھر سے مہماں کو

نکالوں کس طرح سینے سے اپنے تیر جاناں کو
نہ پیکاں دل کو چھوڑے ہے نہ دل چھوڑے ہے پیکاں کو

دانہ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہم کو
آئے ہے جز میں نظر کل کا تماشا ہم کو

ہم وہ مجنوں ہیں کہ دل اپنا ہے صحرا ہم کو
اور جوں خیمۂ لیلیٰ ہے سویدا ہم کو

کس سے تدبیر درستی ہو ہماری جوں زلف
کہ شکستوں سے بنایا ہے سراپا ہم کو

جا بہ جا نام تو جوں نقش قدم چھوڑ گیا
خاک گم ہو کے گیا ڈھونڈنے عنقا ہم کو

اثر کفر ہے طاعت سے بھی اپنے پیدا
نقش سجدے کا ہے پیشانی پہ ٹیکا ہم کو

اپنا ہے کعبۂ مقصود و فقط گوہر دل
طوف گرداب صفت چاہیے اپنا ہم کو

ایک دم عمر طبیعی ہے یہاں مثل حباب
فکر امروز ہے نہ ہے غم فردا ہم کو

اک حلاوت ہے عداوت میں بھی اس ظالم کی
کہ دیا زہر بھی جو اس نے تو میٹھا ہم کو

ذوق بازی گہ طفلاں ہے سراسر یہ زمین
ساتھ لڑکوں کے پڑا کھیلنا گویا ہم کو

مرتے ہیں تیرے پیار سے ہم اور زیادہ
تو لطف میں کرتا ہے ستم اور زیادہ

گھبرانا جو یاد آیا ترا ہو کے ہم آغوش
گھبرانے لگا سینے میں غم اور زیادہ

اس زلف کے مارے کی اگر خاک کو چاٹے
پیدا لب افعی سے ہو سم اور زیادہ

ہیں ترے رشک خط رخسار سے
دل میں آئینے کے جوہر خار سے

شرح فرط حسرت دیدار سے
جو نگہ ہے کم نہیں طومار سے

بعد مردن بھی خیال چشم فتاں ہی رہا
خاک پر روئیدہ میرے عشق پیچاں ہی رہا

پاؤں کب نکلا رکاب حلقۂ زنجیر سے
توسن وحشت ہمارا گرم جولاں ہی رہا

کب لباس دنیوی میں چھپتے ہیں روشن ضمیر
جامۂ فانوس میں بھی شعلہ عریاں ہی رہا

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز
کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

سب کو دیکھا اس سے اور اس کو نہ دیکھا جوں نگاہ
وہ رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

آگے زلفیں دل میں بستی تھیں اور اب آنکھیں تری
ملک دل اپنا ہمیشہ کافرستاں ہی رہا

حلقۂ گیسو میں دیکھی کس کے رخسارے کی تاب
شب مہ ہالہ نشیں سر در گریباں ہی رہا

مجھ میں اس میں ربط ہے گویا بہ رنگ بوئے گل
وہ رہا آغوش میں لیکن گریزاں ہی رہا

دین و ایماں ڈھونڈتا ہے ذوق کیا اس وقت میں
اب نہ کچھ دیں ہی رہا باقی نہ ایماں ہی رہا

مے ملا کر ساقیانِ سامری فن آب میں
کرتے ہیں جادو سے اپنے آگ روشن آب میں

زلف! فعی وش کو دھووے گر وہ پرفن آب میں
ہووے جائے موج پیدا مار رہ زن آب میں

چشمۂ آئینہ میں کب تر ہوا پائے نگاہ
اس طرح جاتے ہیں دیکھا پاک دامن آب میں

پھرتا ہے میل حوادث سے کہیں مردوں کا منہ
شیر سیدھا تیرتا ہے وقت رفتن آب میں

صحبت صافی دلوں سے ہوں مکدر تیرہ دل
زنگ سے آلودہ ہو جاتا ہے آہن آب میں

اب بھی گریہ سے نہیں فرصت مجھے فوارہ وار
گو کہ میں ڈوبا کھڑا ہوں تا بہ گردن آب میں

طاس قلیاں میں رکھا ہے اس نے ابر مردہ کو
ڈوب مر رو رو کے تو اب اے برہمن آب میں

دیکھنا آبی دوپٹہ منہ پر اس کے وقت خواب
برج آبی میں ہے مہ یا مہر روشن آب میں

میں وہ ہوں تفتیدہ دل کر جائے اک دریا کو جذب
گر پڑے گر ذرہ میری خاک مدفن آب میں

یوں رہا میں زندگی بھر تشنۂ دیدار یار
جیسے مستسقی کا دم ہوتا ہے مردن آب میں

سایۂ سرو چمن تجھ بن ڈراتا ہے مجھے
اژدہا بن بن کے شب اے رشک گلشن آب میں

وعدہ ہے آنے کا اس کے ابر کھل جائے تو آئے
ڈالتا ہوں دم بہ دم اٹھا اٹھا کے روغن آب میں

خط کو ہم لکھنے جو بیٹھے آنکھ سے اشک
بہہ گیا خط لکھتے لکھتے مشفق من آب میں

تیر چٹکی میں لیا اس نے پے جان عدد
رشک میرے دل میں کیا کیا چٹکیاں لینے لگا

نام لیلیٰ سن کے مجنوں کو جنبائی آ گئی
بید مجنوں دیکھ کر انگڑائیاں لینے لگا

مجھ کو ہر شب ہجر کی ہونے لگی جوں روز حشر
مجھ سے یہ کس دن کے بدلے آسماں لینے لگا

لے کے آئینہ جو دیکھی حسن کے اپنی بہار
اپنے بوسے آپ وہ غنچہ دہاں لینے لگا

حسن سے ہے تا دل آہن بھی گرم اختلاط
شمع کی گلگیر جب منہ میں زبان لینے لگا

موت اس کو یاد کرتی ہے خدا جانے کہ موت
یوں ترا بیمار غم جو ہچکیاں لینے لگا

رات کو اسے فوق اس کے نوک مژگاں کا خیال
تن پہ ہر موے مرے کار سناں لینے لگا

زندہ تو ڈوبے ہے اور تیرے ہے مردہ آب میں
بوجھ شاہد جسم کا کم ہے نفس کے بوجھ سے

مت لگا اے عشق دل کے آبلے پر نقش غم
ٹوٹ جائے گا یہ گنبد اس کلس کے بوجھ سے

باندھ دی ناقہ کی گردن میں دل نالان قیس ۔۔۔ بوجھ کم ہے اس کے اسے لیلیٰ جرس کے بوجھ سے
کہاں تلک کہوں ساقی کہ لا شراب تو دے ۔۔۔ نہ دے تو جام اٹھا کر کوئی کباب تو دے
کھلے ہے ناز سے گلشن میں غنچۂ نرگس ۔۔۔ ذرا دکھا اسے تو چشم نیم خواب تو دے
بلا سے آپ نہ آئیں پر آدمی ان کا ۔۔۔ تسلی آ کے مجھے وقت اضطراب تو دے
صبا بکوئے میں ہو کشتگان زلف کی خاک ۔۔۔ کہ بعد مرگ بھی معلوم پیچ و تاب تو دے
بلا سے کم نہ ہو گریہ سے میرا سوز جگر ۔۔۔ بجھا پر ان کی ذرا آتش عتاب تو دے
نشہ میں ہوش کسے جو گنے حساب کرے ۔۔۔ جو تجھ کو دینے ہیں بوسے بلا حساب تو دے
جواب نامہ نہیں گر تو رکھ دو نامۂ یار ۔۔۔ جو پوچھیں قبر میں عاشق سے کچھ جواب تو دے
رکھے ہے حوصلہ دریا کب اہل ہمت کا ۔۔۔ نہیں یہ اتنا کہ بھر کاسۂ حباب تو دے
خنک دلوں کی اگر مشک خاک دوزخ میں ۔۔۔ پڑے تو واقعی اک بار آگ داب تو دے
پہنچ رہوں گا سر منزل فنا اے ذوق ۔۔۔ مثال نقش قدم کرنے پا تراب تو دے
کب حق پرست زاہد جنت پرست ہے ۔۔۔ حوروں پر مر رہا ہے یہ شہوت پرست ہے
دل صاف ہو تو چاہیے معنی پرست ہو ۔۔۔ آئینہ خاک صاف ہے صورت پرست ہے
عنقا نے گم نشان کیا نام کے لیے ۔۔۔ گم گشتہ کون کہتا ہے شہرت پرست ہے
یہ ذوق مے پرست ہے یا ہے صنم پرست ۔۔۔ کچھ ہے بلا سے لیک محبت پرست ہے
شوق نظارہ ہے جب سے اس رخ پر نور کا ۔۔۔ ہے سراسر رخ نظر پروانہ شمع طور کا
نزع میں بھی دھیان تھا اس نرگس مخمور کا ۔۔۔ مجھ کو شربت میں مزا آیا مئے انگور کا
وادی ظلمت میں اپنی دخل ہے کب نور کا ۔۔۔ مصر اک شعلہ سا ہے سو بھی چراغ دور کا
تیرے کوچے میں تن لاغر ترے رنجور کا ۔۔۔ اک غبار ناتواں ہے کاروان مور کا
میں ہوں وہ نخچیر جس کو دیکھتا ہے وقت ذبح ۔۔۔ دیدۂ حسرت سے حلقہ جوہر ساطور کا
اس نزاکت پر نظر کرنا کہ وہ رشک پری ۔۔۔ بال بھی باندھے جو مسی پر تو زلف حور کا

دل کا یہ احوال ہے غم میں ترے اے مست ناز
جیسے مرجھایا ہوا دانہ کوئی انگور کا

حق تو یوں ہے یہ انانیت عجب غماز ہے
قصہ پہنچایا زبان دار پر منصور کا

عشق کے مکتب میں ہو فرہاد سب سے تیز ذہن
تین دن چاٹے اگر تعویذ میرے گور کا

جھانکتے ہیں وہ ہمیں جس روزن دیوار سے
واں سے قسمت ہو اُسی روزن میں گھر زنبور کا

کھینچے مانی اس پری کی کیوں کر تصویر کلک،
جمع ہو جب تک نہ رنگ سرخ رُعشور کا

تو ہو بعد از مرگ بھی گر اے محبت دستگیر
استخواں سے ہو مری دستہ تری ساطور کا

عشق نے ڈالی تھی جب قصر محبت کی بنا
لکھ دیا تھا کوہ کن بھی نام اک مزدور کا

بل بے وحشت اب تلک بھی شاخ آہو کی طرح
پیچ کھاتا ہے دھواں میرے چراغ طور کا

ذوق راہ عشق وہ کوچہ ہے جس کی خاک میں
ہے در تاج سلیماں بیضہ بیضہ مور کا

شمع نازاں نہ ہو اک رات بہا آنسو گرم
برسوں یاں چشم سے ٹپکا ہے مرے لوہو گرم

دست خور شید کے رعشہ سے سپر جائے چھوٹ
کھینچ کر تیغ کو جب وہ ہو ہلال ابرو گرم

دل عاشق کے جلانے کا ہے سارا ساماں
بنی شعلہ ہے ترے رنگ بھبوکا رو گرم

کون سا سوختہ جاں صبح سے ہے گرم فغاں
کہ ہوا آتی ہے کوچے سے ترے گرد و گرم

ہم تو سنتے تھے صدا کل حموضؔ باردو
ذوق ہوتا ہے وہ کیوں ہو کے ترش ابرو گرم

قبر میں عاشق ہو تیرا اضطراب احوال سے
لوح بالیں پر بھی لکھا سورۂ زلزال ہے

ہم نے جانا تھا کف پا میں تمھارے خال ہے
لیکن اب دیکھا سرِ بیدائی دل پامال ہے

ابر برسوں رو چکا پر سوز غم سے اب تلک
خاک میری ڈھیر کے اڑنے میں جیسے رال ہے

میری دود آہ سے یاں تک زمانہ ہے سیاہ
آفتاب آسماں زنگی کے منہ کا خال ہے

دل میں تشکل یار کب آئی نظر بے اضطراب
قلبی سیماب بن آئینہ بے تمثال ہے

میں وہ مجنوں ہوں کہ میرا کاغذ تصویر بھی
مثل عیدی باعث خوشنودی اطفال ہے

چبھے ہے دل میں کسی کی نوک مژگاں کی خلش
نشتر زنبور ہے تن پہ مرے جو بال ہے

دل پہ ہوں گر داغ سوزاں عشق میں اے کوہکن
پھر تو خسرو کا بھی گنج سوختہ کیا مال ہے

کھاؤں میں بیڑا جو اس بن کیونکہ دل ٹکڑے نہ ہو
جو رگ پان ہے وہ مجھکو شیر کا سا بال ہے

ہیں جہاں مدفون تمھارے کشتگان زلف کی
نخل کی جا بید مجنوں ہے وہاں پاجال ہے

شوخ قاتل کو مرے کیا چاہیے ہے رنگ پان
خون اعجاز مسیحا سے لب اس کا لال ہے

بسکہ ہے نوروز اپنا آفتاب بادہ سے
دور ساغر ہم کو ساقی گردش یک سال ہے

کھل گیا مضمون شکست دل کا بن خط کے پڑھے
نامہ بر کا اس قدر اپنے شکستہ حال ہے

ہے اسیران محبت کے بلا سینہ میں آگ
شعلۂ جوالا ساں طوق گلو تک لال ہے

روز محشر سے کئی دن دیکھنے کو چاہیے
گر یہی اے ذوق طول نامۂ اعمال ہے

موئے سر ماران سیہ کا ایک سراسر لشکر ہے
مانگ جو ہے اک یار سفید اس لشکر کا سر لشکر ہے

آبلہ ہائے سینہ جو خیمہ سے دکھائی دیتے ہیں
مزرع دل پر میری پڑا کیا غم کا آکر لشکر ہے

ہووے دل مظلوم ہمارا کیوں نہ شہید دشت بلا
در پے اس کے شامیوں کا وہ زلف معنبر لشکر ہے

کعبہ تو یہ خدا ہی رکھے آج کہ جوش ابر نہیں
ایک اصحاب الفیل کا سایہ دوش ہوا پر لشکر ہے

میں وہ شاہ کشور غم ہوں یارو جس کے ساتھ سدا
جوش اشک کی دولت سے جوں موج سمندر لشکر ہے

گاہ ہجوم یاس میں ہے دل گاہ ہجوم حسرت میں
ہے یہ مرو سپاہی پیشہ پھرتا لشکر لشکر ہے

خال چشم جاناں کا مژگاں سے تحمل دیکھو تو
اترا پشت پہ ہمپل کی کیلے کے سکندر لشکر ہے

ہووے امام برحق پیدا ذوق اگر تو دیکھ ابھی
ہوتا گرد اسلامیوں کا جوں سبحہ گوہر لشکر ہے

میں ہجر میں مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا
تم وقت پہ آپہنچے نہیں ہو ہی چکا تھا

جینا نظر اپنا ہمیں اصلا نہیں آتا
گر آج بھی وہ رشک مسیحا نہیں آتا

مذکور تری بزم میں کس کا نہیں آتا
پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا

وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا
پر میرا جگر دیکھ کہ میں اف نہیں کرتا

کیا قہر ہے وقفہ ہے ابھی آنے میں اس کے
اور دم مرا جانے میں توقف نہیں کرتا

کرے شرع کا پاس نمک مدام شراب حرام ہی نہیں لیکن نمک حرام شراب

یہ ایسا ماہ مبارک یہ ایسا کار سعید شروع دیکھ کر کیجیے مہ صیام شراب

بیمار عشق کا جو نہ تجھ سے ہوا علاج کہہ اے طبیب تو ہی کہ پھر تیرا کیا علاج

فرقت کی رات جی چکے ہم تا زمان صبح ہو گی اذان گور ہماری اذان صبح

پرنور ہے ترا رخ سیمیں بسان صبح آنکھیں ہیں تیری مست صبوحی کشان صبح

اب میکدہ میں شام کو ناقوس پھونکیے مسجد میں مدتوں رہے تسبیح خوان صبح

ریش سفید شیخ میں ہے ظلمت قریب اس مکر چاندنی میں نہ کرنا گمان صبح

ہے زلف تیری سنبل صحن چمن کی شاخ قطروں سے پر عرق کی بنی یاسمن کی شاخ

چمن سے بعد ہمیں جیسے سین وقاف قفس قفس میں بند ہیں ہم مثل فائے ناف قفس

پر کترنے کو جو صیاد نے چاہی مقراض ہاتھ ملتی تھی مرے حال پہ کیا ہی مقراض

نام فریاد سے ہوتے ہیں جگر کے ٹکڑے ہوتا ہے حق میں مرے مطلع آہی مقراض

بحر و بر میں ہے ہر اک کو ہوس قطع و برید ناخن شیر ہے خنجر دم ماہی مقراض

پھر کر ادھر ادھر بھی نہ اپنا گیا قلق لفظ قلق کی طرح سے یونہیں رہا قلق

عنقا کی طرح خلق سے عزلت گزیں ہوں میں ہوں اس طرح جہان میں گویا نہیں ہوں میں

اس در پہ شوق سجدہ سے فرش زمیں ہوں میں مانند سایہ سر سے قدم تک جبیں ہوں میں

میں وہ نہیں کہ تم ہو کہیں اور کہیں ہوں میں میں ہوں تمھارا سایہ جہاں تم وہیں ہوں میں

میں وہ شکستہ دل ہوں نہ دوزخ میں تنگ ہوں آہن کی طرح آگ میں بھی لالہ رنگ ہوں

جو ہے سو پہلے میرے اٹھانے کی فکر میں محفل میں ان کی میں کوئی چوسر کا رنگ ہوں

مزے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

غرض تھی کیا ترے تیروں کو آب پیکاں سے مگر زیارت دل کیوں کہ بے وضو کرتے

اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے تو گل کبھو نہ تمنائے رنگ و بو کرتے

نہ رہتی یوسف کنعاں کی خوبی بازار
مقابلے میں جو ہم تجھ کو رو بہ رو کرتے

یقیں ہے صبح قیامت کو بھی صبوحی کش
اٹھیں گے خواب سے ساقی سبو سبو کرتے

سراغ عمر گذشتہ کا کیجیے گر ذوقی
تمام عمر گذر جائے جستجو کرتے

جس ہاتھ میں خاتم لعل کی ہو گر اس میں زلف سرکش ہو
پھر زلف بنے وہ دست موسیٰ جس میں انگر آتش ہو

پوشاک آبی آب کو گر دل پسند ہو
دریا پری جناب کے شیشے میں بند ہو

لگے اس شعلہ خو کے کون مجھ سا تار دامن سے
الجھ سکتا ہے کوئی برق کے بھی خار دامن سے

لگے ہے اس تمنا میں مرے ہر خار دامن سے
کروں دس تار میں گر ہو عطا اک تار دامن سے

ذوقا:۔

نام ذوقا شاہ۔ بنارس کے رہنے والے ایک درویش تھے۔ جو سر و پا برہنہ رہتے تھے میرٹھ بھی گئے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

نے بام کے ہیں زیب نہ زینت کسی در کے
ہم باٹ کی روڑی ہیں ادھر کے نہ ادھر کے

ذوقی:۔

نام ذوقی رام ——————— مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ زکی مہدی علی کے شاگرد تھے۔ ان کی بسر اوقات عطر فروشی سے ہوتی تھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہولی کے وقت میں جب کہ اہل ہند کے عیش و عشرت کا زمانہ ہوتا ہے۔ وہ گلی کوچوں میں فقیروں کے مثل اشعار پڑھتے رہتے تھے۔ ان کا شعر ہے

ملنے سے تصور میں کچھ کم نہ مزا دیکھا
گر وہ نہ ہوا اس کی تصویر ہے اور میں ہوں

ذوقی:۔

یہ صاحب شاہ ذوقی کے نام سے مشہور تھے۔ لکھنؤ کے فقرا میں سے تھے۔ ان کے شعر ہیں:۔

اپنا یہ جیا وہ اس کی وہ صورت
اے عزیزو نگاہ کیجیے گا

رکھ ہاتھ وہ قبضے پر برہم جو لگا کہنے
اب تو ہے ترا سر ہے شمشیر ہے اور میں ہوں

حرف الرا

راقمؔ :-

نام غلام محمد - اکثر خطوط میں ان کو مہارت ہے - فارسی دانی کے لیے بھی مشہور ہیں - ان کا کلام ہے :-

بس کر چکے عاشقی مری جان　　غصے سے ترے جو ڈر گئے ہم
جب میں نے کہا تم نے ملاقات اڑا دی　　تو اس نے ہنسی میں یہ مری بات اڑا دی

راقمؔ :

بندرابن نام - کچھ لوگوں نے ان کو متھرا کا باشندہ اور بعضوں نے جہان آباد کا لکھا ہے - ان کے نام اور عادات سے تو یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ وہ متھرا کے رہنے والے تھے - اس میں بھی اختلاف ہے کہ وہ شاگرد کس کے تھے - ایک صاحب ان کو مرزا مظہر کا اور دوسرے صاحب مرزا رفیع سوداؔ کا شاگرد لکھتے ہیں - ان کے اشعار سنیئے اور اس بحث کو بھول جائیے

مری بد شرابیوں سے کریں توبہ مے گساراں　　رہے وہ عمل کہ ہووے سبب نجات یاراں
یاں تک قبول خاطر کیجے تری جفا کو　　تا اب کہیں کہ راقمؔ رحمت تری وفا کو

راغبؔ :-

نام مرزا سبحان قلی بیگ - ایرانی النسل تھے - ولادت جہان آباد میں ہوئی تھی، کچھ عرصہ

تک انشاء اللہ خاں سے مقابلہ ہو گیا تھا۔ اور انھوں نے بہت رکیک قسم کی ہجویں کہیں۔ سعادت یار خاں رنگیں کے دوستوں میں سے تھے۔ ان کا کلام ہے :۔

رشک چمن جو اٹھ گیا آج ہمارے پاس سے ۔ اپنے بہ رنگ گل یہاں اڑ گئے کچھ حواس سے
منہ دوپٹے میں چھپایا اس نے ۔ دل کو پردے میں لبھایا اس نے

رافت :۔

نام رؤف احمد۔ ان کا سلسلۂ نسب شیخ احمد تک جو مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ کے نام سے مشہور ہیں پہنچتا ہے۔ پیدائش لکھنؤ میں ہوئی۔ قیام رام پور میں رہا۔ قلندر بخش جرأت کے شاگرد تھے۔ بہت دفعہ دہلی گئے اور حضرات صوفیہ کا طریقہ غلام علی شاہ سے حاصل کیا۔ انھوں نے صنائع لفظی میں زیادہ کوشش کی ہے۔ ان کا شعر ہے :۔

یہ کس کے مژگاں کی کوہ یارب پھر رہی ہیں برابر میں ۔ کہ شکل غربال پڑ گئے ہیں ہزاروں روزن دل جگر میں

راسخ :۔

نام غلام علی۔ درویشانہ طرز پر زندگی بسر کرتے تھے۔ ۱۲۳۸ھ میں وفات پائی۔ ان کا کلام ہے :۔

دشمنی در پردہ کی اے دل لئے تم نے کیا کیا ۔ آہ تو پردے میں بیٹھے اور ہمیں رسوا کیا
اب اور لگا ہونے ایجاد گلستاں میں ۔ راتوں کو لگا رہنے صیاد گلستاں میں

راجہ :۔

راجہ بہادر نام۔ راجہ شتاب رائے ناظم صوبۂ بنگالہ کے بیٹے تھے۔ ان کا شعر ہے۔

یہ زخم دل ہمارے مرہم تک نہ پہنچے ۔ ہم ان تک نہ پہنچے وہ ہم تک نہ پہنچے

رجا:-

یہ کوئی صاحب ہیں جن کا حال معلوم نہیں۔ ان کا شعر ہے:-

مہرؤ کے شب کو آنے کی یاں دھوم دھام ہے ‏ بہتر ہزار صبح سے یہ اپنی شام ہے

رسا:-

یہ امیر تیمور کے خاندان کے ایک صاحب تھے۔ ان کا شعر ہے:-

ہم بھی ہیں رسا وقت کے یاں اپنے سلیمان ‏ ہیں قبضہ میں ہر ایک پری زاد ہماری

رسا:

نام مولوی علیم اللہ۔ اضلاع شرقی کے رہنے والے ہیں۔ نمونۂ کلام:-

کب حوصلہ تھا دل کو ستمگر کی چاہ کا ‏ خانہ خراب ہونگیہ روسیاہ کا

رستم:-

نام سید رستم علی خان۔ رہنے والے جانسٹھ کے تھے جو سہارنپور کے مضافات میں ہے وہ فرخ سیری نواب عبداللہ خان کے پوتوں میں سے تھے۔ ان کا شعر ہے:-

کب تلک ہجر کے دن دیکھیے ہم دیکھیں گے ‏ آستیں اشک سے ہر رات کو نم دیکھیں گے

رسوا:-

آفتاب رائے نام۔ محمہری بچے تھے۔ زمانۂ حکومت محمد شاہ میں آوارہ گرد کوچوں اور جنگلوں میں گھومتے رہتے تھے۔ کبھی بھی شغل شراب کے بغیر آسودہ نہیں ہوتے تھے۔ مرتے

وقت ان لوگوں سے جو ان کے سرھانے اور قریب موجود تھے وصیت کی تھی کہ ان کو شراب سے غسل دیا جائے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی وصیت پر عمل کیا گیا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ان کے کپڑوں اور بدن سے بو نہیں آتی تھی۔ اُن کا کلام یہ ہے۔

کوئی جا نہیں زمیں پہ کہ اشکوں سے نم نہیں
رسوا بھی اس زمانے میں مجنوں سے کم نہیں

وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو
اس دوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے

رضا۔

یہ ایک صاحب رام پور کے ہیں۔ ان کا شعر ہے:۔

اب کوئی لحظہ میں مجنوں پہ بلا آتی ہے
جرس ناقۂ لیلیٰ کی صدا آتی ہے

رضا۔

نام میر رضا علی۔ پیشہ طغرا نویسی۔ وطن لکھنؤ تھا۔ ان کا شعر ہے:۔

برق ناز جو گل سینے کا صندوق ہوا
تیر جو دل میں لگا سو لب معشوق ہوا

مت پوچھو رضا کا کچھ حال غم تنہائی
اک دل تھا سو کھو بیٹھا اک سر ہے سو سودائی

رضا۔

نام حمید الدین۔ ان کے والد کا نام حکیم کوئی چاند پوری تھا۔ ان کا کلام ہے:۔

آہ کیا دن تھے کہ ہم ساتھ ترے اے گل رو
دو قدم صحن گلستان میں چلے بیٹھ گئے

اب یہ حالت ہے کہیں چھپ کے ترے کوچے میں
ہیں گنہگار جو دیوار تلے بیٹھ گئے

رضا۔

نام میر محمد رضا رہنے والے عظیم آباد کے تھے۔ میر ضیا سے فیض حاصل کیا۔

ابتدائے شباب میں ہی زہد و تقویٰ کی طرف توجہ تھی۔ ان کا شعر ہے :۔

اس کا کچھ انجام بھی سمجھا کہ تو نے اے فلک — حسن روز افزوں وہاں یاں عشق شور افزا دیا

رضاؔ :۔

نام مرزا جیونؔ۔ مرزا جان کے بیٹے تھے۔ میر نظام الدین المتخلص بہ ممنونؔ کے شاگردوں میں سے تھے۔ اسی شہر کے رہنے والے تھے۔ صاحب دیوان تھے۔ راقم سے تعارف تھا۔ چند سال پیشتر وفات پائی۔ نمونہ کلام یہ ہے :۔

تمھارے وصف دنداں میں جو ہم سے شعر ہوتے ہیں — کہ گویا رشتہ مضموں میں موتی پروتے ہیں

غیر سے گرم اختلاط ہے وہ — ہم بھی سنتے ہیں اور جلتے ہیں

کون سے وحشی کی اس کو اس قدر ہے یاد آہ — سنگ سے اب تک بھرا جو دامن کہسار ہے

رضاؔ :۔

نام میر محمدی۔ سادات لکھنؤ اور میر ضیاؔ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کا شعر ہے :۔

نقش شیریں کا مٹے پتھر سے پر اس کا خیال — یہ نہیں ممکن کہ جاوے خاطر فرہاد سے

رضیؔ :۔

نام سیف الدولہ سید رضی خاں بہادر صلابت جنگ۔ شاہجہان آباد کے لوگوں میں سے اور بلند مرتبہ امراء میں سے تھے۔ مسائل اثنا عشریہ کے علم کے لیے مشہور تھے۔ (شیعہ عالم و فقیہ سمجھے جاتے تھے) تھوڑے دن ہوئے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ مجھ سے بھی تعارف تھا۔ ان کا کلام ہے :۔

مرے قتل کرنے میں دو فائدے ہیں — ترا نام ہو گا، مرا کام ہو گا

بن عشق آدمی کے ذرا شان ہی نہیں — جس کو نہ ہووے عشق وہ انسان ہی نہیں
دیکھ ٹک شمع کو عاشق کے ستانے والے — کس طرح جلتے ہیں اوروں کے جلانے والے

رضی:۔

نام مرزا رضی خان منجم لکھنؤ کے امرا اور نواب وزیر الممالک کے عزیزوں میں تھے۔ اردو میں مثنوی لیلیٰ مجنوں انھوں نے تحریر کی تھی۔ لیکن یہ میری نظر سے نہیں گزری ان کا شعر ہے:۔

دل کی طلب ہے اور تمنا ہے جان کی — یہ ہم پہ مہربانی ہے اس مہربان کی

رغبت:۔

نام میر ابوالمعانی۔ لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ ان کا شعر ہے:۔

یاد ہے راتوں کو چھپ چھپ کے وہ آنا اپنا — چٹکیاں میری وہ لے لے کے جگانا اپنا

رغبت:۔

یہ مرادآباد کے ایک صاحب تھے۔ نام معلوم نہیں ہو سکا۔ ان کا ایک شعر یہ ہے:۔

جس کو رتی نہیں پروائے جگر سوز سے کچھ — اس کی ہر بات پہ کیوں جی کو جلاتے پھریے

رفیق:۔

نام مرزا اسد بیگ۔ وطن دہلی تھا۔ ثناء اللہ خاں فراق کے شاگردوں میں سے تھے۔ مشاعرے منعقد کرتے تھے۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

روشن رہے گا داغ دل عاشقاں مدام — ہوگا نہ حشر تک یہ چراغ مزار گل
ہیہات کرکے ہم نہ اٹھے پھر زمیں سے — مانند نقش پا ترے کوچے میں مر مٹے

رفیقؔ :-

نام امین اللہ۔ ان کا شعر یہ ہے :-

رہِ عشق کی کج و پیچ میں جو رفیق تھے سو جدا ہوئے
مگر ایک نالۂ آہ کو مرے دم سے ہم سفری رہی

رفاقتؔ :

نام مرزا الکین : جراُتؔ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ آغازِ شباب میں انتقال ہو گیا۔ ان کا کلام یہ ہے :-

واں کیوں کہ رو بیٹھے کہ منادی جہاں یہ ہو
زانو پہ سر کو دھر کے نہ بیٹھا کرے کوئی

برسوں کی ایک دم میں رفاقت جو چھوڑ دی
کیا ایسی زندگی کا بھروسا کرے کوئی

رفیعؔ :-

نام رفیع الدین خان۔ لکھنؤ کے شیخ زادوں میں سے تھے۔ بعد میں مراد آباد چلے گئے اور پھر حرمین شریفین کی زیارت کو گئے تھے۔ ان کا شعر ہے :-

ناتواں کے ستانے سے حذر کر ظالم
عرش بھی آہ سے مظلوم کی ہل جاتا ہے

رقتؔ :-

نام مرزا قاسم علی۔ اصل میں رہنے والے مشہد مقدس کے تھے۔ ان کے بزرگوں میں سے ایک صاحب نے کشمیر میں سکونت اختیار کی تھی۔ ان کی پیدائش وہیں ہوئی۔ یہ خود لکھنؤ آئے اور جراُتؔ سے فنِ شعر حاصل کیا۔ ان کا کلام یہ ہے :-

غلط وہ بھیجے رقیب کا لکھا
یہ بھی اپنے نصیب کا لکھا

ہمارے سامنے رت ابر بار بار برس | جو برسے ہو سکے تجھ سے نہ ہو ہزار برس
چھوٹ جائے کسی سے نہ ملاقات کسی کی | اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسی کی
دیوار گل رخاں کا سایہ مگر پڑا ہے | زاہد بتا تو مجھ کو طوبیٰ میں شاخ کیا ہے

رنگین۔

نام سعادت یار خاں خلف محکم الدولہ طہماسپ بیگ خان، کسی قدر فنون سپہ گری سے واقف ہیں۔ اکثر شہروں میں سیاحت کر چکے ہیں۔ جوانی میں عشق و عاشقی کا شغل بھی تھا عمدہ صحبت، اور میل جول کے آدمی ہیں۔ بڑھاپے میں بھی طبیعت میں ظرافت ہے۔ شاہ حاتم کے شاگرد ہیں۔ کچھ دیوان مختلف اصناف سخن کے تیار کیے ہیں اور ان کو ایک جلد میں مجلد کر کے "نورتن" نام رکھا ہے۔ چونکہ دوسرے دیوانوں میں صرف ہزل و ریختی وغیرہ ہیں اور ان کا اس ذخیرہ میں شامل کرنا مناسب نہیں ہے لہٰذا "ریختہ" اور "ریختہ" کے بدقت تمام حاصل کیے ہیں۔ اس تذکرہ کے ختم ہو جانے پر ان کا پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا۔ یہ واقعہ جلوس اثنا عشری ۱۲۵۱ھ کا ہے۔ اسی سال کی عمر میں قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے۔ عجیب و غریب باتیں کرتے تھے۔ ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ امسال میں وفات پا جاؤں گا۔ جب اس پیشین گوئی کا سبب ان سے دریافت کیا گیا تو کہا کہ کئی سال ہوئے کہ از خود مصرعہ تاریخ اپنی وفات کا زبان پر آ گیا۔ کہ اس سال میری وفات واقع ہو گی اور قصہ حاتم شاہ کہ مشہور شاعر اور ان کے استاد تھے، بیان کرتے تھے کہ ان کو بھی ویسا ہی اتفاق پیش آیا تھا۔ اور ایسا ہی پیش آیا۔ ان کا کلام ہے:۔

بوسہ تو ہم کو دے کہ ثابت گناہ کر لے | گر قتل تجھ کو قاتل منظور ہے ہمارا
غرض ہند اپنے مطلب سے رکھے ہے کام اے رنگیں | وہ آئے یا نہ آئے بن بلائے بن نہیں رہتا
کھینچ لاتی ہے اسے کشش دل یاں تک | بارے صد شکر کے تجھ کو بھی یہ مقدور رہا
اسے ہے شوق کہانی کا ان دنوں میں بہت | یہ طور خوب ہے احوال دل سنانے کا

کیا کرتے ہو ناصح تم نصیحت رات دن مجھ کو
اسے بھی ایک دن کچھ جا کے سمجھاتے تو کیا ہوتا

پرندے کا نہیں مقدور جو واں جا کے پر مارے
کبوتر گر ہمارا نامہ بر ہوگا تو کیا ہوگا

کر اپنے دل میں تو انصاف میں روٹھا ہوں کیوں کر
گلے میں ڈال کر باہیں منانا تیرا یاد آیا

قسم ہے ایک عالم کو رلا دیتا ہے اے رنگیںؔ
وہ اس کی جھڑکیاں کھا کر ترا مجبور ہو جانا

زاہد بتا تو کعبے میں کیا دیکھتا ہے تو
جاتے ہیں دیر میں تو صنم دیکھتے ہیں ہم

تو نہ گذرے گا جفا سے تو یار
جان سے اپنی گذر جائیں گے ہم

گھر سے تیرے روٹھ کے جاتا ہوں روتا اس طرح
جیسے تو مکتب کو جاتا تھا کسی ہنگام میں

جو پوچھتا ہوں تغافل سے کیوں جلاتے ہو
تو وہ کہے ہے تجھے جان کر جلاتا ہوں

دیکھتے ہیں ان کو ہو جاتے ہیں شادی مرگ ہم
ان کو پاتے ہیں تو پھر ہم آپ کو پاتے نہیں

مسجد میں رہے کعبے گئے دیر میں بیٹھے
یک چندے سے اب سیر خرابات کو جی ہے

حوروں کے عوض مجھے الٰہی
دنیا میں تو ایک نازنیں دے

کب مجھ کو بہشت کی ہے خواہش
دیتا ہے جو کچھ سو لا یہیں دے

یہی رونا جو ہے تو تم رنگیںؔ
اس کے کوچے سے آج کل نکلے

صلح کو تب آئے اپنے ہم نشیں
مجھ میں اس میں جب صفائی ہو چکی

اسے میں حبیب کے دیکھوں یہ علاوہ غیر کو دیکھے
بھلا یوں دیکھنا دیکھو تو دیکھا جائے ہے مجھ سے

وہ نہ آئے تو تو ہی چل رنگیںؔ
اس میں کیا تیری شان جاتی ہے

یہ میرا جی ہی جانے ہے تری لکنت کے عالم کو
خدا شاہد ہے کچھ تقریر مجھ سے ہو نہیں سکتی

اس اپنے ہاتھ کے گل کی کہوں کیا اک کہانی ہے
نشانی ان کی چھلا تھا سو اس کی یہ نشانی ہے

دم بہ دم بسکہ ترا حسن فزوں ہے ظالم
روز جی میں ہے کہ کھنچوائیے تصویر نئی

قیامت پر رہا موقوف پھر تو دیکھنا اس کا
اگر اک دم کے دم آتے ہیں وہ تاخیر کرتا ہے

بنے گی اس سے صحبت کس طرح کچھ کہہ نہیں سکتے
وہ ہرجائی ہے اور بن قبضہ ہم بھی رہ نہیں سکتے

رنگین :-

نام پورن لعل - دہلوی - قوم کا شیتھ - ان کا شعر ہے -

رنگیں نہیں ہیں قطرۂ شبنم یہ باغ میں
بادِ صبا نے مے سے بھرا ہے ایاغِ گل

رنگہ :-

نام گنگا پرشاد لکھنوی کشمیری - جرأت کے شاگردوں میں سے ہیں - نمونہ کلام یہ ہے :-

مل چکا میں خاک میں اور دل میں ہے تیرے غبار
جان مجھ سے اس قدر کس نے مکدر کر دیا

روتا ہوں چپکے چپکے آتا ہے یاد جس دم
وہ دیکھنا کسی کا نظریں چرا چرا کر

مانتے ہو گر برا معشوق کہتے ہے تو جان
ہم تمھیں مشہور اپنا چاہنے والا کریں

دیکھیں جو کسی طرف تو رک جائیے
کیا کہیے اب ایسے بدگماں کو

وہی فغاں ہے وہی آہ ہے وہی نالہ
خدا کے فضل سے اپنا جو حال ہے سو ہے

نکلا کبھی نہ گھر سے وہ بے رحم در تلک
چوکھٹ پہ اس کے مر گئے سر مار مار کے

رنگہ

نام مہربان خاں - نواب احمد خاں بنگش کے متوسلین میں سے تھے - جو فرخ آباد کے ناظم تھے اور نواب ذوالفقار الدولہ مرحوم کے زمانے میں بھی وہ افراسیاب خاں کے رفیق کی حیثیت سے بسر کرتے رہے - مرزا رفیع سودا ان کے مداحوں میں سے تھے - فن موسیقی میں بھی کس قدر واقفیت رکھتے تھے - ان کا کلام ہے :-

جس کا تجھ سا حبیب ہووے گا
اس کا عالم رقیب ہووے گا

دل کا گھبرانا کہوں یا کہ نفس کی تنگی
دیکھیے کیا کرے صیاد قفس کی تنگی

ہے مری جان کا یہی دشمن رنگ اس دل کو خوار ہونے دو
دیتے ہیں عذر حسن ہیں عاشق عوض جاں آتا نہیں تو آپ کو تلوار بیچ دے

نسیم :۔

نام میر محمد نصیر۔ یہ میر درد کے سجادہ نشین کے پوتے تھے۔ اور بہت سی صفات حسنہ کے حامل تھے۔ مشہور تھا کہ وہ رموز موسیقی سے خوب واقف ہیں۔ صاحب تسلیم و رضا تھے۔ ان کی صحبت کی برکت نصیب ہوئی ہے اور شعر و سخن کی بات چیت ہوئی۔ شعر فہمی میں خاص سلیقہ تھا۔ بالفعل شاعری نہیں کرتے۔ اس تذکرہ کو جمع کرتے وقت ان کے کلام کی درخواست کی۔ اس میں سے انتخاب شدہ کلام یہ ہے:۔

خط دیکھ کر ادھر تو مرا دم نکل گیا قاصد ادھر یہ دیدۂ پرنم نکل گیا
یقین ہو گیا دیکھ کر اس کا قامت کہ بے شک قیامت میں دیدار ہو گا
کھڑکی نکال جانب دشمن نہ بام پر کوٹھے چڑھے جو بات کھلے خاص و عام پر
یاد دلوا کے جو ہم بستری یار رلائے سو وہ تصویر نہالی ہے بغل کا دشمن
دل یہ جس کے لیے پہلو میں تپاں رہتا ہے یہ سنا ہے کہ اسے بھی خفقان رہتا ہے
دیکھی نہیں حالت یہ خدائی میں کسی کی ہے طور جدا اپنا جدائی میں کسی کی

رونق :۔

نام میر غلام حیدر خان۔ عظیم آباد وطن۔ ان کا شعر ہے:۔

رحم کر اے دوست کہ ہے خاکساری پر مری نقش پا کی طرح تیری راہ میں افتادہ ہوں

روشن :۔

روشن شاہ نام۔ وطن بریلی۔ وہاں سے نقل مکان کر کے میرٹھ میں سکونت اختیار

کی ۔ علائق دنیوی سے کنارہ کش ہو کر ارباب تجرد کا دامن پکڑا ۔ فراغ خاطر اور باطنی سکون داطمینان کے ساتھ بسر کرتے تھے ۔ ان کا کلام ہے ۔

دیکھ کے مجھ کو منہ کو چھپایا اور حیا کا نام کیا
واہ ری تیری دانشمندی اس میں بھی اک کام کیا

غیر سے ہو دیں یار کی باتیں
ہم کو ہاں کا بھی اعتبار نہیں

کون سی جا ہے کہ جس جا نہ گذر اس کا ہے
مثل خورشید جہاں دیکھیے گھر اس کا ہے

دل کی تپش سے گرمی خورشید سرد ہے
سینہ اگر یہی ہے تو دوزخ بھی گرد ہے

کوچے میں تیرے بیٹھ گئے جب کہ ہم اے یار
جوں نقش قدم پھر نہیں اٹھنے کے زمیں سے

آنکھوں میں فدا ٹھہر اتا دیکھ لیں اس کو
اقرار یہ ٹھہرا ہے دم بازپسیں سے

تیرے کوچے کے اشتیاق میں یار
گھر سے ویراں ہوئے وطن سے گئے

روشن :-

ان کا حال معلوم نہ ہو سکا نمونۂ کلام یہ شعر ہے :-

جی میں یہ تھا کہ جان کیجیے نثار
ایک دم بھی وہ بے وفا نہ رہا

حرف الزاء

زارؔ :-

نام برہان الدین خان - شاہی ملازمین میں سے تھے - خط شکست عمدہ لکھتے تھے - ان کا کلام یہ ہے :-

کیونکہ اس بت کو یہ جان دل نا کام لکھوں | کب وہ دیکھے ہے خدا کا بھی اگر نام لکھوں
چرخ کے کیسے انقلاب ہوئے | پر کبھی ہم نہ کامیاب ہوئے

زارؔ :-

نام میر مظہر علی - نواب احمد علی خان شوکت جنگ کی خدمت میں وقعت و عزت سے بسر کرتے تھے - ان کا کلام یہ ہے :-

اگر کچھ بس چلے اپنا تو کا ہے کو یہ خواری ہو | نہ چاہیں اس کو اے ناصح جو الفت اختیاری ہو
اب رہائی نے کیا اور پریشاں مجھ کو | خوب تھا اس سے وہی گوشۂ زنداں مجھ کو

زارؔ :-

میر جنون نام - وطن کشمیر - پیدائش اسی شہر جنت نظیر کی ہے - لکھا ہے کہ وہ ابتدائے شباب سے سرد شوریدہ سر تھے - آخر میں ان کے مزاج پر سودا کا غلبہ ہو گیا تھا - پھر افاقہ ہو گیا (اس روایت میں شبہ ہے کیونکہ جنون عشق کا علاج نا ممکن ہوتا ہے) - یہ اشعار ان کے ہیں

ایک دن پہلے ہی دنیا سے اٹھانا ہم کو | یا الٰہی شب فرقت نہ دکھانا ہم کو
لے جاؤ گے تم اس کی گلی سے جہاں مجھے | آرام جو یہاں ہے نہ ہوگا وہاں مجھے

زکی :-

نام شیخ مہدی، وطن مراد آباد۔ عرصے تک لکھنؤ میں رہے۔ اور مشہور شعرا کا ساتھ رہا کچھ عرصہ تک مضافات سہارنپور کی تحصیل کی پیش کاری پر کام کرتے رہے۔ ایک مرتبہ مجھ سے ملنے کے اشتیاق میں دہلی آئے۔ لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ باوجود شوق زیادہ قیام کیے بغیر واپس چلے گئے، جب دوبارہ آئے اور کچھ دن شاہجہان آباد میں رہے۔ تو روزانہ ملاقات کو آتے تھے۔ وہ ایک ہوشیار انسان ہیں۔ کہتے تھے کہ میں نے علمائے فرنگی محل سے کہ جو لکھنؤ کے محلوں میں سے ایک محلہ ہے، درسی کتابوں کی تحصیل کی تھی۔ فن تاریخ میں دستگاہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے ایک قصیدہ جو مختلف صنایع پر مشتمل ہے۔ آصف جاہ والی حیدرآباد کی مدح میں کہا تھا۔ چونکہ اس تذکرہ میں اس کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا اس کو ترک کرتا ہوں۔ ان کا دیوان موجود ہے۔ لیکن میری نظر سے نہیں گزرا۔ اور یہ اشعار ان کے انتخاب کیے گئے :۔

وحشت ہے آشکار زلیخا کے حال سے | آنکھیں بیان کرتی ہیں افسانہ خواب کا
آفتیں اتنی اٹھائیں عبث اے جان حزیں | ہجر کا نام ہی سن کر تمھیں مر جانا تھا
شعلۂ حسن کبھی برق جہاں سوز نہ ہو | آفت جان زکی دل کا ہی آجانا تھا
ترک ملاقات کی پوچھو نہ بات | ہم سے نہ ملنا اسے منظور تھا
جالِ یار پہ ہم نے یہ ٹکٹکی باندھی | کہ اپنی آنکھ کا تل اُس کے منہ کا خال ہوا
آتش عشق کہیں پھر بھڑک اٹھے نہ زکی | اختلاط اس سے بہت گرم تمھارا دیکھیں
سب لے چکا وہ جان ودل وطاقت وتواں | کیوں آئے اب یہاں اسے کیا کام رہ گیا

ہوئے ساقی سے خجل واہ ری کم ظرفی دل — بوسۂ لب کی طلب پہلے ہی پیمانے پہ

دھوم دیوانے اڑاتے ہیں پری زادوں کے — شمعِ محفل کو لگا دیتے ہیں پروانے پہ

یہ جگر دل کا ہے اے سوز محبت ورنہ — پھینک دیتے ہیں شرر دیکھ کے پتھر باہر

کب ہے یقیں کہ عمر دو روزہ کرے وفا — کیا کیجئے زکی کسی دیر آشنا سے ربط

شب آنے میں قاتل کے جو دیر گذری — تجھے اے اجل یاد کرتے رہے ہم

اٹھاتے بہت سے مزے زندگی کے — بہت تجھ پر اے شوخ مرتے رہے ہم

ایک دن اور جیا ہتے ہیں زکی — عاشقِ طرۂ دوتا ہیں ہم

ہم گرفتار رہیں بے بال و پری کے پابند — بے نصیبوں کا گلہ شکوۂ صیاد نہیں

یوسف کا اپنے دھیان ہے تحریرِ خط کے وقت — ڈر ہے کہ انگلیاں نہ قلم ہوں قلم کے ساتھ

ماہتابی پر جو وہ خورشید رو ہے بے حجاب — اپنے جامے سے ہوئی جاتی ہے باہر چاندنی

دل ہم سے رہا جدا ہمیشہ — گویا وہ ضمیر منفصل ہے

جب یہ سنا کہ پاؤں کو مہندی لگی وہاں — شعلہ بھڑک اٹھا نگہِ انتظار سے

حیرت اے تازہ اسیرانِ قفس آتی ہے — دھوم سے فصلِ بہار اب کے برس آتی ہے

گا ہے غمِ فراق گہے آرزوئے وصل — کیا کیا ہو دل لگی جو کہیں دل لگا رہے

حشر ہو جائے گا بے تابیِ دل سے لیکن — راہ پھر بھی تری اے شوخ شکن دیکھیں گے

زکیؔ :۔

نام جعفر علی خاں۔ شاہ عالم بادشاہ کے امرا میں سے تھے۔ ان کا شعر ہے :۔

عشق میں نسبت نہیں بلبل کو پروانے کے ساتھ — وصل میں وہ جان دے یہ ہجر میں جیتی رہے

زماںؔ :۔

نام سید محمد زماں۔ یہ ایک صاحب امروہہ کے تھے۔ ان کا شعر ہے :۔

عارض ہے گل کا صاف ولیکن جھلک نہیں   نرگس کے چشم پر ہی نکیلی پلک نہیں

زینت :-

یہ مسماۃ زنان بازاری میں سے ایک ہیں۔ وطن یہی شہر ہے۔ وہ مرزا ابراہیم بیگ مقتول کہ جو اُن کے کشتۂ ناز تھے۔ کی وفاداری میں دہلی سے لکھنؤ آئیں اور اپنے شہر سے دوری گوارا کی۔ اُن کا شعر ہے :

شب مہتاب میں تا صبح زینت   خیال ماہ رو ہے اور ہم ہیں

حرف السین

ساقی :-

نام مرزا محمد جاں بیگ ۔ رہنے والے دشت قبچاق کے تھے ۔ ان کے والد نے کشمیر میں سکونت اختیار کی ۔ وہ خود دہلی آئے ۔ ان کو خواجہ میر درد سے بہت ارادت تھی ۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ زبان فارسی میں اچھا کلام ہوتا تھا ۔ تاریخ اچھی کہتے تھے ۔ انھوں نے ایک قصیدہ خرم خاں صوبہ دار کشمیر کی مدح میں کہا تھا ۔ اس میں صفت یہ رکھی تھی کہ ہر مصرع سے دو تاریخیں نکلتی تھیں ۔ شاہ عالم بادشاہ کی طرف سے اس کام پر مامور ہوئے تھے کہ شاہ نامہ کو نظم کریں جس میں تمام واقعات ایام خلافت کے آجائیں ۔ وہ اس کو تمام نہیں کر سکے تھے کہ ان کی عمر ختم ہو گئی ۔ ان کی مثنوی اور قصیدہ کو میں نہیں دیکھ سکا ۔ انھوں نے اپنے احباب کی فرمائش سے اردو میں دو تین غزلیں کہی تھیں ۔ ایک غزل کے دو شعر لکھتا ہوں کہ اس زمانے میں ان کے یہ اشعار بھی غنیمت ہیں ۔

ہم گھر میں تمھارے کہو کس راہ سے پہنچیں ۔۔۔ دشمن ہیں ہمارے در و دیوار تمھارے

مرغانِ قفس دن کو بھڑکتے ہیں و لیکن ۔۔۔ دن رات تڑپتے ہیں گرفتار تمھارے

سائل :-

نام مرزا محمد یار بیگ ۔ قوم ازبک سے تھے ۔ ان کی ولادت جہان آباد میں ہوئی ۔ ابتدا میں شاہ حاتم کے شاگرد تھے ۔ لیکن بعد میں سودا کی طرف توجہ کی ۔ ان کا شعر ہے :-

وہ حائل ہو گیا دست شکستہ کی طرح ۔۔۔ آہ جس کو ہم نے اپنا قوتِ بازو کیا

سامان :-

نام میر محمد ناصر۔ جونپور کے رہنے والے تھے۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد حکومت میں دارالخلافۃ میں آئے تھے :۔ ان کا شعر ہے :۔

رقیب اس طرح جلتے ہیں ہمیں دیکھ ۔۔۔ مگر رشتہ میں ہیں اس شمع رو کے

سبحان

نام عبدالسبحان۔ آبرو کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا شعر ہے :۔

جان و دل ہے قبول سب جانا ۔۔۔ پر گلی میں تری نہیں آنا

سبقت :-

نام مرزا مغل۔ والد کا نام مرزا اکبر علی اخوند تھا۔ یہ جرأت کے شاگردوں میں سے تھے ان کا اصل وطن ایران تھا اور پیدائش ارم تزئین (جواب حسن جنت) جہان آباد میں ہوئی اور وہیں قیم رہا۔ انھوں نے کتب درسی پڑھی تھیں۔ فی الجملہ ان کی طبیعت کا انداز اچھا معلوم ہوتا ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے :۔

تا بہ کجا یہ اضطراب دل نہ ہوا ستم ہوا ۔۔۔ جان لبوں پہ آگئی تو بھی تعلق نہ کم ہوا

میں ہی کچھ تنہا نہ اس کو دیکھ مفتوں ہو گیا ۔۔۔ ہر کوئی اس غیرت لیلیٰ کا مجنوں ہو گیا

ناقۂ لیلیٰ جو ٹھہرا وادی مجنوں میں آہ ۔۔۔ بولی کیا تیرا بھی یاں اے ساربان دل لگ گیا

کچھ فائدے کی بات ولا اختیار کر ۔۔۔ کیا فائدہ ہے گریۂ بے اختیار کا

سبقت سناؤں کیونکہ خبر دل کو یاس کی ۔۔۔ احوال جانتا ہوں میں امیدوار کا

کس کس طرح سے اپنے تئیں کرتے پائمال — افسوس اس کو ذوق نہیں ترکتاز کا
قصد مجھ سے بے گنہ کے قتل کا جب دل میں ہو — کیوں یہ پھر خنجر ترا قاتل بنے اور ٹوٹ جائے

سجاد:۔

نام میر سجاد۔ اکبرآباد کے لوگوں میں سے تھے۔ دہلی آنے پر مشاعرہ منعقد کرتے رہتے تھے۔ آبرو کے شاگردوں میں سے تھے۔ کلام یہ ہے:۔

شتابی سے دے لے کہ جاتا ہے ابر — جو کچھ باقی ساقی رہی ہو شراب
ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لے جائے اسے — خواہ زلفیں خواہ ابرو خواہ مژگاں خواہ چشم
جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں — سب مزے در کنار ہوتے ہیں
لب شیریں پہ اس کے مرتا ہوں — زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں
ہرگز آنے نہ دیں گے غیر کو جان — ہوں گے کیسے ہی ہم گئے گذرے

سخن:۔

نام مرزا محمد حسین۔ وطن کشمیر تھا۔ ولادت جہان آباد میں ہوئی۔ فن طب حاصل کیا تھا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ان کا کلام فارسی میں بھی ہے۔ ان کا شعر ہے:۔

جو ہیں جان نکلی وہی آن نکلا — بھلا مرتے مرتے تو ارمان نکلا

سخنور:۔

دیوان سنگھ نام۔ قوم کائستھ۔ دفتر شاہی کے انشاپردازوں کے افسر تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

گریاں رکھے ہے بن ترے یہ چشم تر مجھے — طوفان نوح آئے ہے اب پھر نظر مجھے

سرسبز:-

نام مرزا زین العابدین خاں - یہ نواب سالار جنگ کے فرزند رشید تھے - دینی کتابوں پر مزاولت تھی - اور یقینی علم رکھتے تھے - کھیل کود اور شرعاً جن چیزوں کی ممانعت ہے ان سے پوری طرح اپنی خاندانی روش پر پرہیز کرتے تھے - فرخ سیر بادشاہ کے زمانہ میں ان کے بزرگ ہندوستان آئے - اور بارگاہ سلطانی میں ان کو بہت تقرب حاصل ہوا - ان کا ایک ضخیم دیوان ہے - چار سال تک مصحفی ان کے زمرۂ شعرا میں ہونے کی وجہ سے مشرف حضوری سے باریاب ہوتے رہے - نمونۂ کلام یہ ہے ۔

ہماری آہ پہ ہنستا ہے کیا تو — دکھا دیں گے تجھے اس کا اثر ہم

کب خوش آتی ہے ہمیں سیر گلستان تجھ بن — باغ آتا ہے نظر خانۂ زنداں تجھ بن

میں روتا ہوں سرسبز آتی ہے جب یاد — وہ صورت مجھے پیاری پیاری کسی کی

اس کے کوچے کی طرف میں تو نہ جاؤں سرسبز — کششِ دل ہے کہ کھینچے لیے جاتی ہے مجھے

سراج

نام سراج الدین علی - علم و دانش کے چراغ، لوگ کہتے ہیں کہ وہ راستہ میں ایک ہندو مہ جبین پر عاشق ہو گئے - لیکن چونکہ اختلاف مذہب کا پردہ بیچ میں حائل تھا، اس لیے یہ بہت مدت تک اس عشق کی آگ میں جلتے رہے - آخر میں تاثیر عشق رنگ لائی - اور محبوب کے باپ کے دل میں یہ بات آئی کہ ان دو محبت کے ماروں کو فراق کی آگ میں جلنے دینا مناسب نہیں ہے - اس نے ان کے والد کو ہدایت کی اور وہ اپنی انتہائی ارادت کی وجہ سے انکار نہ کر سکے یعنی اس نے اپنی لڑکی کو سراج سے منسوب کر دیا - سراج نوازش ماہرو کے وصل کی تاب نہ لاسکے اور انتقال کر گئے - اور وہ لڑکی بھی تھوڑی دیر تو ان کی لاش پر بیٹھی - اس کے بعد اس کی بھی روح

جسم سے مفارقت کر گئی۔ فرد

تو ہم شب را بسر کے می بری اے شمع کم فرصت — گر غمت سوختی پروانۂ آتش بجانے را

فی الحال ایک غزل کہ جس کا شعر پیش کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ ان کی اور کوئی چیز میرے علم میں نہیں آئی۔ شعر یہ ہے:۔

چلی وحشت عشق میں وہ ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا — مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

سراج:۔

نام معلوم نہیں ہو سکا۔ وطن اورنگ آباد۔ آبرو کے ہم عصر تھے۔ کلام یہ ہے:۔

نہیں ہے تاب مجھے تیرے سامنے جاناں — کہاں سراج کہاں آفتاب عالم تاب

نہ پوچھو خود بخود کرتا ہوں تعریف اس کے قامت کی — کہ یہ مضمون مجھ کو عالم بالا سے آتے ہیں

سرور:۔

نام اعظم الدولہ نواب میر محمد خاں۔ ولد نواب ابوالقاسم خان۔ یہ محمد جلال بیگ سامی کے شاگرد تھے جو جہان آباد کے عمائد و اکابر میں ہیں۔ فن شعر سے بہت دلچسپی ہے ہر مشاعرہ میں شرکت کرتے اور ہر طرح پر غزل کہتے ہیں۔ پرانے شاعر ہیں۔ مگر کلام صاف ہوتا ہے۔ انھوں نے ایک مبسوط تذکرہ بھی لکھا ہے جس میں ابتدائی دور سے لے کر آخیر تک کے اردو شعراء کے اشعار جمع کیے ہیں۔ اس کو میں نے دیکھا ہے۔ یہ صاحب دیوان ہیں۔ کبھی کبھی مجھ سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کے حامل ہیں۔ ان کے حالات لکھنے کے بعد اور یہ تذکرہ انجام تک پہنچنے سے پہلے ان کی عمر ختم ہو گئی۔ اور یہ واقعہ ماہ شوال ۱۱۵۰ھ میں پیش آیا۔ خداوند کریم ان کو بہشت بریں میں درجات عالیہ پر فائز کرے۔ ان کا کلام ہے:۔

ہم جانتے زمیں سے تھے دور چرخ کو　　دیکھا تو ایک عرصۂ جولان نالہ تھا

ہے وصل نکل جان حزیں آج ہی تن سے　　صدمے سے جدائی کی جو کل جائے تو اچھا

نامہ کس سوختاں جاں کا یہ لیے جاتا ہے　　بازوؤں سے جو ہلاتا ہے کبوتر پنکھا

ہاتھ اپنے رہے زیر بغل بعد فنا بھی　　تھی بس کہ ہم آغوشیٔ دلدار کی حسرت

میری آہِ سرد کی تاثیر یہ محفل میں ہے　　جل نہیں سکتا ہے اصلا شمع سے پروانہ آج

میں رہوں محروم وہ دے بوسہ چشم یار پر　　دیکھ یہ اشک آیا روزن دیوار پر

کوچۂ یار میں خوابیدہ اس آرام سے ہوں　　شور محشر کو بھی ہووے گا جگانا مشکل

مجھ کو دکھاؤ آئینہ کوئی دم وقت نزع　　بالیں پہ لاؤ گر وہ رُخ سادہ ہے کہیں

دیدۂ تر سے لگا خط کو نہ اس کے سرور　　یار کے ہاتھ کا لکھا ہے مبادا مٹ جائے

گھبرا کے مے یار کے سرور تو بلائیں　　آسیب کہیں اس رخ روشن پہ نہ آئے

غیر لایا اسے یاں بہر تماشا دم نزع　　دوستوں سے نہ ہوا وہ جو ہوا دشمن سے

عبث ہے نامہ و پیغام کی امید مجھے　　ہزار مرتبہ قاصد جواب لایا ہے

سرور:۔

نام مرزا رجب علی بیگ ۔ آغا نوازش حسین خان المتخلص بہ نوازش کے شاگرد تھے خوشنویسی اور موسیقی سے واقف تھے۔ ان کا کلام ہے:۔

ہے شوق سرور ایسا غالب کہ جو قاصد سے　　کوسوں ہی تلک حالت کہتے چلے آتے ہیں

ذرا دوست جنوں کی دیکھو جو رت　　کیا ہے قبر میں ٹکڑے کفن کو

سعادت:۔

نام سعادت علی ۔ وطن امروہہ ۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد حکومت میں تھے ان کا شعر ہے:۔

یار سے جو رقیب لڑتے ہیں۔ یہ بھی اپنے نصیب لڑتے ہیں

سعید:۔

نام قاضی سعیدالدین خان۔ والد ان کے قاضی القضاۃ نجم الدین علی خان تھے جو کاکوری کے رہنے والے تھے۔ یہ ایک قصبہ ہے لکھنؤ کے قریب۔ یہ بہت صاحب ثروت بااخلاق بامروت باعزت لوگوں میں سے تھے۔ بہت عرصہ تک فتاویٰ دینے کی خدمت ان کے سپرد رہی۔ عزت اور عیش کے ساتھ بسر کی۔ ایک مرتبہ ایسے موقع پر جب کہ ایک انگریز اس نواح میں بہ سلسلہ دورہ آیا ہوا تھا، اُن سے مجھ سے ملاقات ہوگئی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ان کی آنکھ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ لہٰذا وہ خانہ نشین ہوگئے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

بے دماغی اسے ملنے سے ہے زہرِ کیونکہ مری کہ پری کو نہیں خوش آتی ہے انسان کی بو

سکندر:۔

نام خلیفہ محمد علی صاحب مراثی پنجاب کے لوگوں میں سے تھے۔ اُن کے مزاج میں مزاح بہت تھا۔ محمد شاکر ناجی کے شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ شراب بہت پیتے تھے لوگ کہتے ہیں کہ وطن سے سفر کر کے دہلی گئے اور پھر حیدرآباد۔ وہاں وفات پائی اور وہاں کے باشندوں نے ان کی لاش کو کربلا بھیجا تھا۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

قیس صحرا میں رہا کوہ میں فرہاد رہا میں بگولے کی طرح وحشت میں برباد رہا

نہ دیکھا ہو جو کسی نے حباب دریا میں وہ دیکھ لے مری چشم پرآب دریا میں

سحر گذرا چمن میں کون ساغور شید رو یارب کہ شبنم گل کے منہ پر اب تلک پانی چھڑکتی ہے

سلطان:۔

میرے مرشد زادے اور نام اُن کا آفاق مرزا ایزد بخش بہادر عرف مرزا ازلی تھا۔ اُن

کا شعر ہے :۔

دود رکھ دوراں سر سے گردش دوراں مجھے | مت رکھا سے زیر خراب آباد سرگرداں مجھے

سلطاںؔ :۔

نواب نصر اللہ خاں نام مرحوم شریف خاندان ۔ افغانی النسل تھے ۔ ان کی قرابت نواب فیض اللہ مرحوم والی رام پور سے تھی ۔ ان کا شعر ہے :۔

اس لب سے کیا لعل کا جب لگ بلا بر | دیکھا تو نہیں اس کے یہ پا سنگ برابر

سلیماںؔ :۔

نام مرزا سلیمان شکوہ بہادر حضرت شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے تھے ۔ عرصے تک لکھنؤ میں قیام رہا ۔ وہاں کے اکثر شعرا ان کے خوان نعمت سے فیض یاب ہوتے تھے ۔ چند سال ہوئے کہ دہلی آئے ۔ آج کل اکبرآباد دارالخلافہ میں قیام ہے ۔ ان کا کلام ہے :۔

جنازہ تیرے دیوانے کا اس توقیر سے اٹھا | کہ شور نالہ ہر اک خانۂ زنجیر سے اٹھا
گالیاں سیکڑوں ہر بات پہ اب دینے لگے | دیکھیو جھڑتے ہیں کیا منہ سے مرے یار کے پھول
کس طرح لوں میں بلائیں کروں کیوں کر تعظیم | دست و پا اپنے گئے دیکھتے ہی یار کے پھول
رقم گر ایک شمہ اس کو اپنا درد غم کیجے | تو پھر یہ چاہیے سارے نیستاں کو قلم کیجے
برقع نہ اٹھا بزم میں تو منہ سے وگرنہ | حالت ابھی ہو جائے گی تغییر کسو کی

سلیماںؔ :۔

یہ ایک ایسے صاحب ہیں جن کا حال معلوم نہیں ۔ ان کا شعر ہے :۔

تجھ سے ظالم سے ملا دیکھیو طراریِ دل | کچھ بھی دھڑکا نہ کیا ہائے جگرداریِ دل

سلام :-

نجم الدین علی خاں نام۔ ان کے والد کا نام شرف الدین علی خان المتخلص بہ پیام تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے۔ اُن کا شعر ہے :۔

حدیثِ زلف چشم یار سے پوچھ درازی رات کی بیمار سے پوچھ

سودا :-

سردار شعرائے نامور۔ نام مرزا محمد رفیع۔ رہنے والے کابل کے تھے پیدائش جہان آباد میں ہوئی اور وہیں قیام رہا۔ زمانۂ شباب میں لکھنؤ گئے اور وہیں وفات ہوئی۔ ان کی وفات کو کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر کے مقربان بارگاہ میں سے تھے۔ وہ ایک بلند پایہ شاعر اور مکمل استاد تھے۔ فنون شاعری میں سب سے آگے تھے۔ ان کے کلام میں حلاوت و چاشنی ہوتی ہے اور جدت توان کا خاص حصہ ہے۔ ان کے کلام کی مثال ایسے آفتاب کی ہے جس میں گہن نہیں لگتا۔ ان کے مضامین عالی اور خیالات بلند ہوتے ہیں۔ ان کو تمام اصناف شاعری پر پوری قدرت حاصل ہے۔ لیکن یہ جو کہا جاتا ہے کہ ان کے قصائید غزل سے بہتر ہوتے ہیں۔ حقیر کے نزدیک ایک مہمل بات ہے۔ میرے خیال میں تو ان کی غزل قصیدہ سے بہتر اور قصیدہ غزل سے بہتر ہوتا ہے اور یہ قول کہ غزل میں بھرتی کے اشعار ہوتے ہیں اور قصیدہ میں یہ بات نہیں ہوتی۔ اس بارہ میں اس سے زیادہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ اہل تحقیق اس بات سے بخوبی واقف ہیں قدما اور متاخرین کے کلام میں ہر شعر اچھا ہی نہیں ہوتا۔ لہذا کلام میں شترگربگی پائی جاتی ہے۔ خواہ قصیدہ ہو یا غزل۔ ابتدائی دور کے شعرا اور موجدین تمام اصنافِ سخن میں یکساں قدرت نہیں رکھتے اور اس بارے میں وہ بالکل معذور ہیں۔ اس لیے ان پر اعتراض کرنا درست نہیں۔ اس لیے منتخب شعرا کا منتخب کلام پرانے

قائم کرنا مناسب ہے ۔ کہ ان کی قدر و قیمت کیا ہے اور یہی کہا ہے قدوۃ المحققین، شرف الاصل
فخر الافاضل مولانا محمد صدر الدین (خدا ان کو قیامت تک زندہ سلامت رکھے) المتخلص بہ آزردہ
نے اپنے مختصر تذکرہ میں میر تقی میرؔ کے بارے میں ان کے کلام کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے
کہ ان کے ادنیٰ درجے کا کلام کسی قدر پست لیکن بلند بہت اونچے درجے کا ہے۔" اس
رائے کی بنا پر یہ چند سطریں لکھنا پڑیں، اب اصل موضوع کی طرف آتا ہوں

مختصر یہ کہ سوداؔ اقسام شاعری کا جہاں تک تعلق ہے، مثنوی اچھی نہیں کہتے ۔ ذیل قسم
کی ہجویں بہت کہی ہیں اور ان کا یہی طریقہ تھا۔ ان کے مضامین دلآویز ہوتے تھے ان کا دیوان
نظر سے گزرا ہے اس میں سے حسب ذیل اشعار انتخاب کیے گئے ہیں۔

دامن صبا نہ چھو سکی جس شہسوار کا — پہنچے کب اس کو ہاتھ ہمارے غبار کا
دکھلائیے لے جا کے تجھے مصر کا بازار — لیکن نہیں خواہاں کوئی واں جنس گراں کا
ڈھلے تری نگہ سے اگر دل حباب کا — پانی بھی پھر پئیں تو مزا دے شراب کا
کیا کروں گا ہاتھ سے حوروں کے لے کے جام — ہوں میں ساغر کش کسی کی نرگس مخمور کا
زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ پائی کے — کہ جس نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا
چھیڑ مت باد بہاری کہ میں جوں نکہت گل — پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا
سوداؔ قمار عشق میں شیریں سے کوہکن — بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز — اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا
پڑی رہ برق خار آشیاں سے میرے کترا ہوں — اڑے گا دھجیاں ہو کر ترا دامن جو یاں اٹکا
بہنا کچھ اپنی چشم کا دستور ہو گیا — دی بھی خدا نے آنکھ سو ناسور ہو گیا
پھیلے پھرے ہے کب سے خدایا مری دعا — دروازہ کیا قبول کا معمور ہو گیا
سوداؔ کو کہتے ہیں کہ ہے اس سے مصاحبت — کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا
اوروں کی نسبت ان دنوں کچھ لگ چلا تھا وہ — دو چار جھڑکیوں میں بدستور ہو گیا

کر قطع ہاتھ پہلے پھر فکر کر رفو کا — ناصح جو یہ گریباں تو نے سیا تو پھر کیا

تجھ بن عجب معاش ہے سوداؔ کی ان دنوں — تو بھی ٹک اس کو جا کے ستمگار دیکھنا

نے حرف و نے حکایت و نے شعر و نے سخن — نے سیر باغ و نے گل و گلزار دیکھنا

خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب — تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا

یا جا کے اس گلی میں جہاں تھا ترا گذار — لے صبح تا بہ شام کئی بار دیکھنا

تسکین دل نہ اس میں بھی پائی تو بہر شغل — پڑھنا یہ شعر گر کبھی اشعار دیکھنا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجھ کو غیر پاس — پر جو خدا دکھائے سو لاچار دیکھنا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر — مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

صحبتوں کا نہ کرو غیر کی مجھ سے اخفا — کون سی شب تھی کہ میں واں پس دیوار نہ تھا

اتنا ہے تو یوسف سے مشابہ کہ عدم کے — پردے میں چھپا اس کے تئیں تجھ کو نکالا

سوداؔ جو ترا حال ہے ایسا تو نہیں وہ — کیا جانیے تو نے اس کس آن میں دیکھا

یاں پھر اس شرم سے عیسیٰ نے گذارا نہ کیا — چشم خوباں کے جو بیمار کا چارا نہ کیا

اس قدر شیفتہ ہے شکل کا اپنی کہ سدا — آئینہ ہاتھ میں مشرق کو نظر آخر شب

یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گاہے پیام — کچھ بھی اے خانہ خراب اس دل کے بہلانے کی طرح

ساقی گئی بہار رہی دل میں یہ ہوس — تو منتوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس

دل عشق کے شعلے سے جو بھڑکا تو رہا کیا — اے جان نکل جا کہ لگے متصل آتش

اے لالہ گو فلک نے دیے تجھ کو چار داغ — چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ

سننے بھی پائے نہ لب سے ترے دشنام تمام — جنبش لب ہی نے اپنا تو کیا کام تمام

یک دست اگر زمانہ جہاں کے لٹائے گل — سر کو ہمارے خاک نہ دیوے چھپائے گل

ہے شرط ان دلوں کہ بجز حکم عندلیب — کوئی کسی مزار پہ ہرگز نہ لائے گل

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام — ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

بھری ہے دل میں ترے یاں تلک محبت غیر
کہ جا نہیں مرے کینے کو مہر تو معلوم

نہ زر نہ زور نہ طالع نہ تیرے دل میں رحم
جو چاہے تجھ سے یہ دل کامیاب ہو معلوم

عاشق تو نامراد ہے پر اس قدر کہ ہم
دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کر کے ہم

کیا چاہیے تجھے سر انگشت پر حنا
جس بے گنہ کے خون میں چاہیں ڈبوئیاں

تو نے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں

کام ہے چشم کا نظارہ نہ لینا شب و روز
آنکھ خالق نے رقیبوں کو دی تا سو رہیں

بوسہ ہنس کر نہ دیا اس نے سوائے دشنام
سو بھی یہ جب نہ ملا کوئی تو مجبور ہیں

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں

کیا گلہ صیاد سے ہم کو یوں نہیں گذری بعمر
اب اسیر دام ہیں تب تھے گرفتار چمن

کمی ہے توبہ پہ زاہد کہ تجھ کو ویں تو نہیں
بغیر اٹھائے خم ہی مرے منہ سے چل نہیں تو نہیں

ظاہر میں دیکھنے کا کچھ اسباب ہی نہیں
آئے مگر وہ خواب میں سو خواب ہی نہیں

جی تنگ تو دے کے لوں کہ تو ہو کارگر کہیں
اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں

ہوتی نہیں ہے صبح نہ آتی ہے مجھ کو نیند
جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہے مر کہیں

ساقی ہے یک تبسم گل فرصت بہار
ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں

کوئی جو پوچھتا ہو تو کس پر ہے داد خواہ
جوں گل ہزار جائے گریباں دریدہ ہوں

سخت مشکل ہے کہ ہر بات کنایہ سمجھو
ہے زبان میری بھی گفتار کروں یا نہ کروں

لخت جگر آنکھوں سے ہر آن نکلتے ہیں
یہ دل سے محبت کے ارمان نکلتے ہیں

سو نیوں ہوں جس کو منصفی رکھے ہے جرم میرے سر
بس کہ ہوتی ہے تجھ کو راہ خانہ بہ خانہ کو بہ کو

سُن کے یہ کہتا ہے میرے نالۂ جانکاہ کو
کیوں مجھے ایسا بنایا کیا کہوں اللہ کو

اس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا ہمیں / اے الفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو

احوال مرا کہہ کہ معذور کیا اس کو / اغیار تو تھے ہی تھے پر یار بہت تحفہ

مقتل پہ مرے آکر انصاف لگا کرنے / تقصیر سے یاں آگئے تقدیر نظر آئی

جو طبیب اپنا تھا دل اس کا کسی پر زار ہے / مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

اب تو میں چھوڑنے کا نہیں اس کو ناصحا / ہوئی جو کچھ تھی قبلہ حاجات ہو گئی

پیمانہ بھرنے دیر لگائی تو ہے وہ لے / دھڑکے ہے دل کہ یہ نہ کہے رات ہو گئی

مستی سے اس نگاہ کی لے محتسب خبر / دنیا تمام بزمِ خرابات ہو گئی

سودا کسی کو وہ تو ستائے نہ بے سبب / کیا جانیے کہ تجھ سے کوئی بات ہو گئی

مت پوچھ یہ کہ رات کٹی کیونکر مجھ بغیر / اس گفتگو سے فائدہ پیارے گذر گئی

سودا جہاں میں آکے کوئی کچھ نہ لے گیا / جاتا ہوں ایک میں دل پر آرزو لیے

یوسف تجھے کہہ بیٹھے زلیخا تو کہوں کیا / عاشق وہ ہوئی واں کہ جہاں جائے ادب ہے

انصاف کس کو سونپیے اپنا بجز خدا / منصف جو بولتے ہیں سو تجھ سے ڈرے ہوئے

ایک غماز نے اس ترک پسر سے یہ کہا / ہے جو سودا کوئی شاعر وہ ترا مفتوں ہے

سن کے بولا یہ کہو میری طرف سے اس کو / باندھنا خوں پہ کمر اپنا نیا مضموں ہے

دل لے کے ہمارا جو کوئی طالب جاں ہے / ہم بھی تو سمجھتے ہیں کہ جی ہے تو جہاں ہے

عجب بیداد حسرت یہ مری صیاد کرتا ہے / دکھاتا ہے مجھے اس کو جسے آزاد کرتا ہے

عیاں ہے شوق ملنے کا مرے نامے کے کاغذ سے / کہ جب لکھوے ہے تو اس کو تو وہ لپٹا ہی جاتا ہے

قاصد کو اپنے ظالم جو کچھ میں دوں بجا ہے / جینا پھرے تو اجرت ورنہ یہ خوں بہا ہے

ترا غرور مرا عجز تا کجا ظالم / ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے

گذرا ہے کس کی نعش پہ ظالم تو بے خبر / دامن کے ساتھ ساتھ تری گرد ہے سو ہے

سودا چوں شمع نہیں گرمیِ بازار مجھے / ہوں میں وہ جنس کہ آتش ہے خریدار مجھے

بے قسم مجھ کو فلک دے تو جہاں تک چاہے
جلوۂ حسن رہے حسرت دیدار مجھے

نہ ضرر کفر کو نہ دیں کا نقصاں مجھ سے
باعث دشمنی اے گبرو مسلماں مجھ سے

تصور میں تری کھیو صبا اس لاؤ بالی سے
گلے لگ لگ میں رو یارات تصویر نہالی سے

ہزاروں نیش زن پاتا ہوں یاں کام میں آئے
ترے گھر سے تو ظالم خانۂ زنبور بہتر ہے

کیا ضد ہے مرے ساتھ خدا جانے وگرنہ
کافی ہے تسلی کو مرے ایک نظر بھی

بے خوابی سے مرتا ہے شب ہجر میں سوؔدا
اب کہنے کو افسانہ کوئی نوحہ گر آ ئے

میں بھی ہوں ضعیف اس قدر اے مہر کہ وہ اب
گذرے مرے سر سے جو ترے تاکمر آئے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

قاتل ہماری نعش کی تشہیر ہے ضرور
آئندہ تا کوئی نہ کسی سے وفا کرے

کم بولنا ادا ہے ہر چند پر نہ اتنا
مند جائے چشم عاشق تو بھی وہ لب نہ کھولے

پیش از ظہور مرغ چمن خادمان عشق
بٹتے تھے رشتہ رگِ گل دام کے لیے

سوزؔ :-

محمد میر نام۔ وطن لکھنؤ۔ فن تیر اندازی سے خوب واقف تھے۔ خط شفیعا و نستعلیق عمدہ لکھتے تھے۔ پسندیدہ طرز سے اشعار پڑھنے میں بہت مشہور تھے۔ ان کا کلام جادۂ مستقیم سے دور تھا۔ نمونۂ کلام یہ ہے :-

اہل ایماں سوزؔ کو کہتے ہیں کافر ہو گیا
آہ یارب رازِ دل ان پر بھی ظاہر ہو گیا

تڑپتی کیوں ہے اے بلبل کہاں تا تو پیدا کر
کہ تیرا اشک جس جا گر پڑے گلزار ہو پیدا

قاصد سے تو پوچھا تھا کہ بھیجا ہے تو کس کا
دہشت سے اسے یاد مرا نام نہ آیا

غیر سے مل کیوں کہ ہم چشموں میں پھر ہوگے دوچار
آئینہ تک منہ دکھانا تم کو مشکل ہوئے گا

قتل سے یہ بے گنہ راضی ہے اپنے اس لیے
ہاتھ میں اک روز تو دامانِ قاتل ہوئے گا

کعبہ ہی کا اب قصد یہ گمراہ کرے گا — جو تم سے بتو ہوگا سو اللہ کرے گا

ہم اس سے شب جو بگڑ گئے تو خفا ہو مجھ کو رلا دیا — دل میں ہی کیا ہوں کہ رونے میں یہ بنایا منہ کو ہنسا دیا

جن کے نالے پہنچتے ہیں تجھ تک — کاشکے میں ان کا نامہ بر ہوتا

سوز کیوں آیا عدم کو چھوڑ کر دنیا میں تو — واں تجھے کیا تھی کمی یاں تجھ کو کیا درکار ہے

یہ سب باتیں ہیں قاصد یار میرے گھر نہیں آتا — نہ دیکھوں جب تلک آنکھوں سے کچھ باور نہیں آتا

رخصت جو دے تو مجھ کو تو میں تیرے پاؤں کا — بوسہ لوں اس طرح کہ حنا کو نہ ہو خبر

میں اگر قید حیا سے چھوٹوں — ناصحا تیری بلا سے چھوٹوں

الٰہی دل میں کس دوست کے صفا نہ رہی — ہمارے عکس کے آئینہ میں بھی جا نہ رہی

کھینچ کر تیر مار بیٹھے بس — سوز ہے یا نگاہ ہے کیا ہے!

لوگ کہتے ہیں مجھے یہ شخص ہے عاشق کہیں — عاشقی معلوم لیکن دل تو بے آرام ہے

اشک خوں آنکھوں میں آ کر جم گئے — دور کے بھی دیکھنے سے ہم گئے

سر زانو پہ ہو اس کے اور جان نکل جائے — مرنا تو مسلم ہے ارمان نکل جائے

منہ دیکھو آئینہ کا تری تاب لا سکے — خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے

دامن تلک تو تیرے کہاں دسترس مجھے — تیری گلی کی خاک ہی ہوں تو ہی بس مجھے

سوزاں

نام مرزا احمد علی شوکت جنگ۔ والد کا نام مرزا علی خاں عمدہ لکھنؤ کے بزرگ زادوں میں سے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

فرقت میں اس کے سوزاں ناحق تو جان دے ہے — اس بے وفا کو غم ہے مرنے سے کیا کسو کی

سہراب:۔

نام سہراب بیگ۔ شاہجہان آباد کے رہنے والے تھے۔ فن رمل میں بہت مہارت رکھتے

تھے۔ کچھ عرصہ تک شاہ نصیر سے اصلاح لیتے رہے ۔۔۔۔ ان کا کلام ہے:۔

نہ ہوئی کوئی شب وصل میسر ورنہ — دیکھتے شوق محبت سے میں کیا کیا کرتا

ہم آئے بہ تنگ زیست سے پر — اے خانہ خراب تو نہ آیا

تا عمر ہم رہی تری ۔ چھوڑیں گے ہم نہیں — ہیں سایہ وار ساتھ ترے گو بہم نہیں

کس دن نہیں خیال دہان و کمر مجھے — وہ روز کون سا ہے جو سیر عدم نہیں

یہ عجب ہے کہ نہ تو سیر تماشا نکلے — ایک عالم ترے شیدا کا تماشائی ہے

سیادت :۔

نام میر مجاہد الدین ۔ میر نظام الدین ممنون کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا شعر ہے:

مثل نسیم صبح پھرا میں تو ہر کہیں — پر وہ گل شگفتہ نہ آیا نظر کہیں

سید :۔

نام میر غلام رسول۔ مشائخ مرادآباد میں سے تھے ۔ ان کا شعر ہے :۔

خوبرویوں کے تو ملنے سے تو باز آئیں گے — یہ تو بد خو نہیں جائیں گے مگر جان کے ساتھ

سید :۔

نام میر قطب علی اور قطب عالم کے نام سے مشہور تھے۔ سکندرآباد کے رہنے والے تھے ۔ انھوں نے طب کی کچھ کتابیں پڑھی تھیں اور علاج معالجہ کرتے تھے ۔ ان کا شعر ہے:

جادو کرے ہے شہر میں سید کا ریختہ — دیکھو سکندرہ بھی بنگالہ بن گیا

سید :۔

نام میر غالب علی خان : ۔ سید الشعرا خطاب تھا۔ جلیل النسب سید تھے

دفتر شاہی کے انشا پردازوں کے افسر تھے۔ اپنے زمانے کے صاحبان مجمع احباب میں رونق محفل سمجھے جاتے تھے، مدت ہوئی کہ وفات فرما چکے ہیں۔ حضور والا کے نقیبوں میں سے اکرام نامی شخص نے لاہوری دروازہ کے باہر ایک سرائے بنوائی تھی۔ جس کا نام "امیر ملا سرائے" تھا۔ اس کی تاریخ بہت لطافت و پاکیزگی سے کہی تھی۔ اس عمارت کا اب نام و نشان بھی باقی نہیں ہے۔ وہ یہ ہے ؎ اخشب کرمی کن بسرائے اکرام۔ ان کا کلام یہ ہے:-

یہ غازہ و گلگونہ ہے نہ رنگ حنا تو
اے خوں شدۂ دل تو کسی کام نہ آیا

سبب کیا پوچھتے ہو مجھ سے میرے زار رونے کا
کسی کو کچھ مرض ہے مجھ کو ہے آزار رونے کا

سیّد سے یہ عداوت اللہ رے کفر اے بت
پڑھنے جنازہ اس کا سب آئے تو نہ آیا

زلف و کاکل خط و خال ابرو چشم و گیسو
اس دل زار کو کس کس نہ بلا نے چاہا!

نہ ہیں گردوں نہ سنگ آسیا ہم
پھرے رہتے ہیں گردش میں سدا ہم

جب نہ بت شکل بتاں اس میں نظر آتی ہے
دل کو اللہ کا کس رو سے مکاں کہتے ہیں

یہ وہ حرکت دل کی جو ہے عشق میں کچھ ابھی ہے
وہ مرض اور ہے جس کو خفقاں کہتے ہیں

میں اور ترک عشق یہ امکان ہی نہیں
ناصح کے پند سننے کو یاں کان ہی نہیں

جو آنکھ اور سے وہ لڑا جانتے ہیں
تو ہم بھی کہیں دل لگا جانتے ہیں

یارو مری بالیں سے نہ اٹھو نہ جدا ہو
حالت مری اچھی نہیں کیا جانیے کیا ہو

بنائے کفر و دیں اک تار سے ہے
کہ سبحہ منعقد زنار سے ہے

تیغ قاتل کی مرے تن ہی نے لذت جانی
کہ بھر آئے ہے ہر زخم کے منہ میں پانی

ابرو کے اشارے ترے لڑتے ہیں کسی سے
تلوار ابھی بزم میں چلتی ہے کسی سے

حرف الشین

شاؔد :-

نام اللہ یار بیگ ۔ کیانی نسب کے تھے اور غلام ہمدانی مصحفی کے شاگرد تھے ۔ ان کا کلام ہے :-

اگر چاک سینے کا ہم وا کریں — تو ہنگامۂ حشر برپا کریں
گلعذاروں کی بے وفائی کا — داغ دل پر مرے نشانی ہے

شاؔد :-

سکندر آباد کے ایک برہمن تھے ۔ اُن کا شعر ہے :-

اس رنگ سے چنبیؔ کا پڑا جس زمیں پہ عکس — چنپا کے پھول اگتے ہیں اس جا بہار میں

شاؔد :-

بڈھانہ کے رہنے والے تھے ۔ نام معلوم نہیں ۔ حیدرآباد بھی گئے تھے ۔ ان کا کلام ہے

یاد سے جو کہیں دل کے مرے تک خبر آتش — پھر رَشک سے لوٹا کرے انگاروں پر آتش
خوں ٹپکے تھا آنکھوں سے گئے چھڑنے شرر بھی — کامل ہوئے فن اپنے میں یہ دیدۂ تر بھی

شاؔد :-

میر احمد حسین ۔ ان کے بزرگ سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت میں حجاز سے ہندوستان

آئے ۔ اور فی الحال شکوہ آباد میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کا شعر ہے ۔ ۔

لب ہلاؤ کبھی بس ایسی بھی رعنائی کیا ‏ ‏ ‏ ‏ کام آئے گی قیامت کو مسیحائی کیا

شاداب :۔

نام خوشوقت رائے ۔ چاندپور کے رہنے والے تھے ۔ قائم کے شاگردوں میں سے تھے ۔ ان کا شعر ہے : ۔

جب تلک ہو کام مژگاں سے تو ابرو مت چڑھا ‏ ‏ ‏ ‏ تیر کے ہوتے کوئی کھینچے بھی ہے تلوار کو

شاداں :۔

میر رجب علی نام ۔ بھوری خاں آشفتہ کے شاگردوں میں سے تھے ۔ یہ ایک درویش منش انسان تھے ۔ ان کا شعر ہے : ۔

دل نہ دیجے آہ شاداں عقل ابتر کو کبھی ‏ ‏ ‏ ‏ یاد ہے نکتہ مجھے یہ حضرت استاد سے

شاکر :۔

نام شاہ شاکر علی ۔ دہلی کے رہنے والے تھے ۔ ایک صاحبدل درویش تھے ۔ ان کا شعر ہے ۔

اس کی آنکھوں نے نہ اک خلق کو بیمار کیا ‏ ‏ ‏ ‏ زلف نے بھی دل عالم کو گرفتار کیا

شاکر :۔

ان کے بارے میں سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہیں ہوا کہ وہ محمد علی حشمت کے شاگردوں میں سے تھے ۔ ان کا کلام ہے : ۔

کیا پوچھے ہے حال بلبلوں کا ‏ ‏ ‏ ‏ جوان پہ گذرنی ہے گذرے

گلچیں تجھے کیا تری بلا سے | گل توڑ کے تو تو گود بھر لے

شاہ :

نام شاہ سعد اللہ ۔ ایک خستہ جان، صاحبدل درویش تھے ۔ ان کا کلام ہے :۔

وابستہ ہے تجھ سے اپنی یاں زیست | جب تو ہی نہیں تو پھر کہاں زیست
کبھی ہے اس قدر آنکھوں میں خوبصورت یار | کر رہ گیا نظر آنے سے خوب ذشت مجھے

شائق :۔

نام محمد ہاشم ۔ میر عزت اللہ عشق کے شاگردوں میں سے تھے ۔ خیاطی کر کے زندگی بسر کرتے تھے ۔ ان کا کلام ہے :۔

سراپا اس پری میں لطافت بے صفائی ہے | تصدق میں ہم اس کے جس نے یہ صورت بنائی ہے
موسم گل کی خبر سنتے ہی بس آئیں گے | ہو گئی اور ہی صورت ترے دیوانے کی

شائق :۔

نام میر حاجی ۔ میر ہدایت علی کیفی کے شاگرد تھے ۔ اوصاف حمیدہ کے حامل ۔ فن موسی (کیمیا گری) میں دستگاہ رکھتے تھے ۔ اُن کا کلام ہے :۔

نہ پوچھو یاں کی آسائش کہ ہم اس بحر ہستی میں | حباب آسا کوئی دم کے یہاں مہمان بیٹھے ہیں
اس سنگ دل کے دل میں ذرا بھی نہ راہ کی | تاثیر ہم نے دیکھ لی بس اپنی آہ کی

شائق :۔

نام پیر محمد ۔ شروع میں ہاشمی نام شاعر کے ۔ شاگرد تھے ۔ بعد میں جرأت کے سامنے

زانوئے ادب تہ کیا۔ ان کا شعر ہے:۔

تماشا دیکھ کے جراح کے مرہم لگانے کا ہمارے زخم ٹانکے توڑ کر کھل کھل کے ہنستے ہیں

شائق:

نام محمد نذیر الدین حسن۔ والد کا نام شاہ غلام محی الدین۔ رومی سرہندی۔ بریلی کے شیخ زادگان میں سے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

چین اس دل کو نہ اک آن ترے بن آیا دن گیا رات گئی رات گئی دن آیا

شرف:۔

نام شرف الدین بیگ۔ لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

مژگاں اس کے برچھیاں ہیں یا خنجر ہیں یا بھالے ہیں سینہ سپر یاں ہم ہی ہیں سب اپنے دیکھے بھالے ہیں

شرف:۔

نام شرف الدین —— اس جگہ پر جہاں کے متعلق قدم شریف کا ہونا مشہور ہے۔ ان کا مکان تھا۔ گھوڑ کی روانگی ان کے متعلق تھی۔ زیادہ تر مناقب اور مراثی کہتے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

اب دن پھرے ہمارے یہ ہم پہ عیاں ہوا وہ مہ جبیں جو رات کو پھر مہرباں ہوا

شرف:۔

نام میر محمدی۔ والد کا نام سید جعفر خاں تھا۔ یہ مرشد آباد کے صوبہ دار تھے۔ ان کا شعر ہے:

یک صفائی طلب ہے بس بہر تسخیر جہاں خاتم دست سلیماں ہے نگین آئینہ

شریفؔ :-

نام مرزا شریف بیگ۔ ایک شریف خاندان کے تھے۔ مزاج میں ظرافت تھی ان کا شعر ہے
شریف رونے پہ آجائیں گریہ دیدۂ تر   تو آبرو نہ رہے کچھ گھٹا برسنے کی

شرافتؔ :-

نام مرزا شرف علی۔ یہ میر مشرف کے پوتے تھے جو مشہور و معروف امرا میں سے تھے لکھنؤ کے رہنے والے اور ممنونؔ کے شاگرد تھے۔ ان کا کلام یہ ہے :۔
چمک کے برق نے کی دل پہ شعلہ باری رات   نظر میں بھر گئی دامن کی وہ کناری رات
ضد ہے تجھے صید افگنی کی جب صنم چڑھ جاے ہے   سیل خون صید تا بام حرم چڑھ جائے ہے

شررؔ -

نام مرزا جعفر۔ حکیم مرزا محمد المتخلص بہ عشقؔ کے چھوٹے بھائی تھے۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ پھر حیدر آباد چلے گئے تھے اور وہیں انتقال کیا۔ اُن کا شعر ہے :۔
اے عشق جگر سوز شرر کی تجھے سوگند   اک شعلۂ جانسوز کہ مشتاق فنا ہوں

شررؔ :-

نام مرزا صادق تھا۔ انھوں نے دنیا ترک کر دی تھی۔ ان کا شعر ہے
سگئے دونوں جہاں کام سے ہم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے   نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

شمریہؔ :-

نام مرزا ابراہیم بیگ۔ نوازش حسین خاں نوازشؔ کے شاگرد تھے۔ ان کا کلام ہے :۔

جھوٹی ہے محبت یاں تم کس کو جتاتے ہو
تقریر میں لکنت ہے کیوں باتیں بناتے ہو

شربت کے سے گھونٹ اب تیری پیتے ہو شربہ دم
یوں اس شکریں لب کی اب گالیاں کھاتے ہو

سامعین کا نہ فقط سننے سے دم رکتا ہے
سرگذشت اپنی جو لکھیں تو قلم رکتا ہے

شورؔی:۔

جوالاپور کے رہنے والے سابقین میں سے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

پھرتا رہے ہے چار پہر مضطر آفتاب
روشن ہے یہ کہ محو ہوا تجھ پر آفتاب

شعلہؔ:۔

نام امرناتھ۔ اصلی وطن کشمیر۔ اور پیدائش لکھنؤ کی۔ پھر قیام بھی یہاں رہا۔ اچھی طبیعت پائی تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

جان دی شعلے نے حسن سبز سے پرہیز کر
حق میں اس بیمار کے پرہیز کرنا سم ہوا

تھے نہ سیماب بہوس نہ طلا زر گر کے ہم
کیا سمجھ کر چرخ نے ہم کو ملایا خاک میں

جلوۂ گلزار ابراہیم آتا ہے نظر
اے بہار حسن تیرے روئے آتش ناک میں

غم اسیروں کے بھی کچھ ہے اندمال زخم کا
باغباں پھول ایک دو رکھ دے قفس کے چاک میں

رخ محبوب کو وہ دیکھتے ہیں عین زینت میں
کوئی خدمت نہیں دنیا میں خوب آئینہ داروں سی

غبار راہ ہیں پرائے ہوائے عالم بالا
فلک پر ایک دن پہنچیں گے ہم اس خاکساری سے

شفاؔ:۔

نام یار علی یہودی النسل۔ ان کا شعر ہے:

جوں ڈاک کے دینے سے دونا گھے ہے یاقوت
چمکا ہے رنگ پاں سے جوہر ترے لبوں کا

شفیع :-

محمد شفیع نام۔ پرانے لوگوں میں سے تھے۔ ان کا شعر ہے :

شام کو جب یاد تیری بات آتی ہے ہمیں ۔۔۔ نیند، کافر ہوں جو ساری رات آتی ہے ہمیں

شفیق :

نام مظہر علی خاں۔ ثناء اللہ خان فراق کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا شعر ہے

آتا نہیں چمن میں، مرا گلعذار حیف ۔۔۔ جاتی چلی بہار ہے یوں ہیں ہزار حیف

شکوہ

نام محمد رضا۔ وطن لکھنؤ۔ مرزا قتیل کی اصلاحوں کے کشتہ۔ نمونۂ کلام یہ ہے :۔

گرچہ کہتے ہو پھر بھی آؤں گا ۔۔۔ ہے یہ انکار ہیں سمجھتا ہوں

نہ اس کا وصل ہی ممکن نہ تاب ہے دل کو ۔۔۔ عجب طرح کا الٰہی عذاب ہے دل کو

تھوڑی بھی نیک و بد کی اگر وہ تمیز رکھتے ۔۔۔ کافر ہو پھر جو اس سے دل کو عزیز رکھتے

شکوہ

نام میر شکوہ علی۔ دادہ میں سکونت تھی۔ اس سے زیادہ حال معلوم نہیں ہو سکا۔ ان کا شعر ہے۔

نہ دم میں دم ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں ۔۔۔ کبھی جو روتے تھے، خوں جم رہا ہے آنکھوں میں

شکیبا :-

نام شیخ غلام حسین دہلوی۔ میر تقی میر کے شاگرد تھے۔ پایہ تخت کے شعرا میں حضور والا

کے متوسلین میں سے تھے۔ پہلا شعر مجھے بہت پسند ہے

نیم بسمل اس نے گر چھوڑا شکیبا غم نہیں | پر یہ غم ہے اختیار دست قاتل اٹھ گیا
چنگا ہوں میں طبیب یہ امکاں ہی نہیں | تو نبض دیکھتا ہے یہاں جان ہی نہیں
تری چین جبیں ہے موج طوفان | اسی سے ہم کنارے ہو رہے ہیں
نہ پوچھو ماجرا ہجراں کی شب کا سخت آفت ہے | مہ تاباں بھی میرے سر پر خورشید قیامت ہے

شنکر :-

نام رادھاکشن۔ قوم کائستھ۔ وطن مراد آباد۔ اُن کا شعر ہے :۔

دیکھ تو اے چشم سیل اشک طغیانی میں ہے | گھر سنبھال اپنا کہ دیوار مژہ پانی میں ہے

شگفتہ :-

نام مرزا بیدار بخت بہادر۔ عرف مرزا حاجی۔ ان کے والد مرشد زادہ آفاق مرزا جواں بخت جہاندار شاہ مرحوم تھے۔ وہ اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ مشرق کے شہروں کی طرف گئے بنارس کی آب و ہوا ان کے موافق آئی۔ اس لیے وہیں مقیم ہو گئے۔ اُن کا شعر ہے :۔

مشکل ہے میری اس کی ہو صحبت برار آہ | میں جلد باز ہوں وہ تغافل شعار ہے

شگفتہ :-

نام مرزا سیف علی۔ شجاع الدولہ بہادر مغفور کے بیٹے تھے۔ کاظم بیگ جوان نے ان کی۔ فن شعر میں راہنمائی کی۔ وہ بہت مروت اور اخلاق کے آدمی تھے۔ ان کا کلام یہ ہے :۔

آنکھیں چرا کے شب وہ بہانے سے اٹھ گیا | حرف مروت آہ زمانے سے اٹھ گیا
خرام ناز ترا بس مری نظر میں رہا | تمام عمر ہی بیٹھا میں رہگذر میں رہا

بوسہ لیتے ہوئے ہم دیکھو ادب کرتے ہیں — گالیاں دیتے ہیں یہ آپ غضب کرتے ہیں
غم نہ کھا اے دل اگر شب زلف کی تاریک ہے — پاس ہے رخ اس کا یعنی صبح بھی نزدیک ہے

آشفتہ :-

نام بدھ سنگھ لوہار تھے۔ بھورے خان آشفتہ سے شاعری کے بارے میں مشورہ کرتے تھے۔
اُن کا شعر ہے :۔

پروانہ وار جل کر گو خاک ہو گئے ہم — پر شمع رو نہ چوکا اپنی شرارتوں سے

شوقؔ :-

شیخ الٰہی بخش نام۔ وطن اکبر آباد۔ مرزا مظفر بخت بہادر ابن مرزا جوان بخت کے نامہ نگاری کے عہدہ پر مامور تھے۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے فارسی اور اردو کے دیوان تصنیف کئے تھے۔ انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ جس کا نام "قوانین سلطنت" ہے۔ جب وہ دارالسلطنت جہاں آباد میں آئے تھے۔ تو اسے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا تھا۔ ان کی وفات ۱۲۱۱ھ میں واقع ہوئی۔ نمونہ کلام یہ ہے :۔

دیکھے جو رنگ اس مژۂ اشکبار کا — دل خجلتوں سے آپ ہوا اسیر بہار کا
اس خاکسار کو کوئی کیوں کر اٹھا سکے — جوں نقش پا جہاں کر یہ بیٹھا وہیں رہا

شوقؔ :-

نام جواہر بیگ۔ وطن لکھنؤ۔ مصحفی کے شاگرد تھے۔ فن لغز اور معمہ سے واقف تھے۔ مشہد مقدس گئے تھے۔ ان کا کلام ہے :۔

تجھ بن قلق ہے بستر غم پر تمام رات — تڑپا کیا مرا دل مضطر تمام رات

ہمارا حال زار اے شوق وہ آکر اگر دیکھے | یہ کیا ممکن ہے جو آنسو نہ چشم یار سے ٹپکے

شوق :-

نام قدرت اللہ۔ افاضل میں شمار ہوتا تھا۔ (از باشندگان قصبہ موی) سے تھے۔
ان کا یہ شعر دیکھنے میں آیا اور لکھ لیا گیا۔

اے خدایوں بھی کبھی تیری خدائی ہوگی | کہ مجھے اس کی جدائی سے جدائی ہوگی

شوق :-

جہاں آباد وطن تھا۔ وہ سودا کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا شعر ہے :۔

دامن کو ترے خون زر سے ہی بھر بھرے | چھوٹے نہ اپنا عشق تو قاتل مرے ہوئے

شوق :-

نام حسن خان۔ افغانی النسل تھے۔ سراج الدین علی۔ خان آرزو کے شاگردوں میں سے
تھے۔ ان کا کلام یہ ہے :۔

دکھا دیدار اے پیارے کریں فرقت سے جگ ندا | مرا فردائے محشر آج ہے میں کل سے درگذرا
مدت سے یہ بحث درمیاں ہے | پر مسلم نہیں کمر کہاں ہے

شوق :-

مسوگی لال نام۔ ان کا کلام ہے :۔

کہیں مرقد پہ آنکلا بت ایمان شکن میرا | گلے میں ہو گیا زنار ہر تار کفن میرا
کہیں وہ شوخ بھی آجائے لڑکوں میں تماشے کو | مبارک جب مجھے اے شوخ ہو دیوانہ پن میرا

شوقؔ:-

نام روشن علی۔ علم موسیقی میں کمال حاصل تھا۔ ان کا کلام ہے:-

گردش چشم دکھانا نہ گل اندام کہیں ورنہ ٹوٹے گی صراحی کہیں اور جام کہیں
عقدۂ دل نہ کھلا دامن تدبیر کے ساتھ آخرش کام پڑا پنجۂ تقدیر کے ساتھ

شوقؔ:-

نام محمد بخش۔ مفصل حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ ان کا شعر ہے:-

اے شوقؔ اچھا ہے وہ شیشے کو نیتے ہیں منظور کسی کی تو اسے دل شکنی ہے

شوقؔ:-

نام غلام رسول۔ وطن جہاں آباد۔ حافظ قرآن تھے۔ اسی کی برکت سے شکم فاقہ سے بچاتے ہیں۔ عزیز آباد کی مسجد کی امامت حضرت ولی عہد بہادر نے سپرد کی تھی۔ بچوں کو تعلیم بھی دیتے تھے۔ شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ ان کا زیادہ تر کلام ان کے استاد کی روش پر ہے ہزاروں زحمتوں کے بعد ایک شعر اس رسالہ میں تحریر کیا جاتا ہے:-

لکھا ہوا تھا یہ اس مہ جبیں کے پردہ پر نہیں ہے کوئی اب ایسا زمیں کے پردے پر

شوکتؔ:-

نام حنیف علی۔ والد کا نام میر رستم علی۔ وطن بجنور تھا۔ فن شعر گوئی عشرت بریلوی سے حاصل کیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ بنارس میں ایک انگریز سے بہت گہرے تعلقات ہو گئے تھے۔ اس کے طمع دلانے سے لالچ میں مبتلا ہو کر، اسلام چھوڑ کر نصاریٰ کی روش اختیار

کرلی - اب میرٹھ میں ان لوگوں کے بچوں کو تعلیم دے کر بسر اوقات کرتے ہیں اور اپنا نام خلیفہ مسیح رکھا ہے ۔ یہ اشعار انہی حضرت کے ہیں ۔

کاٹ ہے جو ابروئے خم دار میں ۔ ہے یہ برش کب کسی تلوار میں
مجھ میں اور یار میں ہے معرکہ آرائی آج ۔ سرخ رو رکھیو تو اے دیدۂ خونبار مجھے

شورؔ :-

نام مرزا محمود بیگ عرف ملو بیگ ۔ ایک ایرانی خاندان سے تھے اور ان کی ولادت اسی شہر جنت نظیر میں ہوئی اور یہیں کے ایک معرکے میں مارے گئے ۔ سپاہی پیشہ اور معقول انسان تھے ۔ ان کا کلام ہے ۔

اک آہ سرد بھرنا اور دل کو تھام لینا ۔ ہوتا ہے گاہے گاہے یوں تیرا نام لینا
وہ قتل کو ہمارے ارشاد کر رہے ہیں ۔ یاں کلمۂ شہادت ہم یاد کر رہے ہیں
غضب آنکھیں ستم ابرو عجب منہ کی صفائی ہے ۔ خدا نے اپنے ہاتھوں سے تری صورت بنائی ہے

شورشؔ :-

نام غلام احمد ۔ والد کا نام محمد اکبر ۔ قبالہ نویسی پیشہ تھا ۔ جوان دشوریدہ سر انسان تھے کبھی کبھی شعر کہتے اور مومن خان سے اصلاح لیتے تھے ۔ مجھ سے بھی ملاقات تھی ۔ نمونۂ کلام یہ ہے : ۔

نامہ جو نیا لائے ہے قاصد تو صنم کا ۔ ایمان نہ کھوتا کسی مایوس کرم کا
کیا جانے عدو خون جگر پینے کی لذت ۔ شورش سے مزا پوچھیے تلخ آب الم کا
کھو رکھے گا مجھ کو میرا دیدۂ تر ایک دن ۔ شمع ساں گھل جائے گا یہ جسم لاغر ایک دن
کیا قیامت ہے کہ روز حشر ہے ہر روز ہجر ۔ تھا قیامت کے لیے یارب مقرر ایک دن

جب وہ بے خواب غم دوری اغیار سے ہو — شکوہ پھر کیوں نہ مجھے طالع بیدار سے ہو

چشم عاشق سے جو دریا کو کوئی دے تشبیہ — بس وہیں رونے کا ہو جائے بہانا مجھ کو

ہمدم شب ہجراں میں اجل ہے تو نہیں ہے — حال اپنا کہیں کیا درو دیوار کے آگے

تا خواب میں بھی جلوہ فروزاں کے نہ ہو تو — ہم کوچۂ اغیار میں فریاد کریں گے

شورش :-

نام میر غلام حسین ۔ وطن عظیم آباد۔ میر باقر حزیں سے اصلاح لیتے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اردو شعرا کا ایک تذکرہ تیار کیا تھا۔ ان کی وفات ۱۲۰۰ھ میں بتائی جاتی ہے :۔

رقیب گرچہ بہت برخلاف ہے شورش — ہوا کرے ہمیں ہے اپنے یار کام سے کام

شہرت

جرأت کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کا شعر ہے :۔

دل ڈھونڈتے ہو پاس مرے دل کو کہاں ہے — اک شعلۂ آتش ہے کہ پہلو میں نہاں ہے

شہرت :۔

نام امیر بخش۔ والد کا نام عیسیٰ خاں۔ اپنے باپ کے ہمراہ دکن گئے تھے۔ شاعری کے سہارے سرکار دیوان چندو لعل کے ملازم ہو کر انعام و اکرام حاصل کرتے رہے۔ فن شعر ثناء اللہ خان فراق سے حاصل کیا تھا۔

حیرت پڑی ٹپکتی ہے شمع مزار سے — آئینہ کو جلادو ہمارے غبار سے

شہامت :۔

نام شہامت علی۔ مشرقی شہروں کے ایک درویش تھے۔ ان کا شعر ہے :۔

یاد حق گر ہو نہ دل میں تو ہو تلب نفس شوم
برہم ہو جاتا ہے وارث خانۂ ویران کا

شہید:

شہید تخلص کے شاعر، میر و سودا کے ہم عصر تھے۔ ان کا کلام ہے:۔

گئے برباد اپنے نالۂ فریاد یا قسمت
بہار آخر ہوئی تب ہم ہوئے آزاد یا قسمت

شہید آخر مقدر تھا ہمیں حسرت میں جی دینا
ہمارے سر پر آکر پھر گیا جلاد یا قسمت

شہیدی:۔

نام کرامت علی۔ وطن لکھنؤ۔ اچھی طبیعت پائی ہے اور فن عروض میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں اور حساب اچھا جانتے ہیں۔ پنجاب اور گجرات کے شہروں میں زیادہ رہے ہیں کبھی کبھی دہلی آتے تھے۔ دہلی میں راقم سے متعدد مرتبہ ملاقات ہوئی ہے۔ بے تکلف قسم کے وارستہ مزاج اور وسیع المشرب آدمی تھے۔ آزادانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ ان کا کلام ہے:۔

قدر سب چاہنے والوں کی ترے دیکھ چکے
خوار رہتا ہے پرانا تو پشیمان بنا

گر کچھ مزا ملا تو شہیدی اسی کے ہاتھ
خنجر تو یوں گلے پہ مرے بارہا پھرا

کانوں سے سنا کرتے تھے ہم جادو ہے اک شے
آنکھوں سے تری نرگس فتاں نے دکھایا

عام ہیں اس کے تو الطاف شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

ہم نہ پہنچے اپنے مطلب کو نہ پہنچے پر خدا
یہ نہ سنوائے کہ مطلب غیر کا حاصل ہوا

جلد انصاف چکا خلق کا اے داور حشر
پھر قیامت ہے جو وہ شوخ ستمگر آیا

نام مرنے کا سنے سے جسے غش آتا ہو
وہ شہیدی کے جنازے پہ مقرر آیا

وعدۂ شام پہ کی ہم نے عبث جاگ کے صبح
وہ اسی وقت نہ آتے اگر آنا ہوتا

ظالم کبھی تو بام پہ آجا کہاں تلک
بہلائے جی کوئی در و دیوار دیکھ کر

شہیدی میں تو کیا ہوں لے کے بوسہ سنگ اسود کا
کیا خوشنود اس بت نے خدا کو ایک بوسے میں

دل کے جانے کا شہیدی حادثہ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ اگر ہم عمر بھر رویا کیے

شیدا

شیدا تخلص ہے ان کے حالات نہیں معلوم ہو سکے۔ یہ معلوم ہے کہ مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

کرتے ہو کیوں سبک تم در سے ہمیں اٹھا کے
کیا میرے بیٹھنے کا خاطر پہ بار گذرا

شیدا:

(تحریر کلام)
نام خواجہ بیگا۔ ان کی اصل کشمیری ہے فن علاقہ بندی سے واقف ہیں میر محمدی بیدار کے تلامذہ میں سے ہیں

جانیں مشتاقوں کی لب تک آئیاں
بلبے ظالم تیری بے پروائیاں

جا کان میں باتوں کے بہانے لیا بوسہ
دیوانہ ہوں شیدا میں بڑا کام کیا ہے

شیدا:۔

نواب معین الدین خاں۔ نام نواب فخر الدین خاں مرحوم۔ المتخلص بہ نظام کے پوتے تھے۔ ان کی جلالت و بزرگی سے ہر خاص و عام واقف تھا۔ کالپی میں سکونت تھی کبھی کبھی جہاں آباد بھی آئے تھے۔ ان کے تھوڑے سے اشعار ہاتھ لگے جن کا انتخاب یہ ہے:۔

اتنا نازک ہے مزاج اے بت کافر تیرا
کہ تڑپتا نہیں دل کھول کے بسمل تیرا

بیٹھا رہتا ہے جو زانو پہ جھکا کے شیدا
پاؤں سے کس کے سر ایسا ہی رہا ہل تیرا

جواب زبانی بھی اس کا نہ آیا
دیے میرے ہی خط مجھے سب نے لاکر

شمع یک شنڈی اٹھی بزم سے اس کی پر ہم
اٹھے تو جل کے اٹھے بیٹھے تو جل کر بیٹھے

شیفتہ

شیفتہ پرانے شاعر ہیں۔ ان کا شعر ہے:۔

عید کے دن بھی نہ دیکھا اس ہلالِ ابرو کو آہ　　چاند دیکھا ہم نے لیکن منہ نہ دیکھا چاند سا

شیفتہ

نام حافظ عبد الصمد۔ اہل علم کے خاندان سے تھے۔ سپاہیانہ وضع کے آدمی تھے اور فن نظم بھوری خاں سے حاصل کیا۔ ان کا شعر ہے:۔

بے سبب کاکل شکیں کو پریشاں نہ کیا تھا　　منہ چھپانا تھا اگر تو یہ بہانا کیا تھا

شیفتہ

یہ راقم کا تخلص ہے۔ اپنی کم مایگی کی بنا پر چاہتا تو نہ تھا کہ شاعروں کے زمرے میں شامل ہوں۔ لیکن اس امید پر کہ ارباب کرم میرے عیب کو ہنر خیال کریں گے اپنے کلام سے جو میرے کردار کے مثل اچھا نہیں ہے۔ ان کی سمع خراشی کرتا ہوں۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم　　بداں را بہ نیکاں بہ بخشند کریم

تو ہم از بدی بینی اندر سخن　　بخلق جہاں آفریں کار کن

اور اس سے قبل کہ اپنا کلام پیش کروں، اپنا حال عرض کرتا ہوں۔

میں بچپن سے اس شغل سے دلچسپی رکھتا تھا۔ میں نے بہت وقت اس کے پیچھے برباد کیا۔ کیونکہ ہر اس شخص کو جسے شاعری سے دلچسپی ہوتی ہے وہ دوسرے بلند اشغال اور عمدہ فنون سے باز رہتا ہے۔ اب تو عرصہ سے مجھے از شعر و شاعری سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ مگر اس وقت جب کہ ہم مذاق لوگ تحریک کرتے ہیں۔ ادھر توجہ کر لیتا ہوں اور وہ بھی کبھی کبھی نیا کلام کہنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ مگر مہینوں کے بعد نہیں بلکہ برسوں کے بعد ایسا اتفاق ہوتا ہے۔ اور جب ریختہ شاعری کے دلدادہ مجبور کرتے ہیں تو ریختہ کی طرف توجہ کرتا ہوں، اور اسی طرح فارسی کلام کے دلدادگان کی توجہ دلانے سے ادھر توجہ کرتا ہوں۔ مراتب سخن میں اگرچہ میری ایک روش خاص ہے لیکن طبیعت کو ہر روش سے ایسی مناسبت ہے کہ جس طرز میں کلام کرتا ہوں وہ ہی میری طرز معلوم

ہوتی ہے اور اگر آپ میرے نظم و نثر کے مجموعے پر نظر کریں گے تو میرے اس قول کی تصدیق کریں گے۔ اور یہ جو کچھ ہے، مومن خاں کی بدولت ہے۔ یہ چند اشعار میرے خیالات پریشاں کے آئینہ دار ہیں۔

کوئی بے جان جہاں میں نہیں جیتا لیکن — تیرے رنجور کو جیتے ہوئے بے جاں دیکھا
تم نے کیا جانیے کس ذوق سے دی جان رقیق — کہ بہت اس نے ستمگر کو پشیماں دیکھا
ایک نالے میں ستم ہائے فلک سے چھوٹے — جس کو دشوار سمجھتے تھے تو آساں دیکھا
کیا ہووے شام روز جزا ڈھب نجات کا — باقی ہے انتقام ابھی عشرت کی رات کا
کہتے ہیں جان جانتے ہیں بے وفا مجھے — کیا اعتبار ہے انھیں دشمن کی بات کا
اے مرگ آ کہ میری بھی رہ جائے آبرو — رکھا ہے اس نے سوگ عدو کی وفات کا
اس سے ہیں شکوہ کی جا شکر ستم کر آیا — کیا کروں تھا مرے دل میں سو زباں پر آیا
قبر سے اٹھ کے یہی دھیان مکرر آیا — وہ تو آئے نہیں میں آپ ہی کیوں کر آیا
اے اجل نیم نگہ کی تو مجھے مہلت دے — اہل ماتم میں یہ چرچا ہے کہ دلبر آیا
نہ دیا ہائے مجھے لذت آزار نے چین — دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا
شوق مردن تو ہے پر جینے سے بن آئے گی — شیفتہ ضد پر جو وہ اپنی ستم گر آیا
ہے خراش ناخن غم میں بھی کیا بالیدگی — جو ہلال غرہ تھا سو ماہ کامل ہو گیا
ہاتھ اٹھایا اس نے قتل بے گنہ سے میرے بعد — طالع اغیار سے جلاد عادل ہو گیا

شعلہ رو یار شعلہ رنگ شراب — کام یاں کیا ہے دامن تر کا
نقش تسخیر غیر کو اس نے — خوں لیا تو مرے کبوتر کا
میری ناکامی سے فلک کو حصول — کام ہے یہ اسی ستمگر کا

کیا دوں جواب داور روز شمار کا — ہے اب تلک خیال اسی غفلت شعار کا
گھبرا گئے وہ غیر کے پہلو سے لگ گئے — دیکھا اثر یہ نالۂ بے اختیار کا

کب طالع خفتہ نے دیا خواب میں آنے — وعدہ بھی کیا وہ کہ وفا ہو نہیں سکتا

ایسے جفا کے یار میں پائے مزے کہ بس — منکر ہی ہو گیا میں عذاب الیم کا

بس کہ آغاز محبت میں ہوا کام اپنا — پوچھتے ہیں ملک الموت سے انجام اپنا

ذکر عشاق سے اتنی ہے جو نفرت اس کو — آپ عاشق ہے مگر وہ بت خود کام اپنا

کیوں نہ ہووے تپش دل سے مجھے خواہش مرگ — سب کو دنیا میں پسند آئے ہے آرام اپنا

تاب بوسے کی کسے ویں بھی وہ اب شیفتہ گر — کر چکے کام یہاں لذت دشنام اپنا

آپ جو ہنستے رہے شب بزم میں — جان کو دشمن کی میں رو دیا کیا

غیر ہی چاہیں گے اب اے شیفتہ — کچھ تو ہے جو یار نے ایسا کیا

یاس سے آنکھ بھی جھپکی تو توقع سے کھلی — صبح تک وعدۂ دیدار نے سونے نہ دیا

شب ہجراں نے کہا قصۂ گیسوئے دراز — شیفتہ کو بھی دل زار نے سونے نہ دیا

کب ہمیں حاجت پرہیز پڑی — غم نے کھایا تھا کہ سم یاد آیا

خوبی بخت کہ پیمان عدو — اس کو ہنگام قسم یاد آیا

کس لیے لطف کی باتیں ہیں پھر — کیا کوئی اور ستم یاد آیا

پروانہ بنا میرے جلانے کو وفادار — محفل میں کوئی شمع بدل جائے تو اچھا

پروانہ وار جلنا دستور ہے ہمارا — اس شمع رو پہ مرنا مشہور ہے ہمارا

یاں تک صرف ملامت دل گراں عرض نیاز — سخت جاں ہم کب تھے ورنہ نازنیں نازک نہ تھا

ہائے اس برق جہاں سوز پہ آنا دل کا — سمجھے جو گرمی ہنگامہ جلانا دل کا

ہے نہ سلسلۂ زلف بھی کتنا دل بند — پھنسنے سے پہلے ہی مشکل تھا چھڑانا دل کا

دیکھتے ہم بھی کہ آرام سے سوتے کیوں کر — نہ سنا تم نے کبھی ہائے فسانہ دل کا

معجز حسن سے سب جن و بشر ہیں تسخیر — میری بلقیس کو دعویٰ ہے سلیمانی کا

کسی بیتاب کو دیکھا کہ ہوا گرم عناں — کچھ نیا ڈھب ہے ترے رخش کی جولانی کا

نہ لکھنا تھا غم ناکامی عشق
جواب نامہ بے مدعا کیا

بے پردہ وہ آئے مجھے کس طرح نہ ہووے
اے شیفتہ ہنگامۂ محشر کی شکایت

سونگھ گل ہوش آگیا تھا دیکھ گل پھر غش ہوا
یاد آئی مجھ کو اس چاک گریباں کی بہار

کیا کہیں گے گر ستم دیکھے کر اک بیداد تر
شیفتہ عاشق ہوئے وہ شوق میرا دیکھ کر

میرے آنے سے تم اٹھ جاتے ہو
بزم دشمن میں نہ آؤں کیوں کر

گا بن گیا ہوں صورت دیوار دیکھنا
صورت کسی کی میں سر دیوار دیکھ کر

کہتا تھا وقت نزع کے ہر اک سے شیفتہ
اپنا کسی کو دل نہ دو وفادار دیکھ کر

یہ ناخن و خراش میں بگڑی کہ کیا کہوں
اک دم ہوا جو عقدۂ بند قبا سے ربط

صبح شب فراق گیا لطف مرگ سے
کیا دیر میں ہوا ہمیں زود آشنا سے ربط

بے رحم نہیں جرم و نا قابل بخشش
محروم ہیں کس واسطے تقریر کے مشتاق

لکھتا ہوں زبس آرزوئے قتل میں نامے
ہیں میرے کبوتر بھی ترے تیر کے مشتاق

رہ جائے کیوں نہ ہجر میں جاں آ کے لب تلک
ہے آرزوئے بوسہ بہ پیغام اب تلک

کہتے ہیں بے وفا مجھے میں نے جو یہ کہا
مرتے رہیں گے تم ہی پہ جیتے ہیں جب تلک

ایسے کریم ہم ہیں کہ دیتے ہیں بے طلب
پہنچا دو یہ پیام اجل جاں طلب تلک

یاں عجز بے ریا ہے نہ واں ناز دل فریب
شکر بجا رہا گلۂ بے سبب تلک

تپ پروانے کا مجھ پہ نہ پڑے ڈرتا ہوں
ماہ رو شمع کو ہرگز نہ جلانا شب وصل

تنگ آتا نہ کر اے شوق ہم آغوش کہ وہ
ڈھونڈتے ہیں چلے جانے کو بہانا شب وصل

ہنگام غش جو غیر کو اس نے سنگھائے گل
جنت میں لے چلی مری جاں کو ہوائے گل

خوش ہوں دکھانے لائے گا اس کو کہ غیر نے
بستر پہ میرے کانٹوں کے بدلے بچھائے گل

کب ہوئی خار راہ غیر بھلا
کیوں کھٹکتے ہیں چشم یار میں ہم

نعش پہ تو خدا کے واسطے آ
مر گئے تیرے انتظار میں ہم

افغان چرخ اس کی لپٹ نے جلا دیا
نالے کو ڈھونڈتی ہے صبا اور صبا کو ہم

میں جاں بلب کسی کی اشارت کی دیر ہے
دیکھے ہے اس نگہ کو قضا اور قضا کو ہم

میں تشنہ اور غیر پہ بیداد جلد آ
اے مرگ داد چاہیں گے چل کر خدا سے ہم

کیا جانتے تھے صبح وہ محشر قد آئے گا
شام شب فراق نہ مرتے بلا سے ہم

اے جوش رشک قرب عدو اب قیامت اٹھا
بیٹھے ہیں دیکھ بزم میں کسی التجا سے ہم

کم التفاتیوں کا ہے وہم اہل بزم کو
شرمندہ ہو گئے تری شرم و حیا سے ہم

آنکھوں سے یوں اشارۂ دشمن نہ دیکھتے
ہوتے نہ اس قدر جو نگہبانیوں میں ہم

تزئین میری گور کی لازم ہے خوب سی
تقریب سیر ہی سے وہ شاید گذر کریں

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

دشمن نواز یار و فلک بوالہوس پرست
کس سے جفائے غیر کا یارب گلہ کروں

میں جل گیا وہ غیر کے گھر جو چلا گیا
شعلہ سے استعارۂ آواز پا کروں

کب ہاتھ کو خیال جزائے رفو نہیں
کب پارہ پارہ پیرہن چارہ جو کروں

کیا جانے درد زخم کو گو ہو شہید ناز
جو نیم کشتۂ خنجر رشک عدو نہیں

کچھ اور بے دلی کے سوا آرزو نہیں
اے دل یہ یاد رکھو جو ہم ہیں تو تو نہیں

بے اشک لالہ گوں ہے میں آبرو نہیں
گریہ میں رنگ کیا ہو کہ دل میں لہو نہیں

پھر بھی کہو گے چھیڑنے کی اپنے خو نہیں
عطر سہاگ ملتے ہو وہ جس میں بو نہیں

کیا جوش انتظار میں ہر سمت دوڑیے
بدنامیوں سے ہائے گذر ایک سو نہیں

شکر ستم ہی راس نہ آیا ہمیں کہ اب
کہتے ہیں وہ کہ لائق الطاف تو نہیں

ہرجائی اپنے وحشی کو کس منہ سے کہتے ہو
کیا آپ کا نشان قدم کو بہ کو نہیں

نیرنگیوں نے تیری، یہ حالت تغیر کی
امید زندگی کی کبھو ہے کبھو نہیں

کیا ہو سکے کسی سے علاج اپنا شیفتہ　　اس گل پہ غش ہیں جس میں نکہت کی بو نہیں

چراغ وقف محبت نے کر دیا افسوس　　کہ مجھ کو دوست و دشمن سبھی جلاتے ہیں

تنگ تھی جا گر دل ناشاد میں　　آپ کو بھولے ہم اس کی یاد میں

کیوں کر اٹھتا ہے خدا رنج قفس　　مر گئے ہم تو کف صیاد میں

یاں امید قتل ہی نے خوں کیا　　رہ گئی حسرت دل جلاد میں

یوں کہے سے بگڑ گئے تھے　　دیوانہ میں جان کر بنا ہوں

گر کہیے کہ غیر سے نہ ملیے　　کہتا ہے کہ کیا میں بے وفا ہوں

دشمن کہیں گیا نہ ہوا آنکھوں سے شیفتہ　　اس کی گلی میں آج نشان قدم نہیں

الفت چھپا کے اور بھی شرمندہ میں ہوا　　اظہار عشق غیر سے وہ منفعل نہیں

جو حال پوچھنا ہے تم اس سے ہی پوچھ لو　　مجھ کو دماغ قصۂ غم ہائے دل نہیں

جلا گیا کیا نہ عرض سوزش داغ نہانی میں　　عجب آرام تھا جوں شمع ہم کو بے زبانی میں

عدو سے بات کی اور حرف آیا بے دہانی میں　　غرور حسن کم ہوتا ہے الطاف زبانی میں

دعوی ہے بوالہوس کو عبث مال و جاہ میں　　الماس ریزہ ہی فرش ہیں یاں خواب گاہ میں

رقیب پیتے ہیں کس کس مزے سے جام شراب　　ہمارے دہر میں افسوس اجتناب نہیں

موئے پہ بھی مجھے کس طرح اضطراب نہ ہو　　یہ جور ہیں کہ قیامت کے دن حساب نہ ہو

ہے دل کو شکر وفائے عدو سے بے تابی　　کروں میں کیا گلۂ لطف گر عتاب نہ ہو

ناصحو یوں بھی تو مر جاتے ہیں　　عشق سے مجھ کو ڈراتے کیوں ہو

بوسۂ لب نہ مانگتا دشمن　　منہ لگاتا ہے کون سائل کو

دیکھ کر چشم غضب کو اس کی میں نے رو دیا　　چاہیے پانی ملا لینا شراب تیز کو

کب بری گستاخیاں آداب دان عشق سے　　دیجیے تعزیر اپنے تمکین ہوش انگیز کو

کیوں نہ شادی مرگ ہو ناکام مجھ سا دیکھ کر　　زخم کے منہ میں زبان خنجر خوں ریز کو

خط آزادی لکھا نامہ غیر کو اے جوشِ رشک — پھاڑ ڈالا آپ ہم نے کیسی دستاویز کو

آہ وزاری نارسا شوق اسیری بے اثر — کون لائے آشیانے تک، مرے صیاد کو

اک دم شمشیر سے آزاد سب جاتے رہے — ہم مسیحا جانتے ہیں شیفتہ جلاد کو

اجل نے کی ہے کس دم مہربانی — کہ جب پہلو میں وہ نامہرباں ہے

سحر ان کو ارادہ ہے سفر کا — قیامت آنے میں شب درمیاں ہے

دیت اہل فلک کے درہم داغ — کہ تیر نالہ اپنا خوں چکاں ہے

انصاف اے خدائے دو عالم کہاں تلک — وصل صنم عدو کو ہو رشک عدو مجھے

تشبیہ تیری زلف سے دی ہو نہ غیر نے — سنبل سے عطر فتنہ کی آتی ہے بو مجھے

تاب وصال اس سمن اندام کو کہاں — بس بس نہ چھیڑ اے خلش آرزو مجھے

جاتا ہوں کوئے غیر میں صحرا کے بدلے میں — دیوانگی میں بھی ہے تری جستجو مجھے

اگلے رشک ان کو یاد آنے لگے — ہم جو غیروں کے گھر میں جانے لگے

پھر محرک ستم شعاری ہے — پھر انھیں جستجو ہماری ہے

پھر وہی بے قراری تسکیں — وہی تسکین بے قراری ہے

کہے ہے مجھ سے کہ اس جور پر تو چھوڑا ہے — ستم تو دیکھو کہ تعن عدو وفا پر ہے

خیال تھے اثر جذب دل سے کیا کیا آج — ہزار خون ہوس گردن حنا پر ہے

کہاں تلک ستم یار کا فلک سے گلہ — تو آپ شیفتہ اے شیفتہ جفا پر ہے

غیر بھی کیوں تم سے بنائیں گے گر — جرم وفا قابل تعزیر ہے

کرتا ہوں میں تعریف زبس اس کے دہن کی — لیتے ہیں مرے لب مری تقریر کے بوسے

جس لب کے بوسے غیر لے اس لب سے شیفتہ — کم بخت گالیاں بھی نہیں تیرے واسطے

شکر ستم نے اور بھی مایوس کر دیا — اس بات کا وہ غیر سے شکوہ کیا کرے

آؤ دل جائیں لڑائی ہو چکی — ایک دم صبر آزمائی ہو چکی

کیا ارادہ اگر سیر باغ کا تو نے
قیامت آئے گی ابرِ بہار کے بدلے

دیکھ تغیرِ مرے رنگ کو شوخی سے کہا
تجھ سے ڈرتا ہوں کہ تو دم میں بدل جاتا ہے

بھیج کر کس کو بلاؤں شب غم میں کہ کوئی
لاکھ خاطر ہو یہ کب سوئے اجل جاتا ہے

بزمِ دنیا میں ہے وہ شخص کو کب عیش نصیب
سو تجھی کو رہے مجھ کو تو یہ غم بھی بس ہے

دولت وصل سے کیا کام ہوس ناکوں کو
نازِ خسرو کے لیے خیل و حشم بھی بس ہے

خود چاک کروں جامۂ اعدا کہ نہیں چاک
جی میں ہے کہ لوں دھجیاں اربابِ ہوس کی

اے عدو کس پہ نازاں ہے سمجھ تو آخر
جس سے ہم خوار ہوئے ہیں یہ وہی عزت ہے

لے چلیں تھوڑا نمک بھی دشت میں
آبلے پھوٹیں گے آخر خار سے

کھول جلد اے شیفتہ آغوشِ شوق
یہ صدا آئی لبِ سوفار سے

اس نے خوش کرنے کو پڑھوایا عدو سے خط مرا
بس کہ تھا آگاہ حرفِ شکوہ کی تحریر سے

ننگ مہمانیٔ دشمن بھی کیا ہم نے قبول
شیفتہ لیکن نہ آئے وہ کسی تدبیر سے

ناصح تری زباں ترے بس میں نہ ہو تو پھر
انصاف کر کہ دل یہ مرا اور کیا چلے

کیا شوق جستجو ہے کہ گر پاؤں ٹوٹ جائیں
تیری گلی کی سمت مرا نقشِ پا چلے

یہ غم مگر نہیں کہ نہ آیا وہ بے وفا
روتے مرے جنازے پہ کیوں اقربا چلے

تھی کب سے مرگ و حسرتِ دیدار میں نزاع
وہ ایک دم میں آن کے جھگڑا مٹا چلے

اے جان لب پہ آ کے ٹھہرنے سے فائدہ
رہنا ہوا تو رہ گئے چلنا ہوا چلے

تذکرہ صلحِ غیر کا نہ کرو
بات اچھی نہیں لڑائی کی

تم کو اندیشۂ گرفتاری
یاں توقع نہیں رہائی کی

ایک دن تیرے گھر میں آنا ہے
بخت و طالع نے گر رسائی کی

ایسی رغبت سے کریں قتل گماں کا ہے کو تھا
شیفتہ اس کو تو لو تم سے محبت نکلی

حرف الصاد

صاحب :-

نام مظفر الدولہ ممتاز الملک نواب ظفریاب خان ۔ بہادر۔ باپ کا نام بھا شمو فرانسیس شعر میں اصلاح خیراتی خاں دلسوز سے لیتے تھے ۔ جب بھی جہان آباد سے گزرتے تھے مشاعرہ کی محفل منعقد کرتے تھے ۔ ابتدائے شباب میں وفات پائی ۔ ان کا کلام ہے :۔

نظر آیا مجھے شب بام پہ پیارا اپنا ۔۔۔ بارے اب کھو ہے بلندی پہ ستارہ اپنا
ہے زلف حلقہ زن خط دلبر کے آس پاس ۔۔۔ یا اژدہا ہے فوج سکندر کے آس پاس

صاحب :-

صاحب تخلص ۔ پرانے لوگوں میں سے تھے اور صاحب دیوان تھے ۔ ان کا شعر ہے:

زور کیفیت مے ہے کہ سبھو جھکتے ہیں ۔۔۔ جام پہ شیشہ جھکا شیشے پہ میخوار جھکا

صاحب :-

نام امتہ الفاطمہ بیگم تھا اور صاحب جی کے نام سے مشہور تھیں ۔ نیکی میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں ۔ مشرق (اودھ) سے مغرب (دہلی) کی سمت آئیں اور علاج کی تقریب سے مومن خان سے واسطہ پڑا ۔ چند مہینہ تک علاج معالجہ کا سلسلہ قائم رہا ۔ پھر لکھنؤ واپس گئیں ۔ "قول غمین" نام کی مثنوی از تصنیف مومن خاں ہے ۔ ان کے

ہی حسن و جمال اور موزوں قامت کی شرح ہے۔ القصہ ان کا دل شعر و شاعری کی طرف مومن خان کے فیض صحبت سے مائل ہوا۔ اُن کا کلام ہے:۔

رقیبوں کا جلنا کہاں دیکھتا تو | سماں یہ مرے گھر میں آیا تو دیکھا
گنہ کیا صنم کے نظارے میں زاہد | یہ جلوہ خدا نے دکھایا تو دیکھا
ٹکڑے ہیں اس نے پیرہن یوسفی کے بند | تہہ کر رکھے نسیم سے کہہ دو قبائے گل
نظر ہے جانب اغیار دیکھیے کیا ہو | پھرے ہے کچھ نگہہ یار دیکھیے کیا ہو
جو خط جبیں کا مرے کاتب ہے اسی کو | دکھلا تو مرا نامۂ اعمال الٰہی
صاحب جو بنایا ہے تو مانند زلیخا | یوسف سا غلام اک مجھے دے ڈال الٰہی

صاحبقراں

نام امام علی۔ سادات رضویہ میں سے تھے۔ وطن بلگرام تھا۔ شرم و حجاب اُن سے کوسوں دور تھا اور آداب و اخلاق سے وہ بالکل بے بہرہ تھے۔ ہر چند کہ ان اوراق کے مصنف کی عادت سے بعید ہے کہ خدانخواستہ کسی کی برائی کرے، لیکن اس شخص کے بارے میں خاص طور پر فحش اور ہزل کے عنوانات کے تحت میں چند لفظ لکھنا ہی پڑے۔ پروردگار اس نامۂ سیاہ کے اعمال سے اس گناہ کو محو فرمائے۔ مختصر یہ کہ ان کے تمام اشعار، ہزل سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ گو کہ عمدہ مضامین بھی نظم کرتے ہیں لیکن حیا مانع ہے کہ ان کو پیش کیا جائے۔ لیکن ایک شعر سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کلام کی بلندی کس حد تک تھی۔ ہو سکتا ہے کہ بیباک نوجوانوں اور ہوسناک لوگوں کو ان کے اشعار نہ لکھنے سے شکایت ہو اس لیے ناچار ہوں کہ شکوہ سنوں، کیونکہ بقول عرب جب کوئی شخص دو آزمائشوں میں گھر جائے تو اسے آسان تر زحمت برداشت کرنا چاہیے۔ ان کا شعر ہے:۔

مجھ کو شہوت ہوئی تیمم سے ہے مقرر کسی چھنال کی خاک

صادقؔ:

نام صادق علی خان۔ عظیم آباد کے امرا میں سے ہیں۔ ان کا شعر ہے:۔

وہ ہے عرق سے یار کے چاہ ذقن میں آب دیکھے تو خضر کے بھی بھر آئے دہن میں آب

صادقؔ:۔

نام میر جعفر خاں۔ دہلی کے رئیسوں میں سے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

شرم سے نام وہ نہیں لیتا پھر ہمارا خطاب ہے کوئی

صادقؔ:۔

نام صادق علی خاں۔ فوجدار خاں کے عزیزوں میں سے ہیں جو شاہی پیلبان کا لقب ہے۔ انشاء اللہ خاں کے شاگرد ہیں۔ ان کا شعر ہے:۔

صادق اب اور سرو کار نہیں اس سے مگر ایک برسے کی رکھے ہے دل غمناک برس

صابرؔ:۔

نام صابر شاہ دہلوی۔ یہ صاحب محمد شاہ کے عہد حکومت کے شعرا میں سے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

جو ہم بستر نہ ہو ہم سے تو اس کی کیا شکایت ہے نظر بھر کے ہمیں اک دیکھنا اس کا کفایت ہے

صانعؔ:۔

نام نظام احمد بلگرامی۔ اور یہی نام تاریخ ولادت ان کی بتاتا ہے۔ یہ صاحب

بہت باآداب وباخلاق ومہذب ہیں۔ فارسی زبان میں ان کا کلام بہت قابل تعریف ہوتا ہے اور شعرائے عصر مثلاً شیخ علی حزیں۔ لا ہجی اصفہانی اور والہ داغستانی سے ان کی صحبت رہتی تھی۔ کبھی کبھی اردو میں بھی فکر شعر کرتے تھے۔ ان کا شعر ہے :۔

صنم کی اس محبت پر دیا تھا جان و دل جانیے — نہ تھا معلوم ہو جائے گا یوں نامہرباں اپنا

صبا :۔

نام کانجی مل ۔ فیروز آباد وطن اجداد تھا۔ پیدائش لکھنؤ میں ہوئی اور قیام بھی یہاں رہا۔ مصحفی کے شاگردوں میں سے تھے ۔ ایک مختصر دیوان جمع کیا تھا۔ عنفوان شباب میں وفات پائی ۔ ان کا کلام یہ ہے :

ابھی تسکیں ہوئی تھی اک ذرا فریاد و زاری سے — لگا دل مضطرب ہونے کہ پھر درد جگر اٹھا

افسوس وہ آرام عدم میں بھی نہ پایا — جس کے لیے دنیا سے سفر ہم نے کیا تھا

چلے دامن اٹھا کے یہ کہو اس شوخ قاتل سے — کہ یہ مدفن نظر آتا ہے رنگیں خون بسمل سے

صبا :۔

یہ صاحب ۔ میر ضیا کے شاگردوں میں سے ایک ہیں : نمونۂ کلام یہ ہے :

جمع کر کے درد سارے تو نے دل پیدا کیا — کہہ تو اے دست قضا پھر اس سے کیا حاصل کیا

نہ رکھ محروم بوسے سے ہمیں قاتل کہ مرتے ہیں — جو مانگے سو اسے دیتے ہیں جس کو قتل کرتے ہیں

تربت صبا کی دیکھی کل رات دور سے جو — آئے نظر مجھے واں شمع و چراغ کتنے

جا کر جو آج دن کو دیکھا کیا تفحص — اک دل جلے ہے اس میں حسرت کے داغ کتنے

صبا :۔

نام مرزا راجہ شنکر ناتھ بہادر ۔ ان کے والد کا نام راجہ رام ناتھ بہادر تھا۔ محکمہ نظارت

کی پیشکاری کا عہدہ ان کے سپرد تھا۔ مشاعرے منعقد کرتے رہتے تھے۔ کلام یہ ہے:۔

کیا پوچھتے ہو جور و ستم مجھ سے یار کا　　دیکھو نہ حال میرے دل بے قرار کا

دل جب اس کی نگہ مست کا مخمور ہوا　　سر خوش کیفیت بادۂ انگور ہوا

صبر:۔

نام مرزا غلام حسین خان۔ والد کا نام حکیم بو علی خاں تھا۔ اصل وطن کشمیر جنت نظیر تھا۔ ان کا اور ان کے بزرگوں کا جائے ولادت بھی یہی مقام تھا۔ وہ اپنا کلام، اصلاح کے لیے میر عزت اللہ خاں عشق کو دکھاتے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

گئے قصد حرم گاہے سر میخانہ رکھتے ہیں　　غرض ہم بھی عجب ہی مشرب رندانہ رکھتے ہیں

صدق

یہ ایک صاحب حیدر آباد کے رہنے والے ہیں۔ ان کا کلام ہے:۔

بہ وقت اشک اب نکلے ہے شاید　　ہوا آنکھوں میں اب لخت جگر بند

کہاں نکلے ہے تار زلف سے دل　　کرے پرواز کیوں کر مرغ پر بند

صبا:۔

نام منولال۔ قوم کائستھ۔ وطن لکھنؤ۔ مصحفی کے شاگرد تھے۔ حالانکہ اس ایک شعر کے علاوہ کوئی شعر نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس شعر کا کہنے والا اس فن میں بہت سلیقہ رکھتا ہے۔ ان کا شعر ہے:

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستم گاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

صفا:۔

نام اور دوسرے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ ان کا شعر ہے:۔

محتسب جھوٹ ہے مے کس نے بھری شیشے میں
رہ گئی ہے مرے آنسو کی تری شیشے میں

صفدر:۔

نام میر صفدر علی۔ سونی پت کے رہنے والے تھے۔ یہ اشعار اُن کے ہیں:

برقع کو اٹھا منہ سے جو تم کرتے ہو باتیں
اب میں ہمہ تن گوش بنوں یا ہمہ تن چشم

شجر سوختۂ شمع سے جب گل نکلے
چاہیے بیضۂ فانوس سے بلبل نکلے

کھول دیتی گرہ زلف صبا کیوں نہ ہوئی
تیرے پاؤں سے لگی رہتی حنا کیوں نہ ہوئی

صفدری:۔

نام میر صادق علی۔ یہ میر نظام الدین المتخلص بہ ممنون کے چھوٹے بھائی تھے۔ بڑے بھائی سے تربیت حاصل کی عین عالم شباب میں ایک کافر نے ان کو قتل کر دیا۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

نہیں معلوم پڑا پائے نگاریں کس کا
چھپا ہٹ ہے حنا کی سی گل تالیں پر

صفدری قد کو کہیں اس کے کہا تھا گل سرو
سید ہی اس شوخ نے کیا کیا یہ سنائی مجھ کو

آنکھ اپنی یہ کس کے دروندان پر پڑی ہے
جو اشک مسلسل ہے سو موتی کی لڑی ہے

ہے شکایت یہی کہ غیروں نے
آشکائیت ہماری آپ سے کی

صفت:۔

نام کریم الدین۔ وطن مراد آباد۔ صفت، زرگری میں استاد تھے۔ زندگی عبادت الٰہی میں بسر کرتے تھے۔ بارہا دہلی آئے۔ لیکن میں نے ان کو نہیں دیکھا۔ ان کا شعر ہے:۔

یہ مانا کہ ہیں آپ دلبر و لیکن
ہمارا ہی دل لے کے دلدار ٹھہرے

حرف الضاد

ضبطؔ:-

نام میر حسن شاہ - سوائے اس کے اور کوئی حال معلوم نہیں ہے کہ لکھنؤ کے رہنے والے تھے - اس لیے مزید حالات تحریر نہیں کر سکا - ان کا شعر ہے :-

نقد دل وحشت میں کھو کر اک جنوں پیدا کیا
ہم نے بازار محبت میں یہ کیا سودا کیا

ضمیرؔ:-

نام شیخ مداری - وطن اکبر آباد - ولی محمد نظیر سے فن شعر میں تربیت حاصل کی - ان کا شعر ہے :-

وہ ابھی ہے نو گل آرزو وہ ہنوز تازہ بہار ہے
نہ کچھ آئینے سے اسے خبر نہ حیا سے کچھ سروکار ہے

ضمیرؔ:-

نام گنگا داس - شاہ نصیر کے شاگرد تھے - علم رمل سے واقف تھے - ان کا شعر ہے :-

میں بتاتا ہوں ضمیرؔ اب کچھ تجھے بھی ہے خیال
چشم خواب آلودہ اس کی فتنۂ بیدار ہے

ضیاؔ:-

نام میر ضیاء الدین - شاہجہان آباد کے قدیم باشندوں میں سے تھے - وہاں سے نقل مکان

کر کے عظیم آباد میں سکونت اختیار کی۔ پھر وہیں وفات پائی۔ مشہور شاعروں میں سے تھے۔
اور ان کے بہت سے شاگرد تھے۔ ان کا نمونۂ کلام یہ ہے :۔

صاف تھا جب تک تو ہم کو بھی جواب صاف تھا ۔۔۔ اب تو خط آنے لگا شاید کہ خط آنے لگا
راز دل میں پوچھتے اور بولنے دیتے نہیں ۔۔۔ بات منہ پر آرہی اور لب ہلانا منع ہے

ضیاؔ :۔

نام مرزا ضیا بخت۔ مرشد زادہ آفاق مرزا فرخندہ بخت کے بیٹے تھے۔ اور ان کے دیگر صفات کے اظہار کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا شعر ہے :۔

چھڑا کے کون گیا ہاتھ سے ضیاؔ دامن ۔۔۔ بندھا جو اشک کا تا جیب تار رہتا ہے

ضیاؔ :۔

نام ضیاء الدین۔ ایک شوریدہ سر انسان تھے مے پرستی بے حد کرتے تھے۔ ان کا شعر ہے :۔

جوں چنار اس جانہ پھولیں ہیں نہ پھل لاتے ہیں ہم ۔۔۔ جب مراد اپنی کو پہنچیں ہیں تو جل جاتے ہیں ہم

حرف الطاء

طالبؔ :-

نام طالب حسین۔ عسکری المتخلص بہ نالاں کے بیٹے تھے۔ ان کے کلام کی اصلاح انشاء اللہ خاں کرتے تھے۔ ان کا شعر ہے :۔

وحشت میں آہ شرربار جو طالبؔ نے بھری ایک شعلہ گیا خاشاک بیاباں سے لپٹ

طالبؔ :-

دکن کے رہنے والے اور ولیؔ کے ہم عصر تھے۔ ان کا شعر ہے :۔

طالب کی خون چشم سے آلودہ کیا کرے وہ پاؤں جو حنا سے رہے سرگراں عدا

طالبؔ :-

نام میر طالب۔ یہ سید الشعرا میر غالب علی خاں المتخلص بہ سید کے بیٹے تھے ان کا ایک مطلع یہ ہے :۔

مضطر ہو کب میں شب اللہ اسے ماہ رو آیا گھر سے تری گلی میں تا بام تو نہ آیا

طالبؔ :-

نام حافظ طالب۔ یہ رام پور کے ایک صاحب ہیں اور لکھا ہے کہ مولوی قدرت اللہ

شوق کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

چیرے سینے کو شق کیسے دل دلگیر کو　　　یہ ہی وہ جاگہ ہیں اور کیا کھا گیا میں تیر کو

طرب :۔

نام جھنولال۔ قوم کائستھ۔ وطن لکھنؤ۔ نوازش حسین خاں۔ نوازش کے شاگردوں میں سے تھے۔ یہ زیادہ تر مرثیہ کہتے تھے اور اس مناسبت سے دلگیر تخلص نظم کرتے تھے۔ ان کے مرثیے بہت مشہور ہیں اور لوگوں کی زبانوں پر ہیں۔ چونکہ ان کا اعتقاد ائمہ معصومین علیہ السلام پر بہت زیادہ تھا۔ اس لیے انھوں نے مذہب تبدیل کر دیا تھا اور اپنے آبائی مذہب کو ترک کر کے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کا کلام ہے:۔

معطر اس کی نہانے سے بسکہ آب ہوا　　　حباب بحر ہر اک شیشۂ گلاب ہوا

گئے جان سے گذر ہم جو نہ وعدہ پر تب آیا　　　بہانا اس کا گویا موت کا اپنی بہانا ہے

طرہ :۔

نام طرہ باز خان۔ بنارس کے رہنے والے تھے۔ ان کا شعر ہے

مصور کھینچے گر اس شوخ کی تصویر کاغذ پر　　　مری صورت بھی ہو زیر قدم تحریر کاغذ پر

طفل :۔

نام مرزا عبدالمقتدر بہادر۔ عرف مرزا طفل۔ ان کو حضرت شاہ عالم کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ یہ بہت متقی پرہیزگار آدمی تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

رات دن مونس جاں وحشت تنہائی ہے
دل ہے میرا کہ کوئی وحشی صحرائی ہے

طورؔ

لکھنؤ میں ایک صاحب ہیں۔ محمد رضا برقؔ کے شاگرد ہیں۔ جو اس زمانے میں ناسخؔ کے شاگرد رشید سمجھے جاتے ہیں۔ مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ یہاں تک کہ نام بھی نہیں معلوم۔ ان کا شعر ہے:۔

نہ لیتا عمر بھر نام رہائی　　　تو اپنے دام میں لایا تو ہوتا

طوماسؔ :۔

ایک انگریز ہیں جو خانصاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ شاہ نصیرؔ کے شاگرد ہیں ان کا شعر ہے:۔

سودا ہے زلف یوسف ثانی کا اس قدر　　　روتے ہیں ہم کھڑے سر بازار زار زار

حرف الظاء

ظاہر:-

نام میر محمدی - اصل وطن جہان آباد دہلی تھا۔ انھوں نے اکبرآباد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کا شعر ہے:۔

یہ تو سب جور و جفا ہو گئے خوگر ہم کو   چاہیے اب ستم نو کوئی ایجاد کرو

ظفر:

نام مرشدزادہ آفاق مرزا ابوظفر بہادر ولی عہد سلطان زمان حضرت محمد اکبر شاہ خداوند عالم ان کے سایہ کو قائم و دائم رکھے بہت سی صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کے حامل، اکثر خطوط (فن خوشنویسی) میں معقول دستگاہ رکھتے ہیں۔ اور اس فن سے بہت شغف ہے۔ شیخ ابراہیم ذوق جوان کے دستر خوان سے فیض پاتے ہیں اور ان کے وظیفہ خوار ہیں۔ ان کے اشعار کی اصلاح کرتے ہیں۔ ان کا کلام ہے:۔

ضبط فریاد کروں گریہ کو روکوں لیکن   دل بیتاب کو تھاموں یہ نہیں ہو سکتا

چارہ ٹکڑے کروں دل کے کہ نہیں ہو سکتا   لاج کر دوں لب کہ نہ دوں زلف کو دوں تل کہ نہ دوں

ہمارے آگے ہی ذکر اگلے دوست داروں کا   پرانے مردوں کی وہ ہڈیاں اکھاڑتے ہیں

اب بھی وہ آنکھ تری آئینہ رو ہے کہ نہیں   اگلے طوروں پہ خدا جانیے تو ہے کہ نہیں

دل وسے کے ان کو ایسی اذیت ہوئی ہیں   اب دل کبھی نہ دیں گے نصیحت ہوئی ہیں

پی لاکھ بار صہبا کی لاکھ بار توبہ　　　اب کرچکا ہیں توبہ توبہ ہزار توبہ

تیس دن روزے پہ غرے کے پھراتا ہے مجھے　　　جب ہوا چاند تو غرہ ہی بنتا ہے مجھے

جنوں میں کیا مرے پیوند پیرہن کو لگے　　　کہ ایک تار بھی چھوڑا ہو تو کفن کو لگے

قاصد اشک چلا ہے کے جو دل کا پیغام　　　کیا ظفر اس سے ملاقات کی پھر ٹھہرائی

نعل شکل مہ نو جب ترے توسن کو لگے　　　چار چاند اور فلک پر مہ روشن کو لگے

پڑھ لیتے پس صفحہ سے مضموں ترے خط کا　　　کاغذ میں سیاہی دم تحریر نہ پھوٹے

جفا کی آپ کے باعث وفا ہماری ہے　　　خطا تمھاری نہیں ہے خطا ہماری ہے

ظہور :-

نام ظہور اللہ بیگ - ان کا خاندان تورانی النسل تھا - اور ان کی ولادت اسی شہر جنت نشان میں ہوئی - کلام الٰہی حفظ کیا تھا - ان کا شعر ہے :-

ایسا نہ ہو قاصد کہ مرا کام نہ ہووے　　　گم نامہ حال دل گمنام نہ ہووے

حرف العین

عالیؔ :-

امیر تیمور کے خاندان سے تھے اور شیخ ابراہیم ذوقؔ کے شاگرد تھے۔ ان کا کلام یہ ہے:

صریح اس کو اگر حال دل جتا نہ سکے — تو کیا غزل میں بھی پڑھ پڑھ کر ہم سنا نہ سکے
پیوں تو دل کی تجھے آگ آہ اس پر سے — ذرا سا وار کے پانی بھی یار لا نہ سکے

عالی جاہ :-

نواب نظام الملک بہادر المتخلص بہ تنظرؔ کے صاحبزادے تھے اور زیادہ حالات بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ ان کا شعر ہے:

رات دن اشک سے آنکھوں میں تری رہتی ہے — شاخ نرگس اسی پانی سے ہری رہتی ہے

عارفؔ :-

نام محمد عارف۔ کشمیری الاصل تھے۔ ان کی ولادت دہلی جہان آباد میں واقع ہوئی ان کا پیشہ رفوگری تھا۔ عہد میر اور مرزا کے آدمی ہیں۔ طبعاً ان کی توجہ شعر و شاعری کی طرف مائل تھی، ان کا کلام یہ ہے:

اس ابر میں بے ساقی و مے جی پہ بنی ہے — ہر بوند کا کھانا مجھے ہیرے کی کنی ہے
دختِ رز سے کہو کہ آن ملے — ورنہ عارفؔ افیم کھاتا ہے

عارف :-

نام میر عارف علی ۔ امروہہ کے سادات میں سے ہیں، کچھ عرصہ تک مراد آباد میں رہے عقلمند اور مہتمم الشان ہیں۔ عروض و قافیہ کو خوب سمجھتے ہیں۔ مصحفی کی شاگردی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اب شاعری ترک کر کے پند و وعظ کرتے ہیں اور خلق خدا کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ان کا کلام ہے :

رات ساری مجھے دونوں کی تسلی میں کٹی ۔۔۔ ہاتھ دل پر سے اٹھایا تو جگر پر رکھا

ہاتھوں کو چاک جیب تک دسترس نہیں ۔۔۔ میں کس کے بس میں ہوں کہ مرا کچھ بھی بس نہیں

وہ ہوا گر دے جب وقت شکار آلودہ ۔۔۔ تیر خا کے سبتے مژگان غبار آلودہ

عاجز :-

نام الفت خاں۔ یہ خورجہ کے پٹھانوں میں سے ہیں ۔ ان کا ایک شعر نظر سے گزرا وہ لکھ لیا گیا :-

کیا ہوا گر چشم تر سے خوں ٹپک کر رہ گیا ۔۔۔ بادۂ گلگوں کا ساغر تھا چھلک کر رہ گیا

عاجز :-

نام زور آور سنگھ ۔ قوم کھتری ۔ نند رام المتخلص بہ مخلص کے پوتے اور شیخ نصیر الدین عزت کے شاگرد تھے ۔ ان کا شعر ہے ۔

شب مہتاب کس کمبخت کو ہجراں میں بھاتی ہے ۔۔۔ کہ اس سے گرئی روز قیامت یاد آتی ہے

عاصی :-

نام منشی امداد حسین ۔ سوائے نام کے اور کچھ حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ ان کا شعر ہے :

میں کس کس شعلہ رو کو سینۂ صد چاک دکھلاؤں　　رہا تھا ایک دل سو جل گیا کیا خاک دکھلاؤں

عاصی :۔

یہ ایک صاحب رام پور کے ہیں ۔ ان کا شعر ہے :۔

اللہ یہ کیا لطف کی نازک بدنی ہے　　کملائے ہے گرمی سے نگہ کے وہ گل اندام

عاصمی :۔

نام خواجہ برہان الدین ۔ یہ خواجہ عبد اللہ احرار کی اولاد سے تھے ۔ اُن کا شمار قدما میں ہوتا تھا ۔ ان کا کلام تھا :

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمل تھا　　ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا

خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں　　بتاتا باغباں رو رو کے یاں غنچہ یہاں گل تھا

عاقل :۔

نام عاقل شاہ ۔ شوریدہ سر اور آزاد وضع کے انسان تھے ۔ ان کا شعر ہے :

واہ واہ اس دام کو اور آفریں صیاد کو　　قید بھی یاں کچھ نہیں اور چھوٹ بھی سکتے ہیں

عاشق :

مرزور کے لوگوں میں سے ایک صاحب ہیں ۔ ان کا مطلع یہ ہے :

تیرے کوچے میں اپنا ہر در و دیوار دشمن ہے　　فقط تو ہی نہ میرا اے بت خوں خوار دشمن ہے

عاشق :۔

نام بخشی بھولا ناتھ پنڈت ۔ ان کے والد راجہ گوپی ناتھ سرکار مجد الدولہ کی سرکار میں دیوانی

کے عہدے پر فائز تھے ۔ ان کا شعر ہے :

قیس ناداں سراسر نظر آیا ہم کو　　　جائیے دشت میں کیوں کوچۂ دلدار کو چھوڑ

عاشق :

نام رام سنگھ ۔ قوم کھتری ۔ شروع میں غلام حسین المتخلص بہ تجلی کے شاگردوں میں سے تھے ۔ بعد میں شاہ نصیر کو اپنا استاد بتاتے تھے ۔ ان کا شعر ہے :

حیرت زدہ میں دیکھوں ہوں یوں اس کو بزم میں　　　تصویر جیسے دیکھے ہے تصویر کی طرف

عاشق :-

نام مہدی علی خاں ۔ یہ نواب علی مردان خاں مرحوم کے پوتے تھے ۔ بہت ہمدرد اور پسندیدہ اخلاق کے انسان تھے ۔ اپنے مکان پر مستقل دس سال تک رات میں محفل مشاعرہ منعقد کرتے رہے ۔ اعظم الدولہ کا بیان ہے کہ ان کے اشعار کی تعداد قریب دو لاکھ کے ہے ۔ میری نظر سے جو کلام گزرا ہے اس میں تین دیوان اردو کے، دو دیوان فارسی کے ہیں اور حملۂ حیدری مثنوی اور کئی مثنویاں شامل ہیں ۔ جو کچھ قابل انتخاب کلام میرے ہاتھ لگا اس میں سے بدرجۂ مجبوری یہ شعر لکھتا ہوں :

ابر آیا ہے آفتاب چھپا　　　ساقیا مست شراب ناب چھپا

عاشق :-

نام نبی بخش ۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے ۔ والد کا نام شیخ محمد صلاح ۔ نظیر اکبر آبادی کے شاگرد تھے ۔ ان کا کلام ہے :

دام میں لے کے ہمیں صیاد پچھتایا بہت　　　استخواں آئے نظر جب بال اور پر کے تلے

اب یاد کیے سے چھپتے ہیں سو خانۂ لمت سینے میں — اس گل کو بہ وقت رخصت ہم چھاتی سے لگا بھول گئے

عاشق:۔

نام مولوی جلال الدین۔ قدیم شاعروں میں سے ہیں۔ ان کا شعر ہے:۔

یہ کس کے نوک مژگاں سے پڑا ناسور سینے میں — کہ بندھنے بھی نہ پایا زخم پر انگور سینے میں

عاشقی:۔

آغا حسین قلی خاں کے نام سے مشہور اور مغل خاندان سے تھے اور آغا علی خاں کے بیٹے تھے۔ اصل وطن خراسان تھا۔ ان کی ولادت عظیم آباد میں ہوئی۔ ان کے بزرگ حکومت تیموری کے عہد میں معزز عہدوں پر مامور رہے اور خود انگریزی حکومت کے بلند مناصب پر فائز رہے۔ میں نے جب ان کو دیکھا تو محال سکندر آباد کی تحصیل ان کے ہاتھ میں تھی حالانکہ اس زمانہ میں ان کو نیک و بد کی تمیز نہ تھی۔ لیکن بہر حال ایک خلیق اور متین و سنجیدہ انسان تھے لوگ کہتے ہیں کہ آج کل لکھنؤ میں قیام ہے۔ ان کی تصانیف میں سے ایک تذکرہ ہے اس کا نام نشتر عشق ہے۔ یہ میری نظر سے گذرا ہے۔ چونکہ عربی زبان سے مس و مس نہ تھا اس لیے غلطیاں کی ہیں۔ مجبوراً یہ اشعار ان کے نقل کرتا ہوں۔

جس سے کہ میں پوچھوں ہوں مزا عشق کا کیا ہے — رو رو کے یہ کہتا ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

بد حواسی ہے یہاں تک پوچھنے کو اشک کے — چشم کو میں بھول کر رکھتا ہوں سر پہ آستیں

عبرت:۔

نام میر ضیاء الدین۔ انھوں نے فن شعر نواب محبت خاں سے حاصل کیا۔ ان کا شعر ہے:۔

بیتاب نہیں شے کوئی سیماب کی مانند — پر وہ بھی نہیں اس دل بیتاب کی مانند

عبدالواسع:۔

ان کا حال پردۂ خفا میں ہے۔ اُن کا شعر ہے:۔

بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا | سوائے بے کسی اب کوئی آشنا نہ رہا

عزلت:

نام سید عبدالولی۔ والد کا نام شاہ سعد اللہ تھا۔ سورت کے رہنے والے تھے۔ لکھنؤ کے قصبات میں سے ایک قصبے میں ان کا مکان تھا۔ باوجود اس کے کہ تخلص ان کا عزلت ہے، بہت گھومنے پھرنے کے شائق تھے۔ جہان آباد اور حیدرآباد دونوں جگہ گئے تھے۔ بزرگی اور بڑائی سے معرّا نہ تھے۔ ان کا کلام ہے:۔

جلایا مصحف دل تو نے کیوں برق تغافل سے | جو سچ بولوں تجھے جھوٹی قسم کھانے کے کام آتا

شانہ اس زلف میں پھرتی یہ بجا کہتا تھا | بات کہتے ہی شب وصل چلی جاتی ہے

شکستہ گر ہوا دل اب نظر نہ کر مجھ پر | یہ ٹوٹے آئینہ میں منہ تری بلا دیکھے

عزیز:۔

نام بکھاری لال۔ خوش معاش انسان ہیں اور فکر و تلاش سے آزاد ہیں۔ ان کا کلام ہے:

رات اب امتحان پہ آئے | قصہ کوتاہ جان پہ آئے

ملیں کیوں کر بھلا اس شوخ طفل لاابالی سے | کہ سوتے سوتے جو چونکے ہے تصویر نہالی سے

آرام وصل و ہجر میں ممکن نہیں ہمیں | یوں ہی ہمیشہ مضطرب اے رشک ماہ تھے

اب ہجر ہی تو حسرت دیدار ہے جی
جب وصل تھا تو کشتۂ تیغ نگاہ تھے

عزیز :-

نام عزیز اللہ۔ دکن کے رہنے والے ہیں۔ ان کا شعر ہے :۔

عشق میں جس کے کبھو چین نہ پایا ہم نے　　ایسے بے درد سے کیوں دل کو لگایا ہم نے

عزیز :-

مہاراج سنگھ نام۔ سوائے نام کے اور کچھ حالات معلوم نہیں۔ ان کا شعر ہے :

کیونکہ بستر سے وہ بیمار اٹھے اور بیٹھے　　ضعف سے برگ تن جس کے ہو کار بستر

عزیز :-

نام شیو ناتھ۔ دہلی کے ایک (سود خوار) مہاجن ہیں۔ ان کا شعر ہے :۔

کیا بیگانہ سب سے آشنائی اس کو کہتے ہیں　　لیا دل اک نگہ میں دلربائی اس کو کہتے ہیں

عسکری :-

نام مرزا عسکری۔ شاہ قدرت اللہ مرشد آبادی کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کا شعر ہے :۔

کہنے کو ادھر ادھر گئے ہم　　تھے تیری طرف جدھر گئے ہم

عشاق :-

اہل ہنود میں سے ایک صاحب کا تخلص ہے جو پرانے لوگوں میں سے ہیں۔ ان کا شعر ہے :

آخر خزاں نے کچھ نہ اکھاڑا بہار کا　　سرسبز خط سے اور ہوا حسن یار کا

عشقی :-

سوائے اس کے اور کچھ حال معلوم نہیں ہو سکا کہ مراد آباد کے رہنے والے ہیں - ان کا شعر ہے :-

کوئی تو ہے گلچہرہ کوئی سرو رواں ہے
دیکھا تو یہاں ایک نہ ایک آفت جاں ہے

عشق :-

نام شاہ رکن الدین عرف شاہ گھسیٹا - عظیم آباد کے مشہور شعرا میں سے ہیں اور عزت سے زندگی بسر کرتے ہیں - ان کا کلام یہ ہے :-

تیر کے نام پر تڑپتا ہے
اس طرح کا کہیں جگر دیکھا

اس کے دامن تلک نہ پہنچے ہم
خاک میں آپ کو ملا دیکھا

ترے عشق میں ہم نے کیا کیا دیکھا
نہ دیکھا سو دیکھا جو دیکھا نہ دیکھا

وہ آیا نظر بارہا پر کسی نے
یہ حیرت ہے اس کا سراپا نہ دیکھا

تری چین ابرو مرا غنچۂ دل
یہ عقدے ہیں وہ جن کو کھلتا نہ دیکھا

خانماں کر چکا ہوں میں برباد
تو بھی وہ میرے گھر نہیں آتا

کیا کیا جفائیں ظالم ہم نے تری سہی ہیں
لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں

عشق :-

نام حکیم میر عزت اللہ خان - ان کے والد کا نام حکیم قدرت اللہ خاں قاسم - دہلی کے سر برآوردہ لوگوں میں سے ہیں - مجھ سے زیادہ دوستی و محبت و اتحاد ہے - شعر میں اصلاح حکیم ثناء اللہ فراق سے لی اور اپنے والد ماجد سے بھی فن شعر حاصل کیا ہے - فن طب میں

بہت مہارت ہے ۔ ایک متین اور سنجیدہ انسان ہیں ۔ صاحب دیوان بھی ہیں لیکن باوجود اصرار کرنے کے ، اب تک مجھے دیکھنے کو نہیں ملا ۔ لہٰذا یہ اشعار ان کے انتخاب کردہ بیاضوں میں سے لیے گئے ۔ میرے خیال میں ان کے اکثر اشعار اس قابل ہوتے ہیں کہ تحریر کیے جائیں نمونۂ کلام یہ ہے :۔

ترا اے صانع تقدیر ہم نے کیا بگاڑا تھا — کہ اس نازک بدن کا دل بنایا سنگ خارا سا
سبز خط کی دل سے الفت ہم اٹھا سکتے نہیں — جو خدا نے لکھ دیا اس کو مٹا سکتے نہیں
بلبل تو عبث بھولی ہے اس گل پہ کہ جس کے — کچھ دل میں مروت ہو نہ آنکھوں میں حیا ہو
چل ساتھ مرے تجھ کو دکھاؤں وہ طرحدار — آنکھوں سے نہ دیکھا ہو نہ کانوں سے سنا ہو
تم غیر کے گھر بیٹھ کے دل شاد کرو گے — ہم کون ہیں صاحب ہمیں کیوں یاد کرو گے
کل رونے کی آمد سے گھٹا جائے تھا دم ہائے — ہوتی ہے بلا موسم برسات کی گرمی

عشقؔ :۔

نام شیخ غلام محی الدین ۔ ان کا تخلص مبتلا بھی ہے ۔ میرٹھ کے رہنے والے ہیں ان کی متعدد تصانیف ہیں ۔ لیکن ان میں سے ایک میری نظر سے گزری ہے ۔ اور اسی میں سے یہ اشعار انتخاب کیے گئے ہیں ۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سب پڑھنے کے قابل نہ ہوں :۔

کہے ہے سن کے وہ یوں مبتلا کے قصے کو — کہ خواب ناز کو تازہ یہ اک فسانہ ہے
پتھرا گئی ہیں اپنی تو آئینہ وار چشم — قسمت میں کس کے ہے ترا دیدار دیکھنا
شام کو عشقؔ مجھے پھر بھی ہے ملنے کی امید — صبح پہلو سے مرے اٹھ کے وہ مسرور گیا
واں بر سر فساد ہیں رندان بادہ نوش — اے محتسب نہ جائیو میخانے کی طرف
تجھے اے کافر بد کیش ظالم کچھ نہ رحم آیا — ستمگر نا مسلماں سنگدل سب کچھ کہا ہم نے
دل کا تختہ ہے مرے جوں گل کاغذ کا چمن — یاں بہار ایک ہی چھینٹے میں خزاں ہوتی ہے

عشرت:

نام میر غلام علی۔ بریلی کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے فن شعر کو مرزا علی لطف سے حاصل کیا جو خود میرزا دبیح سوزا کے شاگردوں میں سے ہیں۔ یہ صاحب دیوان ہیں۔ لیکن دیوان میری نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن جو اشعار کہ دیکھے یا سنے ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کوئی خاص مقام اس میدان میں نہیں حاصل کر سکے ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

بسان چشم خالی پھوڑ ڈالوں چشم پرخوں کو — نہ دیکھوں گر صراحی وار اس مخمور کی گردن

شب وصال میں دل پر قلق ابھی سے ہے — سحر ہے دور مرا رنگ فق ابھی سے ہے

میں لکھ چکا ہی نہیں حال دل کہ اس کی طرف — ہوائے شوق میں اڑتا ورق ابھی سے ہے

ہنوز دفن ہوا بھی نہیں ترا بسمل — کہ زلزلے میں زمیں کا طبق ابھی سے ہے

کسی نے شام کے آنے کو کیا کہا عشرت — کہ پھولی آپ کے منہ پر شفق ابھی سے ہے

غیروں سے ہنسا وہ جو مرے سامنے عشرت — کچھ بس نہ چلا دیکھ کے آنسو نکل آئے

عظیم:۔

نام مرزا عظیم بیگ۔ تراوش۔ اصل وطن توران کا کوئی شہر ہے۔ لیکن ولادت اسی شہر خلد آثار میں ہوئی اور یہیں قیام بھی رہا۔ شاہ حاتم کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کو شاعری کا بہت غرور تھا۔ کسی قدر طبیعت میں ہمواری بھی تھی۔ انشاءاللہ خاں کے اعتراض کے جواب میں جو انھوں نے مرزا مینڈھو خلف نواب شجاع الدولہ مرحوم کے مشاعرے میں بحر ہزج سے بحر رمل کی منتقلی کے بارے میں کیا تھا، بڑی ظرافت کے ساتھ ان سے الجھ گئے تھے اور ایک اچھا مخمس نظم کیا تھا۔ خلاصہ ان اشعار کا یہ ہے:۔

تقریر سرگذشت نہ پوچھو کہ خانہ دار — آتا ہے گریہ ہر سر حرف بیان پر

سوزش سے مری بسکہ ہوئی منفعل آتش شیشے میں نہیں ہے یہ ہوئی مضمحل آتش
بھڑکا ہی دیا آہ نے دامان شفق کو اے چرخ سنبھلنا کہ لگے متصل آتش
چھپتا ہے کوئی شمع صفت سوز دل اپنا سر کاٹو اگر تو ہو نمودار گلے سے
کس نگاہ مست کا زخمی ہوں یارب میں کہ اب جائے خوں ہر زخم سے جاری شراب ناب ہے
آکر ہماری نعش پہ کیا یار کر چلے خواب عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے
بالیں پہ میری آکے دم نزع اے عظیم رو کر لگا وہ کہنے یہ کیا یار کر چلے
جلتی ہے شرح سوز سے میری زبان کلک ہر دم ملے ہے لی جو سیاہی دوات سے

عظیم :-

ان کا نام شل ان کے حال کے معلوم نہیں ۔ اُن کا شعر ہے :۔

کچھ نگہ میں نہیں آتا ہے بجز جلوۂ یار جب کہ ہم دل میں عظیم اپنے نظر کرتے ہیں

عظمت :-

نام میر عظمت اللہ خاں ۔ والد کا نام میر عزت اللہ خاں جذب مرحوم تھا۔ شہر بریلی میں ان کی ولادت ہوئی۔ بچپن میں اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ اکثر شہروں میں گئے تھے۔ مثلاً بلخ و بخارا و کشمیر وغیرہ۔ آج کل جہان آباد میں عزت و وقار سے زندگی بسر کرتے ہیں ۔ طبیعت کے نیک اور خوش طبع انسان ہیں ۔ لیکن شعر کم کہتے ہیں اور کبھی کبھی مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں۔ مجھ سے ملاقات ہے ۔ فن شاعری کو حضرت خان عظیم الشان موتمن سے حاصل کیا۔ ان کا شعر ہے :۔

نام عظمت ہے نہ شوکت نہ شکوہ
کیا ہی اس نام سے گھبراتا ہوں

علیؔ:

نام مرزا علی قلی۔ علویوں میں سے ہیں اور صاحب دیوان ہیں۔ ان کا شعر ہے :

جدائی میں تری اے ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں بجائے مو بدن سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں

علیؔ:

نام علی محمد خان۔ اعظم الدولہ کا قول ہے کہ یہ افغانی النسل اور مراد آباد کے باشندے ہیں

ان کا شعر ہے :۔

دھیان میں لاتے ہیں جب اسیر کسی کے گات ہم مارے ہیں تب وہیں چھاتی پر یہ دونوں ہات ہم

عنایتؔ:۔

نام عنایت علی خاں۔ نواب عبدالعلی خاں کے بیٹے تھے جو عباس علی خاں کے چھوٹے بھائی تھے جو غزل ریختہ میں بیتابؔ اور فارسی غزل میں مائلؔ تخلص کرتے تھے۔ فارسی غزل شیخ امام بخش صہبائی کو دکھاتے تھے۔ اور ریختہ میں امیر حسین تسکینؔ سے مشورہ کرتے تھے

ان کا شعر ہے :

میں اس کے روش سے محفل میں لگ کے بیٹھ گیا تبھی یہ دیکھ کر اغیار بے حیا نہ اٹھے

عیشؔ:۔

نام مرزا حسین رضا۔ وطن لکھنؤ۔ فن شعر کو سوزؔ سے حاصل کیا۔ ان کا شعر ہے :

وہ اگر آوے پشت بام کہیں
میں بھی کر لوں اسے سلام کہیں

عیشی:

نام طالب علی خان۔ وطن لکھنؤ۔ ریختہ اور فارسی دونوں زبانوں میں غزل گوئی کی مشق کرتے تھے۔ ان کا کلام عمدہ اور نظم دلآویز ہوتی ہے۔ فارسی میں قتیل سے اور ریختہ میں مصحفی سے استفادۂ فن کیا۔ اس شہر کے معززین میں سے ہیں۔ دونوں زبانوں میں ان کے دیوان موجود ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

دل گرفتہ ہوں کروں گا ہو کے میں آزاد کیا ‏ مجھ کو یکساں ہیں چمن کیا خانۂ صیاد کیا

زخم کاری جسم پر کشتوں کی جان تازہ ہے ‏ آب حیواں میں بجھا تھا خنجر جلاد کیا

کون پابند جنوں فصل بہاراں میں نہ تھا ‏ اس برس ننگ جوانی تھا جو زنداں میں نہ تھا

لے چلے ہم یہ کف آبلہ دار آخر کار ‏ خار بھی اپنے نصیبوں کا بیاباں میں نہ تھا

میں نے عیشی سے جو پوچھا دل پر خوں کا حال ‏ اک صراحی مئے گلگوں کی بھری دکھلائی

عیاش:۔

نام میر یعقوب۔ صرف مرثیہ کہتے ہیں۔ ان کا کلام ہے:۔

خنجر بیداد کو سنگ فساں پر تیز کر ‏ وقت قتل اتنا نہ رحم مجھ پہ اے خونریز کر

پیر میخانہ یہی کہتا ہے ہر اک رند کو ‏ صحبت زاہد سے جتنا ہو سکے پرہیز کر

عیاش۔

نام خیالی رام۔ دہلی کے کاتبوں میں سے ہیں۔ شاہ نصیر کے شاگرد ہیں۔ ان کا شعر ہے۔

جام ہے ہاتھ میں اور شیشۂ مے زیر بغل ‏ نہیں عیاش کو اب بزم خرابات سے چھوٹ

حرف الغین

غالب :۔

نام مکرم الدولہ بہادر بیگ خاں۔ والد کا نام نیاز بیگ خاں جو ذوالفقار الدولہ بہادر کے زمانے کے اکابرین سے تھے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ باپ کے مرنے پر خوب داد عیش دی اور بہت دولت بزم سرور پر خرچ کی تھی۔ غلام قادر خاں کے فتنے کے قبل مشاعرے منعقد کرتے تھے۔ لوگوں کو مہمان بلاتے تھے۔ رات میں صحبت شعر و شاعری کے بعد رقص و سرود حسیناں کی محفل گرم ہوتی تھی۔ فارسی میں بھی شاعری کرتے تھے۔ ۱۲۱۹ھ میں وفات پائی۔ ان کا کلام یہ ہے :۔

رہتے ہیں آئینہ سے ہمیشہ دوچار آپ ‏ تنہا ہی لوٹتے ہیں یہ ساری بہار آپ

بجلی کے چمکنے سے ہے احسان ‏ شب چھاتی سے لگ گیا وہ ڈر کر

قصۂ درد و غم اپنا جو سنایا ہم نے ‏ یاں تلک روئے کہ اس کو بھی رلایا ہم نے

غالب :۔

نام غالب علی خاں۔ یہ دوندے خاں کے پوتے تھے۔ کہ جو شجاعت اور بہادری میں رستم زمانہ تھے، بلکہ اکثر اوصاف میں دوسرے روسا کے مقابلہ میں وہ اپنی نظیر آپ ہی تھے، جہاں تک شاعری کا تعلق ہے۔ وہ بہت صاحب بصیرت تھے۔ ان کا شعر ہے۔

جاں بلب ہیں تری اس چشم کے بیمار بہت ‏ تیر مژگاں سے ہوئے ہیں جگر افگار بہت

غالب :۔

اسم شریف اسد اللہ خاں اور مرزا نوشہ کے نام سے مشہور ہیں بڑے معزز خاندان اور پرانے رئیسوں کے گھرانے سے ہیں۔ اکبر آباد۔ آپ کے قیام سے سر بلند تھا۔ اب دار السلطنت شاہجہاں آباد آپ کے قیام کی بدولت رشک اصفہاں و شیراز ہے۔ چمن معانی کے طوطی بلند پرواز، اور گلشن رنگین بیانی کے بلبل نغمہ پرواز آپ کی بلند خیالی کے مقابلے میں بلند آسمان پستی زمین ہے، اور ان کی گہرائی فکر کے سامنے قارون کرسی نشیں معلوم ہوتا ہے۔ ان کا شاہین تخیل سوائے عنقا کے کسی کا شکار نہیں کرتا، اور فرس طبیعت میدان فلک کے علاوہ جولانی نہیں دکھاتا، اگر آج کل قیمتی سرمایہ کی تلاش مقصود ہو تو ان ہی کی دوکان میں ملے گا۔ ایک مدت سے دائرہ شعر و شاعری میں قدم ہے۔ شروع شروع میں اپنی دشوار پسند طبیعت کی بنا پر مرزا عبد القادر بیدل کے رنگ میں دقت آفرینیاں کیں آخر میں آ کر یہ رنگ چھوڑا اور دوسرا پسندیدہ رخ اختیار کیا۔ اپنے دیوان کو بعد تکمیل ترتیب کے نظر انداز کر دیا، اور اس میں سے بہت سے اشعار کو نکال دیا اور تھوڑا حصہ انتخاب کیا ہے۔ بہت عرصے سے ریختہ کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔ فارسی زبان میں بہت قدرت رکھتے ہیں۔ ان کا مرتبہ بڑے استادوں سے کم نہیں ہے۔ ان کی غزل مثل نظیری کے بے نظیر ہوتی ہے۔ اور ان کا قصیدہ مثل عرفی کے قصیدے کے بہت دل پسند ہوتا ہے شعر کے مضامین کو پورے طور پر سمجھتے ہیں اور تمام نکات اور لطافتوں کی تہہ کو پہنچ جاتے ہیں، اور یہ وہ فضیلت ہے، جو صرف چند اہل سخن کو حاصل ہے۔ اگر نکتہ رس ہو تو یہ بات سمجھو گے کہ اگر چہ اچھا کہنے والے کمیاب ہیں۔ لیکن شعر فہمی کا ملکہ رکھنے والے اس سے بھی کم ہیں کیا کہنا اس شخص کا کہ جس کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوں۔ مگر ایسے لوگ کم دکھائی دیتے ہیں۔ اگر چہ ان سے ملاقات صرف کبھی کبھی ہوتی ہے۔ لیکن حقیقی تعلق مستحکم ہے۔

ان کا دیوان نظر سے گزرا ہے اور اس میں سے یہ اشعار منتخب کیے ہیں ۔

کاو کاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد
سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

جاتی ہے کشمکش کوئی اندوہِ عشق کی
دل ہی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا

احباب چارہ سازیِ وحشت نہ کر سکے
زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

تو اور سوئے غیر نگہ ہائے تیز تیز
میں اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بھر آئیں گے

ہے اب اس معمورہ میں قحطِ غمِ الفت اسد
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائیں گے کیا

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

نہ مارا جان کر بے جرم قاتل تیری گردن پر
رہا مانندِ خونِ بے گنہ حق آشنائی کا

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں
شایانِ دست و بازوئے قاتل نہیں رہا

غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ گل مت دو
مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بے جا کا

ولئے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
اب تلک تو یہ توقع ہے وہاں ہو جائے گا

اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا
غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا

کافی ہے نشانی تری چھلے کا نہ دینا
خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

رسوم گریہ کا سامان کب کیا میں نے
کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار

نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی
ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار

وہ آ رہا مرے ہمسائے میں تو سائے سے
فدا ہوئے در و دیوار سے در و دیوار

فلک سے ہم کو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
متاع بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر

ستم کش مصلحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پہ مائل ہیں
تکلف بر طرف مل جائے گا تجھ سا رقیب آخر

گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

مر گیا پھوڑ کے سر غالب وحشی ہے ہے
بیٹھنا اس کا وہ آ کر تری دیوار کے پاس

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں اے خدا
رکھ لیجو میرے دعوئ وارستگی کی شرم

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں

دھول دھپہ اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

لوں وام بخت خفتہ سے اک خواب خوش ولے
غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

ترے سرو قامت سے اک قد آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو
تو تغافل میں کسی طرح سے معذور نہیں

دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے
دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبال دوش
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

منا تمنا اگر نہیں آساں تو سہل ہے — دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تہی — سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہیں — ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں

کم نہیں وہ بھی خرابی میں یہ وسعت معلوم — دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشت قیس میں آنا — تعجب سے وہ بولا یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں

ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر — عشق کا اس کو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں

اہل تدبیر کی درماندگیاں — آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ — ہر چند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو

تم وہ نازک کہ خموشی کو گلہ کہتے ہو — ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر — آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو — اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

رہے اس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے — تکلف برطرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی

مرے دل میں ہے غالب شوق وصل و شکوۂ ہجراں — خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

ایک جا حرف وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا — ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط پرواز ہے

غیر کو یارب وہ کیوں کر منع گستاخی کرے — گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے

ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا — رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی — فلک کا دیکھنا تقریب تیری یاد آنے کی

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا — بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

ہے بارے اعتماد وفاداری اس قدر — غالب ہم اس پہ خوش ہیں کہ نامہرباں ہیں

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے — خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے — کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

اگ رہا ہے در و دیوار پہ سبزہ غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر پہ بہار آئی ہے

بس ہجوم ناامیدی خاک میں مل جائیں گے
یہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے

نظارے نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پہ بکھر گئی

پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں
پھر وہی زندگی ہماری ہے

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

نہ مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال
مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے

دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستم گر
کچھ تجھ کو مزہ بھی مرے آزار میں آوے

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی شکوہ شادی نہ سہی

کب وہ سنتا ہے کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری

اچھا ہے سر انگشت حنائی کا تصور
دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے
یاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسو کی

دشمنی نے میری کھویا غیر کو
کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی
وائے ناکامی کہ اس کافر کا خنجر تیز ہے

وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے
تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے با ایں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

زندگی اپنی جب اس رنگ سے گذری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

غازی :-

دکن کے شعرا میں سے ہیں۔ ان کا ایک شعر ہے :-

تمھیں مژدہ ہے دیوانوں مقرر پھر بہار آئی　　　　کہ بوئے گل سحر دروش ہوا پر ہو سوار آئی

غافل :-

نام رائے سنگھ۔ فن حساب بہت اچھا جانتے ہیں۔ ان کا شعر ہے :-

وصف کرتا ہوں ان لبوں کا جب　　　　غافل اس وقت لعل اگلتا ہے

غافل

نام بختاور سنگھ۔ مراد آباد کے ایک شاعر ہیں۔ ان کا شعر ہے :

بیمار عشق سے نہ دوا ہو طبیب سے　　　　مر جائے یا جیے کوئی اپنے نصیب سے

غریب :-

یہ صاحب مراد آباد کے رہنے والے ہیں۔ ان کا شعر ہے :-

گھر چھٹا شہر چھٹا ایک نہ چھوٹا غم عشق　　　　ہم تو غربت کی اسی بات کے دیوانے ہیں

غریب :-

نام شیخ نصیر الدین احمد کشمیری۔ ولادت ان کی دہلی میں ہوئی لوگوں نے لکھا ہے کہ وہ زبان فارسی میں بھی صاحب دیوان ہیں۔ کبھی کبھی اردو میں بھی شعر کہتے تھے۔ ان کا شعر ہے :-

حال دل شوریدہ کہوں کس سے غریب آہ　　　　وہ درد نہیں جس کی طبیبوں سے دوا ہو

غضنفر :-

نام غضنفر علی خان . غلام حسین کروڑہ کے پوتے ہیں۔ لکھنؤ میں قیام ہے۔ جرأت کے شاگردوں میں ممتاز ہیں۔ لیکن میں نے کوئی شعر اُن کا ایسا نہیں دیکھا جس کی بنا پر یہ بات قبول کی جا سکے سوائے پہلے شعر کے کہ جو پر معنی ہے اور اپنے استاد کے انداز پر کہا گیا ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے :۔

کہتا تھا اس مریض کو وہ کل سنا سنا ۔۔۔ کر دے کوئی معاف کسی کا کہا سنا

تصور میں ہو اس سے دو بدو ہم ۔۔۔ کیا کرتے ہیں پہروں گفتگو ہم

کھنچی دیکھی جو کل تصویر مجنوں ۔۔۔ تو گویا بیٹھے ہیں بس ہو بہو ہم

لایا یوسف کا مصور جو دکھانے نقشہ ۔۔۔ گئے اس نقشے سے اپنے وہ ملانے نقشہ

غلام

نام راجہ گوپال ناتھ۔ یہ راجہ رام ناتھ کے بیٹے تھے۔ حضرت شاہ عالم کے مقربوں میں سے تھے اور اسی رعایت سے غلام تخلص رکھا تھا۔ ان کا کلام ہے۔

جو ہم بستر کبھو ہم ہوں غلام اس خوبصورت سے ۔۔۔ نہ لیں واللہ تا روز قیامت دوسری کروٹ

خط دے تو نہ دے گوش بر آواز ہیں قاصد ۔۔۔ مژدہ تو ہمیں یار کے آنے کا سنا دے

غلامی :۔

نام شاہ غلام محمد۔ شاہ حاتم کے معاصرین میں سے ہیں۔ ان کا شعر ہے :۔

کل جس کی نظر تیر سی گذری مرے دل سے ۔۔۔ پھر آج وہی دور سے قاتل نظر آدے

غمگین :۔

نام میر سید علی۔ یہ میر سید محمد غفور کے بیٹے تھے کہ جو شاہ نظام الدین احمد قادری

کے بھائی تھے۔ مرہٹوں کے زمانے میں صوبہ جہان آباد کے اختیارات نظم و نسق ان کے ہاتھ میں تھے۔ ان کا کلام ہے:۔

تو نے صیاد نیا ظلم یہ ایجاد کیا ۔۔۔ بال و پر توڑ قفس سے مجھے آزاد کیا
مہرباں کوئی مرا جز غم دلدار نہیں ۔۔۔ خس کا شعلے کے سوا اور خریدار نہیں

غنی:-

شکوہ آباد کے لوگوں میں سے ہیں۔ ان کا شعر ہے:

اگر کچھ زندگی میں مزا ہے ۔۔۔ تو ایام جوانی میں مزا ہے

غنی:-

نام شیخ عبد الغنی۔ یہ صاحب تھانہ کے رہنے والے ہیں جو سہارنپور کے متعلقات میں سے ایک مقام ہے۔ ان کا شعر ہے:۔

پڑتی ہے نظر جس پہ دم چشم پریدن ۔۔۔ یاں ہم نے پر کاہ بھی بیکار نہ پایا

غواص:-

دکن کے رہنے والے ہیں اور پرانے زمانے کے شعرا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کا شعر ہے:

ترا منہ دیکھ بلبل پھول سے بیزار ہو جاوے ۔۔۔ اگر گل تجھ تلک پہنچے گلے کا ہار ہو جاوے

حرف الفا

فارغ :-

نام میر احمد خان ۔ اعظم الدولہ میر محمد خاں المتخلص بہ سرور کے بڑے صاحبزادے ہیں اور اُن ہی کے زیر تربیت رہے ہیں ۔ بہت نیک اور پسندیدہ اطوار کے آدمی ہیں۔ حسن اخلاق اور جودت طبع میں مشہور ہیں۔ مجھ سے بھی ملاقات ہے ۔ یہ دو تین شعر ان کے کلام سے نقل کیے گئے ہیں:۔

اپنے دیوانے کا تو شوق گرفتاری تو دیکھ — پاؤں مر کر بھی نہ نکلے حلقۂ زنجیر سے
خطرے کے نہ اس سے جو مرا نامہ بر آئے — یاں شرم سے آئے نہیں اور اپنے گھر آئے
کیا چین سے جا قبر میں آرام کروں گا — دم بھر بھی اگر موت سے وہ پیشتر آئے

فارغ :

ان کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے ان کا ایک مطلع ہے:۔

قطرۂ اشک جو نکلا سو وہ گوہر نکلا — بعد مدت کے مرے چشم کا جوہر نکلا

فارغ :-

فارغ شاہ نام، بریلی کے باشندے، آغاز جوانی میں دنیاداروں سے ملتے تھے اور اب خوجہ میں بے نیازانہ زندگی بسر کرتے ہیں ۔ قابل اعتبار اور ثقہ لوگوں سے سنا ہے کہ

باطن کے کیفیات سے بہرہ اندوز اور جذب کی کیفیت ان کے سلوک میں غالب رہتی ہے
ان کا شعر ہے ۔
ممکن نہیں کہ حرف قضا ہو جبیں سے دور جب نقش ہو چکا نہیں ہوتا نگیں سے دور

فارغ :۔

نام مکند سنگھ ۔ بریلی کے رہنے والے ہیں ۔ اور شاہ حاتم کے شاگرد ہیں ۔ اُن کا شعر ہے :۔
دور سے دیکھ مجھے چیں بر جبیں ہوتا ہے تاکہ کچھ کہہ نہ سکوں بلبلے رکھائی تیری

فائز :۔

نہ میں نے ان کو دیکھا ہے اور ان کے حالات سننے کا اتفاق ہوا ہے ۔ ان کا شعر ہے :۔
کل ملے گا وہ گلے غیروں کے یہ آیا جو دھیان بس ہلال عید مجھ کو نیش عقرب ہو گیا

فدا :۔

فدا شاہ کے نام سے مشہور ہیں ۔ ان کا نام سید محمد علی ہے اور وہ لوہاری کے رہنے والے ہیں ۔ جو سہارنپور کے متعلقات میں سے ہے ۔ پیشتر ذریعۂ معاش سپاہ گری تھا ۔ پھر بعد میں قیامت کا خوف ان پر غالب ہوا ۔ ترک دنیا کر کے مجردانہ طور پر سیر و سفر میں بسر کرنے لگے ۔ ایک عزیز کا بیان ہے کہ اسی سلسلہ میں اس شہر میں بھی آئے تھے ۔۔ یہ صاحب میل جول میں پسندیدہ اور بذلہ سنج تھے ۔ شاعری کے دلدادگان میں سے تھے رطب و یابس دونوں طرح کا کلام ہے ۔ احباب ازروئے ظرافت ، ان کی تعریف و توصیف حد سے زیادہ کرتے تھے ۔ اخیر میں ان کی طبیعت ہزل کی طرف مائل ہوئی ۔ اس شہر سے گئے ہوئے ان کو گیارھواں سال ہے ۔ دوبارہ آنے کا وعدہ کر گئے تھے ۔ لیکن چونکہ وعدہ کو

وفا نہیں کیا اس لیے گمان ہوتا ہے کہ شاید انتقال ہوگیا ہو۔ ان کا کلام ہے :۔

اس سے میں اور مجھ سے وہ باہم رہا ایک مدت تک یہی عالم رہا
جس نے کھایا ہے تیر مژگاں کا اس کے نزدیک پھانسی ہے بھلا

فدا :۔

نام میر عبدالصمد۔ دہلی کے طلبا میں سے ہیں۔ ان کا شعر ہے :۔

جو درد دل کا لکھوں یار کو میں لے کاغذ تو اشک یاں تلک امڈے کہ بہہ چلے کاغذ

فدا :۔

نام فدا حسین۔ قوم کے مغل ہیں۔ قیام لکھنؤ میں ہے۔ ابتدا میں اپنا کلام میر ممنون کو دکھاتے تھے۔ بعد میں مصحفی کو دکھانے لگے۔ ان کے بزرگوں کو فن رمل میں بہت مہارت تھی اور طب میں بہت سلیقہ تھا۔ نمونۂ کلام یہ ہے :۔

تیرے جو نگاہ میں سبک ہیں ہر ایک کے جی پہ بار ہیں ہم
کیا کوئی سر جھکا کے ہووے ذلیل ہاتھ تیرا کبھی اٹھا ہی نہیں
ناکام کیا رہیں گے کچھ کام کر رہیں گے بد نام ہوں گے تو بھی اک نام کر رہیں گے
واں ہمکنار غیر سے وہ رشک ماہ ہے یاں کنج غم میں شکوۂ بخت سیاہ ہے
نہیں کھاتا وہ قسم غیر کے گھر جانے کی سچ جو پوچھو تو یہی بات ہے مرجانے کی
ظالم یہ جرم دل ہے کہ عاشق ترا ہوا قتل فدا عبث ہے کہ وہ بے گناہ ہے

فدا :۔

نام امام الدین۔ یہ رہنے والے فرید آباد کے ہیں۔ ان کا شعر ہے :۔

تو بات بات میں ہوتا ہے مجھ سے آزردہ — یہی تو کچھ نہیں اے دلربا تری باتیں

فدا :۔

نام لچھمی رلئے ۔ دہلی کے رہنے والے اور سودا کے شاگردوں میں سے ہیں ۔ ان کا کلام یہ ہے :۔

گذشتہ حسن کا اب تک نشان باقی ہے — نہ ہوں فریفتہ کیوں کر کہ آن باقی ہے
کہا جو ان سے کہ ہیں دل تو کر چکا ہوں فدا — تو ہنس کے بولے ابھی تجھ میں جان باقی ہے

فدا :۔

نام محمود خان صدر الصدور ۔ وہ ایک مرد مہذب تھے اور کسب علم کا شوق رکھتے تھے ان کا شعر ہے :۔

جوں شمع ضبط نالہ تو ہم نے کیا خدا — پر بس چلا نہ گریۂ بے اختیار سے

فدائی :۔

نام مرزا عظیم بیگ ۔ پیشہ تجارت ۔ ان کا شعر ہے :۔

یار گوشے میں ہے اور عیش سے مایوسی ہے — نقش پا تک بھی مرے درپئے جاسوسی ہے

فدوی :۔

نام مکند ۔ ایک بنیے کے لڑکے تھے ۔ وطن لاہور ۔ دولت اسلام سے مالا مال ہوئے اس شہر میں آکر سودا کے ساتھ مقابلہ کیا ۔ سودا نے ان کی رکیک قسم کی ہجویں کہیں ۔ یہ ہجویں مشہور ہیں ۔ ان کا شمار شاہ صابر علی صابر کے شاگردوں میں ہوتا ہے ۔ لوگ کہتے ہیں سادہ

رو دلبر یاؤں کا نقش دل پر رکھتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں کئی مرتبہ جھگڑے بکھیڑے ہوئے اور زخمی بھی ہوئے۔ آخر کار نواب ضابطہ خاں کی سرکار میں ملازم ہوگئے اور پھر انتقال کیا بعض تذکرہ نویس ان کو مغل اور نام فدائے بیگ تحریر کرتے ہیں، بہر حال ان کے اشعار یہ ہیں:

بعد مرنے کے بھٹکتا ہوں تہہ خاک ہنوز — ساتھ پھرتی ہے مرے گردش افلاک ہنوز

چشم پرآب ہے اور تسپہ جگر جلتا ہے — کیا قیامت ہے کہ برسات میں گھر جلتا ہے

آوارہ و سرگشتہ نہ دیوار نہ در کے — سائے کی طرح ہم نہ ادھر کے نہ ادھر کے

یہ سرو نہیں باغ میں ہے آہ کسی کی — نرگس نہیں تکتا ہے چمن راہ کسی کی

فدوی :-

میر فضل علی نام کے ایک شاعر گزرے ہیں۔ ان کا شعر ہے:-

یار سے ہے لطف مے کا آہ بیہودہ نہ ہو — یہ کوئی محفل ہے ساقی واہ یہ بیہودہ نہ ہو

قدوی :-

نام محمد حسن۔ وطن لاہور۔ ابتدائے شباب میں دہلی آئے۔ اور شاہ مبارک آبرو کی شاگردی اختیار کی۔ فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کا شعر ہے:-

یار ہم سے جو سدا چیں بہ جبیں رہتا ہے — نہیں معلوم بلا کون سی پیش آتی ہے

فدوی :-

نام مرزا محمد علی۔ جو مرزا تجو کے نام سے مشہور تھے۔ جہان آباد کے رہنے والے اور احمد شاہ کے حضور میں وقائع نگاری پر مامور تھے۔ بعد میں عظیم آباد میں سکونت اختیار کی اور شاہ گھسیٹا سے عشق کیا۔ عشق کا سودا سر میں تھا۔ آخر میں صاحبدلوں میں سے ایک

صاحب کے دامن سے توسل کر لیا تھا۔ ان کا کلام یہ ہے:۔

گالیاں کیوں کرنہ دیوے تونے فدوی چھیڑ چھیڑ ایک تو وہ تھا ہی اس کو اور بھی بدخو کیا

گلہ آپس میں ایسا بھی کبھو تھا تکلف ہر طرف ایسا ہی تو تھا

تجھ سے ہوتے ہیں دردمند جدا گو کرے کوئی بند بند جدا

شب ہجراں کی اور تو فدوی ہمیں تقریر کر نہیں آتی

پر وہ وہ رات ہے کہ جس کی ہمیں صبح ہوتی نظر نہیں آتی

چل ساتھ کہ حسرت دل محروم سے نکلے عاشق کا جنازہ بھی ذرا دھوم سے نکلے

فراغ:۔

نام محمد فراغ۔ شاہ جہان آباد میں بچوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ ان کا شعر ہے:۔

روتا ہے فراغ آج ترے کوچے میں پیارے دل توڑیے اس طرح نہ زنہار کسی کا

فراسو:۔

نام بھی یہی ہے۔ نصاریٰ میں سے ایک صاحب تھے۔ یہ زینت النساء بیگم سمرو فرانسیس کے ہاں ذخیرے کے متعلق خدمات پر ملازم تھے۔ اپنا کلام خیراتی خاں دلسوز کو دکھاتے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔ اس شعر کو ان کے استاد کے نام سے بھی لکھا گیا ہے۔

ہے خواب میں دیکھا تو یہ ظاہر بلائیں گے قسمت سے نہ گر خواب کی تعبیر الٹ جائے

فرخ:۔

نام میر فرخ علی۔ جہان آباد دہلی کے رہنے والے ہیں۔ ان کا شعر ہے:۔

چشم سے نور گیا تن سے تواں دل سے صبر ہجر میں تیرے جدا مجھ سے ہوا کیا کیا کچھ

فرخ :-

یہ ایک زن بازاری تھیں۔ اور اپنے ملاقاتیوں میں کافی مقبول اور پسندیدہ نظر سے دیکھی جاتی تھیں۔ رہنے والی کاشہ کی تھیں جو پورب کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ ان کا شعر ہے:

نگاہ پاک کی شاید یہی تاثیر ہوتی ہے ہمارے قتل کی تدبیر بے تقصیر ہوتی ہے

فرحت :-

نام امیر علی۔ وطن دہلی۔ حکیم میر عزت اللہ خاں عشق کے شاگردوں میں سے ہیں۔ عرصہ ہوا کہ علاقہ خاطر کی بنا پر وطن سے لکھنؤ چلے گئے۔ ان کا کلام ہے:

قصہ درد جدائی جو کہا یار سے مل رات کو شمع صفت خوب رلایا اس کو
سنا تم نے وہ چشم تر تھی کسو کی ملا جس کو تلووں سے نرگس سمجھ کر
لگی کیا ہے کافر نظر تھی کسو کی نہ پنہاں دل اپنا نہ پنہاں یہ فرحت

فروغ :-

نام میر روشن علی خاں۔ والد کا نام اکبر علی خاں۔ جو بہت مشہور آدمی تھے۔ شاعری میں میر ممنون سے فیض حاصل کرتے تھے۔ ان کا شعر ہے:

گھر میں کبھی ہمارے وہ شمع رو نہ آیا تاریک کلبہ اپنا کیا ہو فروغ روشن

فریاد :-

صحیح حال معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن اتنا کہ یہ صاحب لکھنؤ کے مشاعروں میں طرحی غزلیں پڑھتے ہیں۔ یہ اشعار ان میں سے ہیں:-

چین پایا دہ پس مردن دل بیتاب نے ۔۔۔ گوشۂ مرقد ہمیں آغوش مادر ہو گیا
قتل کا اپنے لکھا ہے میں نے مضموں پیشتر ۔۔۔ واسطے میرے مرا دیوان محضر ہو گیا
تلخی ہجراں مرے کام آئی آخر روز بد ۔۔۔ زہر بھی میں نے پیا تو شیر مادر ہو گیا

فراقؔ :-

نام حکیم ثناء اللہ خان - یہ ہدایت خاں المتخلص بہ ہدایتؔ کے بھتیجے ہیں، جو جہان آباد کے مشہور اہل سخن میں سے گذرے ہیں اور جنھوں نے خواجہ میر دردؔ سے کسب باطن بھی کیا ہے اور فن شعر بھی حاصل کیا ہے۔ فن طب میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ ان کا کلام شستہ و صاف ہوتا ہے۔ ان کی طبیعت کجی و بے راہ روی و گمراہی سے پاک تھی۔ ان کی وفات کو چند سال ہو چکے ہیں۔ یہ صاحب دیوان تھے۔ یہ اشعار ان کے ہیں :-

یہاں تک ہوں سبک روز رہ عدم میں فراقؔ ۔۔۔ قدم جو رکھوں تو نقش قدم نہیں ہوتا
صاف دل کو کیا اور داغ جگر کو دھویا ۔۔۔ کام کیا کیا نہ مرے دیدۂ تر سے نکلا
بعد مرنے کے بھی اک گردش رہی ہم کو مدام ۔۔۔ مشت خاک اپنی رہی تھی کچھ سو پیمانہ بنا
انگلیاں گھس گئیں یاں ہاتھوں کی ملتے ملتے ۔۔۔ لیکن افسوس نوشتہ نہ مٹا قسمت کا
یہ غم ہے ساغر مینا مجھ کو میرے بعد ۔۔۔ ذرا بھی تم کو نہیں کوئی منہ لگانے کا
حسرت ذرا بھی دل سے نہ نکلی ہزار حیف ۔۔۔ نکلا ادھر وہ گھر سے ادھر جی نکل گیا
سمجھے تھے دام زلف سیہ ہے بلائے جان ۔۔۔ پر کیا کریں کہ لے گئی تقدیر کھینچ کر
میں رکھ کے ہاتھ جو سینے پہ اپنے سوچوں ہوں ۔۔۔ بجائے دل مجھے ہوتا ہے خار سا معلوم
خوش آتی ہیں پاؤں کی تری ٹھوکریں ظالم ۔۔۔ سر کو کبھی قدموں سے اٹھانے کے نہیں ہم
آنا یہ ہچکیوں کا مجھے بے سبب نہیں ۔۔۔ بھولے سے اس نے یاد کیا عجب نہیں
آنکھ اس شوخ ستمگر سے لڑا بیٹھے ہیں ۔۔۔ بس چلے یا نہ چلے جی تو جلا بیٹھے ہیں

رہتا ہے عاشقوں سے از بس ہجوم در پر — ہو جائے گا گمر اس کا بازار رفتہ رفتہ
دامن اٹک گیا تھا کہیں اس کے دشت وہم — اللہ رے نازکی وہیں چولی مسک گئی

فراقی :-

نام پریم کشور۔ یہ راجہ جوگل کشور کے پوتے تھے۔ جنھوں نے بازگیری اختیار کرلی تھی اور جن کو ہر کس و ناکس جانتا تھا۔ انھوں نے دنیا ترک کردی تھی اور تمام عالم کی سیاحت کی تھی۔ ان کا شعر ہے:-

ہوئیں آنکھیں گلابی روتے روتے — گلابی کی نہ دیکھی شکل افسوس

فرہاد :-

نام میر ببر علی۔ وطن فیض آباد تھا۔ اور یہ میر حسن کے شاگرد تھے۔ جو مشہور و معروف مثنوی کے مصنف تھے۔ ان کا شعر ہے:-

مرے چاہے سے وہ بت رام کیا ہو — خدا کا گر نہ ہو فرہاد چاہا

فصیح :-

نام مرزا جعفر علی۔ لکھنؤ کے شعرا میں سے ہیں۔ فن شعر کو شیخ ناسخ سے حاصل کیا ان کا کلام ہے:-

یہ تو قسمت میں کہاں تھا کہ کروں کسب کمال — بے کمالی میں بھی افسوس کہ کامل نہ ہوا
مجھ میں اک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں — تم میں دو وصف ہیں بدخو بھی ہو مغرور بھی ہو

فضل :-

نام مولا خاں۔ وطن لکھنؤ۔ بہت خوبصورت، خوش وضع، نیک سیرت، خوش رو، نوجوان

آدمی تھے۔ میل جول کے اچھے طبیعت کے تیز تھے۔ جہان آباد بھی آئے۔ ایک مرتبہ شاہ اکبر کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا تھا۔ اور وحید عصر افضل الشعرا کا خطاب پایا طبیعت بہت شوخ پائی تھی۔ خود شعر کم کہتے تھے۔ اور زیادہ تر دوسروں کے اشعار اپنے نام سے پڑھتے تھے۔ اگرچہ پڑھے لکھے نہ تھے۔ لیکن کسی کو ان کی جہالت نہ معلوم تھی۔ لیکن آخر میں شیخی خوری کی بدولت رسوا و بدنام ہوئے۔ پھر کلکتہ گئے اور وہاں سے واپس آ کر نواب مرشد آباد کی مصاحبت میں شہرت حاصل کی۔ شعرا کے ساتھ صلہ و مروّت سے پیش آتے تھے۔ افسوس کی بات ہے کہ نوجوانی کے عالم میں وفات پائی۔ یہ دو تین شعر ان کے نام سے مشہور ہیں۔

اودی مسی وہ اس کی کہ سینے پہ حرف ہے — لب وہ کہ لعل کے بھی نگینے پہ حرف ہے

دل خیال زلف سے اس کے نہ بس معمور ہے — صبح محشر بھی مجھے شام شب دیجور ہے

فغاںؔ:۔

اشرف خاں نام۔ کوکلتاش خاں کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ یہ احمد شاہ بادشاہ کے دودھ شریک بھائی تھے۔ ترکی میں کوکلتاش رضاعی بھائی کو کہتے ہیں۔ علی قلی خاں ندیم کے شاگرد تھے۔ معزز لوگوں میں سے تھے۔ یہاں سے نقل مکان کر کے عظیم آباد میں سکونت اختیار کی تھی۔ ۱۱۹۶ھ میں اس دار فانی سے رحلت کر کے بہشت جاودانی کی راہ لی ان کا کلام ہے

کرتا ہے وصل میں در و دیوار پر نظر — تجھ کو مزا پڑا ہے فغاں انتظار کا

ممکن نہیں کہ غیر نہ ہووے رکاب میں — تجھ کو خدا بلائے ہمارے مزار پر

کیا تو شب فراق میں جیتا رہا فغاںؔ — یاں تک گماں نہ تھا ترے صبر و قرار کا

شکوہ کرے ہے تو جو مرے اشک سرخ کا — تیری کب آستیں مرے لوہو سے بھر گئی

تنہا اگر میں یار کو پاؤں تو یہ کہوں — انصاف کو نہ چھوڑ نجیب اگر گئی

آخر فغاںؔ وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا
وہ کیا ہوئی تپاک وہ الفت کدھر گئی

عشاق تیرے گرمی بازار کر گئے
اس جنس کو گراں یہ خریدار کر گئے

میں مر گیا پر آہ نہ پوچھا فغاںؔ مجھے
درد جگر کسے ہے یہ بیمار کون ہے

تحمل آتش غم میں دل بیتاب کیا جائے
ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پر سیماب کیا جانے

قاصد جو نا امید پھرا کوئے یار سے
خفت مجھے ہوئی دل امیدوار سے

تیرے ہی دل سے پوچھیے اس غم کو یاں فغاںؔ
الفت بری بلا ہے کسی کو خدا نہ دے

نہ کھولیے ترے بند قبا تو کیا کیجے
دل گرفتہ کو ظالم کبھی تو وا کیجے

فقیر:۔

نام میر فقیر اللہ۔ شعرا کے طبقہ میں شاہ عالم بادشاہ کے حضور باریاب تھے۔ گیتوں اور دوہروں سے بھی آگاہ تھے۔ بہت مہذب اخلاق کے انسان تھے۔ کبھی کبھی دوستوں کی خاطر اردو میں بھی شاعری کرتے تھے۔ ان کا کلام ہے:۔

میرے سحاب چشم کو نیساں پہ ہے شرف
ہے کون سی گھڑی کہ یہ گوہر فشاں نہیں

صافی دل کے دید کو مانع نہیں حجاب
عینک سے ہے دوچند ضیائے بصر مجھے

فقیرؔ:۔

نام میر شمس الدین۔ وطن دہلی۔ خاندان بنی عباس سے ہیں۔ زبان دری میں معقول دستگاہ رکھتے ہیں۔ اور جہاں تک عروض وقافیہ کا تعلق ہے اپنے زمانے میں لاجواب انھوں نے کئی رسالے تصنیف کیے ہیں جو اس دعوے کا بین ثبوت ہیں۔ ۱۱۷۰ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ خداوند عالم ان کی عزت وبزرگی میں اضافہ فرمائے۔ واپسی کے وقت ان کا سفینۂ حیات غرق فنا ہوگیا۔ اردو میں بھی شعر کہتے تھے۔

ان کا کلام ہے:۔

خال اس کی بیاض گردن کا — نقطۂ انتخاب ہے گویا
ہے غرض دید سے یاں کام تکلف سے نہیں — خواہ ادھر بیٹھ گئے خواہ ادھر بیٹھ گئے
کم ہے آواز ترے کوچے کے باشندوں کی — نالے کرنے سے گراں کے گلے بیٹھ گئے

فگار:۔

نام میر حسین۔ یہ میر فقیر اللہ فقیر کے پوتے تھے۔ چوٹ کھایا ہوا دل رکھتے تھے اور خاندانی سید تھے۔ یہی شہر جنت نشان ان کا وطن تھا۔ اپنا کلام مرزا اسد اللہ خاں غالب کو دکھاتے تھے۔ ان کا کلام ہے:۔

دیکھ آئینے کو اس نے کیا اس لیے ٹکڑے — یعنی مجھے کس واسطے مجھ سا نظر آیا
کرتا ہے غنچہ تیرے وہاں کی برابری — شاید یہ اپنی بھول گیا ہے دہن کی بو

فگار:۔

نام مرزا قلب علی بیگ۔ یہ ایک صاحب دہلی کے رہنے والے تھے۔ ان کا یہ شعر اعظم الدولہ کے تذکرہ سے نقل کیا گیا ہے:۔

مت پوچھ فگار اب تو مرا مسکن و ماوا — مانند بگولے کے سدا بے وطنی ہے

فیض:۔

نام پنڈت کرپا شنکر۔ کشمیری الاصل شعرائے لکھنؤ میں سے ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے:

لوٹتے خوں میں تہہ خاک سے بسمل آکر
دیکھتا میرے تڑپنے کو جو قاتل آکر

فیضؔ:-

نام فیض علی۔ میر تقی مرحوم کے بیٹے تھے۔ وزیرالممالک کی سرکار میں اپنے والد کے ہمراہ بسر کرتے تھے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ان کو اپنی شاعری کا بہت غرور تھا میری نظر سے کوئی شعر ان کا ان کے غرور کے مطابق معیاری نہیں گزرا۔ شاید ان کا غرور اپنے والد کے کلام کی وجہ سے ہو۔ یہ بہت ہی عجیب بات ہے کہ عادت ہے کہ بیٹا وہی سے جو باپ کے قدم بقدم چلے۔ غرور کرنا تو سیکھ لیا۔ لیکن باپ جس چیز پر غرور کرتے تھے۔ بیٹے کو وہ کمال نہیں حاصل ہو سکا۔ مختصراً یہ اشعار ان کے ہیں:-

گل کھا مرئے تھے جن کے لیے جسم زار پر ۔۔۔ وہ پھول بھی نہ لائے کبھی وہ مزار پر

شوق میں تیرے کناروں سے کہ اے بحر حسن ۔۔۔ موج کی مانند ہو جاتے ہیں قحب آغوش ہم

کدورت جب نہ تب انداز سے نکلا ہی کی تیری ۔۔۔ ہماری خاک اس کوچے میں کب تو نے صبا رکھی

حرف القاف

قائم :-

نام شیخ محمد قیام الدین - چاندپور کے رہنے والے تھے۔ اور خاص شاگردوں میں سے مرزا رفیع سوداؔ کے تھے۔ ان کا کلام بہت عمدہ اور بلند پایہ کا ہوتا تھا۔ یہ بہت نفیس شاعر تھے اور بعض شخص ناشناسوں کا اور اپنی ناواقفیت کی بنا پر ان کو سوداؔ کا ہم پلہ کہنا بالکل بے عقلی و دیوانگی ہے۔ کیونکہ زمین کی پستی کو آسمان کی بلندی کے برابر سمجھنا عقلمندوں کے شایانِ شان نہیں ہے ارباب بصیرت، حقائق کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ ذرہ کو آفتاب کے برابر کیسے کہا جا سکتا ہے۔ بہرحال قائمؔ کو شاعری پر اچھی قدرت حاصل تھی گو وہ سوداؔ کے پلّے کی ہو۔ مختلف اصناف سخن میں انھوں نے طبع آزمائی کی ہے۔ قطعات و رباعیات میں جو مضامین انھوں نے نظم کیے ہیں۔ ان کی شوخی طبع کی دلیل ہیں۔ قیام زیادہ تر دارالخلافت میں رہتا تھا۔ جہاں کہ اہل کمال کا تمطر رہتا ہے۔ بہت سے قابل لوگوں نے قائمؔ کے متعلق یہ کہا ہے کہ انھوں نے ایک تذکرہ بھی تالیف کیا تھا۔ ان کی وفات ۱۲۱۰ھ میں واقع ہوئی۔ یہ اشعار ان کے دیوان سے انتخاب کر کے ان اوراق میں نقل کیے گئے ہیں :-

قسمت کو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا

غیر سے مل تمھارا سن کے گو ہم چپ رہے
پر سنا ہوگا کہ تم کو اک جہاں نے کیا کہا

تا بہ فلک نالہ تو پہنچا تھا رات
میں ہی کچھ اللہ کا ڈر کر گیا

کوچہ گردی دل مجنوں نے مرے کی ایجاد — منتقل جان کے ڈھب بادیہ پیمائی کا

ڈھاتا جو کعبہ کرن ہی یہ جائے غم ہے شیخ — کچھ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

نک جو دے تو خدائی تو دے نہ اب قائم — وہ دن گئے کہ ارادہ تھا بادشاہی کا

ناصح تو کہے ہے یوں کہ گویا — ہے دل پہ کچھ اختیار میرا

جہاں میں شہرہ نہیں مجنوں کی ذلتیں قائم — سو بارے عہد میں تیرے وہ نیک نام ہوا

بے دماغی سے نہ اس تک دل رنجور گیا — مرتبہ عشق کا یاں حسن سے بھی دہ گیا

معاملہ ہے یہ دل کا اسے کہے گا وہ کیا — پیامبر کے ہیں ساتھ آپ جاتا تھا

یہ سچ کہ جھوٹ ہے دعوئ دوستی لیکن — کبھی ہیں بھی تو اک بار آزمانا تھا

لے گیا خاک میں ہمراہ دل اپنا قائم — شاید اس جنس کا یاں کوئی خریدار نہ تھا

ہر دم آنے سے میں بھی ہوں خجل — کیا کروں پہ رہا نہیں جاتا

کب آئینے کو یہ تسخیر آئے ہے پیارے — کسی کا دل ہے وہ جس نے یہ انتقام لیا

نہ وعدہ اس کے ساتھ نہ پیغام کیا کہوں — پوچھے کوئی سبب جو مرے انتظار کیا

مبتذل تھا وہ تری چشم سے پیارے مضمون — جو ستم چرخ جفا پیشہ نے ایجاد کیا

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر — روٹھا تھا آپ ہی تجھ سے میں اور آپ ہی من گیا

قائم ضرور کیا ہے اب اس جنگجو سے صلح — مدت ہوئی کہ جان سے میں ہاتھ دھو چکا

طوفان گریہ کی ہے مرے حد عمر نوح — دریا نہیں کہ آج چڑھا کل اتر گیا

ہنسنے کا یار پر بھی کوئی طور ہے کہ آج — قائم نے تیرے ہاتھ سے گھبرا کے رو دیا

مجھ کو قائم وصل کی شب بھی کیا شام کیا — گرچہ جھگڑے ہیں کوئی دم میں ہو جاتی ہے صبح

سب کو آیا ہے ترے حسن کا یاں طور پسند — گرچہ ہر ایک زمانے میں ہے اک اور پسند

جو سوز عشق کا چرچا وہاں نہیں قائم — تو کیا میں جاؤں گا دینے بہشت میں آتش

نالوں سے عندلیب کا آیا ہے جی بہ تنگ — کس نے مرے مزار پہ لے کر چڑھائے گل

تھا مو مجھے آمد میں کوئی اس کی کہ ناگاہ ‏ ‏ لے جائے نہ گھر سے کہیں باہر تپش دل

گر زیست ہے مجھ تک تو پھر کیا ‏ ‏ صدقے ترے مر ہی جائیں گے ہم

جو گڑے ہے اشک گرم مرا آہ سرد سے ‏ ‏ دیکھیں تو پہلے پہنچے ہے تو عرش پر کہ ہم

عذر تقصیر بھی چاہوں گا ہیں اس سے اے دل ‏ ‏ ٹک تو خاموش ہو دینے سے وہ دشنام کہیں

زبان عشق تو حکایت سے لال ہے ورنہ ‏ ‏ ہم اک گلہ کے ترے سو جواب رکھتے ہیں

دو جہاں بھی ملیں تو بس ہیں ہمیں ‏ ‏ یاں کچھ اتنی تو احتیاج نہیں

لے چکو دل جو نگہ کو تو یہ دشوار نہیں ‏ ‏ لیک تم دیکھتے پھرتے ہو خریدار نہیں

مے کی توبہ کو تو مدت ہوئی قائمؔ لیکن ‏ ‏ بے طلب اب بھی جو مل جائے تو انکار نہیں

قائمؔ اور تجھ سے طلب بوسے کی کیوں کر کہیے ‏ ‏ یوں وہ ناداں ہے پر اتنا تو بد آموز نہیں

یار اگر چاہتا ہے دے قائمؔ ‏ ‏ جان کچھ دل سے تو زیاد نہیں

کہتا ہے آئینہ کہ ہے تجھ سا ہی ایک اور ‏ ‏ باور نہیں تو لائیں ترے رو برو کروں

قائمؔ یہ جی میں ہے کہ تقلید سے شیخ کی ‏ ‏ اب کے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

اتنا تو ہوں ذلیل نہ پوچھے ہے یہ کوئی ‏ ‏ تو چاہتا ہے اس کو تو کہتا ہوں میں نہیں

قائمؔ یہی فضا ہے گر اس دہر کی تو خیر ‏ ‏ کھلنے کے ایک دل کی بھی جس میں جگہ نہیں

خاتم دست سلیماں سے قائمؔ میں عزیز ‏ ‏ سخت پچھتائے وہ جو ہاتھ سے کھو بیٹھے مجھ کو

سنگ کو آب کریں پل میں ہماری باتیں ‏ ‏ لیکن افسوس یہی ہے کہ کہاں سنتے ہو

ہاں وہ تو آدمی ہیں کہ جن سے تمہیں ہے ربط ‏ ‏ کیا شکوہ تم سے رہیئے اپنے نصیب کو

شمع ساں جلنے کو صانع نے بنایا مجھ کو ‏ ‏ جس کے میں ہاتھ پڑا اس نے جلایا مجھ کو

شیخ جی تم نے نہ سمجھا، یہ کرامات کی راہ ‏ ‏ کیا قباحت ہے نکلنے میں خرابات کی راہ

ہر گلی کوچہ ہے بستی کا پراچے کی دوکان ‏ ‏ دھجیاں ہو کے اڑے بسکہ گریباں میرے

قائمؔ کے حال سے یہ تعرض حیف کہ چرخ ‏ ‏ ایسا گرا نہیں کہ وہ تجھ سے سنبھل سکے

بعد خط آنے کے تھا اس سے وفا کا احتمال
لیک واں تک عمر نے اپنی وفاداری نہ کی

دنیا میں ہم رہے تو کئے دن پر اس طرح
دشمن کے گھر میں جیسے کوئی میہماں رہے

قائم کو اپنی بزم سے جانے نہ دے کہ یار
ہے کیا برا جو مفت میں اک شعر خواں رہے

ساقیا دور کیا کرے ہے تمام
آپ ہی اب یہ دور چلتا ہے

خدا نہ کردہ اسے غیر سے تو کیا سروکار
تھی ایک بات ہمارے ہی یہ جلانے کی

مفت تک دیتے ہیں ہم یاں دل تو بھی کوئی لیتا نہیں
ہاں مگر اس سے بھی کچھ یہ جنس سستی کیجیے

صورت میں تری گر نظر آوے ملک الموت
جی دینا کسی طرح سے دشوار نہ ہووے

گو ہم سے تم ملے نہ تو ہم بھی نہ مر گئے
کہنے کو رہ گیا یہ سختی دن گذر گئے

روئیں گے کب تک اے مژہ اشکبار بس
اب کیا مجھے ڈبوئیں گے جل تھل تو بھر گئے

دو چیزیں یادگار دوراں
تیرا ستم اپنی جانفشانی

کیا پوچھتے ہو موجب آزردگی یار
دل لے چکے مدت ہوئی اب جاں طلبی ہے

نے نالے میں تاثیر ہے نہ آہ میں یاں درد
معلوم ہو کس طرح تجھے چاہ کسی کی

عشق تو قائم نہ ہوا آپ سے
اور ہی کچھ پیشہ کیا چاہیے

رو کے پوچھا جو میسر ہو ترا کیونکہ وصال
ہنس کے کہنے لگا طالع کی مددگاری سے

کہتا میں نہیں کہ ظلم ہے بد
پر خوب تو مہربان نہیں ہے

کسی بلا میں پھنسے قید ہوئے جان سے جائے
پر آدمی کو خدا تجھ پہ مبتلا نہ کرے

بتوں کی دید کو جاتا ہوں دیر میں قائم
مجھے کچھ اور ارادہ نہیں خدا نہ کرے

قائم آیا ہے پھر وہ بن ٹھن کر
دیکھیں کس کس سے اب بگڑتی ہے

آخر تو جرم عشق سے کرتے ہیں مجھ کو قتل
یک بار اس کے بھی تو کریں رو برو مجھے

دشمنی سے ایک ادنی کی ہے قائم جا بخوف
واے اس پر جس کسی سے خصمی افلاک ہے

کس دل پہ داغ غم نے نہ تیرے بہار کی
اللہ رے دھوم اب کے برس لالہ زار کی

قاسم :-

نام سید قاسم علی خاں بن عطا حسین خاں المتخلص بہ تحسین صاحب نوطرز مرصع کے نواسے ہیں۔ جن کو مرصع رقم کہا جاتا ہے۔ فن موسیقی میں اچھی مہارت رکھتے ہیں۔ سابق میں سرکار انگریزی کے محالات کی تحصیل پر ملازم تھے۔ اب لکھنؤ میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کا کلام ہے :-

ایک بوسے کے عوض میں اس نے لاکھوں گالیاں
بیشتر لذت لی تقصیر سے تعزیر میں

سراسر آبلہ ہے کبریا کے سبحہ کا دانہ
نہیں تو کیوں کشش ہے اسقدر کانٹوں کو صحرا کے

زمیں کو کر دیا رشک فلک رفتار جاناں نے
فروغ پنجۂ خورشید ہے ہر نقش میں پا کی

جو ہاں ہوئی تو جئیں گے نہیں تو جاں سے گئے
ہماری زیست و مرگ آپ کی زباں میں ہے

مری صداع کو صندل سے فائدہ معلوم
علاج اس کا کسی سنگ آستاں میں ہے

سیکڑوں دریا بھرے ہیں چشم گریاں میں مرے
پھر بھی یہ کمبخت ہر دم تشنۂ دیدار ہے

واعظا غم نہیں دوزخ کی گرفتاری کا
بیقراری نے دیا عالم سیماب مجھے

قاسم :-

نام حکیم قدرت اللہ خاں۔ دہلی کے مشہور لوگوں میں سے تھے۔ مولانا فخر الدین کے ساتھ بہت عقیدت رکھتے تھے اور ان کے مریدوں میں سے تھے۔ معقول عمر پائی تھی۔ آج اُن کی وفات کو چوتھا سال ہے۔ انھوں نے ایک تذکرہ اردو شعرا کے حالات میں لکھا ہے۔ لیکن یہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ یہ صاحب دیوان تھے۔ یہ اشعار اسی میں سے منتخب کیے گئے ہیں :-

ہیں مد نظر اپنے کچھ کام نہیں رکھتا
آغاز محبت یاں انجام نہیں رکھتا

ہمیں بھی رخصت سیر چمن ہو ٹک صیاد | کہ اب کے شور ہے ظالم بہار آنے کا
قاسم کے ساتھ بادہ خوری تھی تمام شب | اور نام سے ہے اس کے تجاہل علی الصباح
وہ آئے بغل میں کہیں یا جی ہی نکل جائے | مٹ جائے کسو طرح تو یارب خلش دل
دشنام دے سناتے جو ردیکھے کو آن میں | کیا جانے کیا فسوں ہے تمھاری زبان میں
جان جاوے یار ہے قاسم پہ دیکھیں گے اسے | ہے ارادہ یہ مصمم دیکھیے کیسے بنے
تفصیل سے کہہ قاسم حال دل دیوانہ | ہم سے نہ چھپا ظالم ہم یار ہیں یاروں کے
مسلمانوں اسے پرزا ہو کیا احیائے عاشق کی | وہ نصرانی بچہ عیسیٰ نفس تو ہے پہ کافر ہے

قاسم :-

نام قاسم علی۔ ان کا وطن بریلی تھا۔ ان کا شعر ہے:۔

یقیں ہے العطش گویاں دم آخر مروں گا میں | پیا سا ہوں ترے آب دم شمشیر براں کا

قاصر :-

نام مرزا ببر علی بیگ۔ دہلی کے رہنے والے تھے اور ثناء اللہ خاں فراق سے شاعری میں اصلاح لیتے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

یاد کس گل رو کی اس دل کو نزاکت آ گئی | آہ کر سکتا نہیں ایسی نقاہت آ گئی

قابل :-

نام مرزا علی بخت۔ یہ صاحب خاندان تیمور سے ہیں۔ فن شاعری کو ابراہیم ذوق سے حاصل کیا ہے۔ ان کا کلام ہے:۔

سامنے میرے غیر سے تو ملے | ستم اس سے زیادہ کیا ہو گا

کیا جو قتل مجھے تونے آج خوب کیا — کہ میں عذاب سے چھوٹا تجھے ثواب ہوا
احوال گریہ سن کے مرے یار نے کہا — اے لا ابالی ہے عشق میں اس نے تو رو دیا
تم جو کہتے ہو جاؤ تم یاں سے — ایسے جائیں گے پھر نہ آئیں گے ہم
مرہی جانا ہے عشق میں بہتر — نہ جئیں گے نہ رنج اٹھائیں گے ہم

قبول :۔

نام غنی بیگ ۔ فارسی زبان کے مشہور شعرا میں سے ہیں۔ کبھی کبھی اردو میں بھی کہتے ہیں ۔ ان کا شعر ہے :۔

دل یوں خیال زلف میں پھرتا ہے نعرہ زن — تاریک شب میں جیسے کوئی پاسباں پھرے

قدرت :۔

نام قدرت اللہ۔ بہت مشہور شعرا میں سے ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب شاہ عبد العزیز شکر بار علیہ الرحمۃ اللہ العزیز الغفار تک پہنچتا ہے ۔ میر شمس الدین راقم کے چچازاد بھائی ہوتے ہیں۔ ان کا اصلی وطن دہلی ہے۔ لیکن سکونت مرشد آباد میں اختیار کی۔ اور وہیں ۱۲۰۵ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہی ۔ جو لوگ ان کو عظیم آباد کا خیال کرتے ہیں۔ غلطی پر ہیں۔ ان کو شاعری پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ بہت عرصے کی مشق سخن تھی۔ رسا طبیعت پائی تھی۔ ان کا کلام بہت عمدہ ہوتا تھا۔ یہ اشعار ان کے نتائج افکار سے ہیں :۔

ہنگامۂ پرہیز و ورع اب بسر آیا — اے بادہ کشو مژدہ کہ پھر ابر تر آیا
کچھ دیر ہوئے اشک نہیں آنکھوں سے گرتے — شاید تہ مژگاں کوئی لخت جگر آیا
ہوا ہے اس کے گلو میں گرہ دم اعجاز — ترے لبوں نے مسیحا سے کیا سوال کیا
بیتابیوں سے اب دل بیتاب رہ گیا — اپنی تپش میں جل کے یہ سیماب رہ گیا

آگے نہ چل سکا ترے کوچے کو چھوڑ کر
خورشید جا کے تا بہ لب بام رہ گیا

جہاں نظر پڑی پاؤں تلے ملے کاغذ
سمجھ کے نامہ مرا ہاتھ میں نہ لے کاغذ

یہ دل شوریدہ جیب سے ساتھ ہے سینہ میں
شورِ محشر ہی رہا قدرتؔ کی خشتِ خاک پر

بجھائے کو اگر داغ سے چھاتی کے چھڑا دوں
خاخاک کے پہلو میں چھپے آن کر آتش

جرم پر تیری محبت کے ہمیں کرتے ہیں قتل
حفظ جاں کے واسطے گر کیجے انکار حیف

آگ اس داغ کو لگیو کہ نمک سوز نہیں
پھوٹے وہ آنکھ جو لخت جگر آلود نہیں

اڑائی زبس خاک ماتم میں دل کے
کیا ہم نے آخر زمیں آسماں کو

لب جاں بخش کے اس کے جو پڑا ہے یہ دھوم
لب عیسیٰ نے مگر تیری زباں چوسی ہے

ہر آن اک ستم ہے ہر لحظہ اک جفا ہے
کوچہ ترا ہے ظالم یا دشت کربلا ہے

سینہ اس کا ہے دل اس کا ہے جگر اس کا ہے
تیر بیداد جدھر رو کرے گھر اس کا ہے

آہ اس کم فرصتی پر ہو نشے سے کیا سرور
شیشہ تا خالی ہو جام زندگی لبریز ہے

حسرت اے صبح چمن ہم سے چمن چھوٹے ہے
مژدہ اے شام غریبی کہ وطن چھوٹے ہے

زخم کشتی سے خبردار کہ یاں سینے سے
مرہم تازۂ ناسور کہن چھوٹے ہے

شب ہجراں کی مصیبت کو کہوں کیا قدرتؔ
تن سے جاں چھوٹے ہے اور جاں سے تن چھوٹے ہے

قدرتؔ:

اس کے نام کا کوئی پتہ نہیں ہے۔

لاکھوں جلائے مردہ صد سالہ آن میں
فیض دم مسیح ہے اس کی زبان میں

انصاف بھی ضرور ہے یہ ظلم تا کجا
کتنوں کے گھر تو جاتے رہے امتحان میں

قدرتؔ:

نام مولوی قدرت اللہ رام پور کے رہنے والے، قائم چاندپوری کے شاگرد نمونۂ کلام:۔

زلفوں میں اگر دل یہ گرفتار نہ ہوتا   یوں روز مرا آہ شبِ تار نہ ہوتا

قربانؔ:۔

نام میر محمدی ۔ والد کا نام میر کلّو حقیر ۔ وہ شاعری کے سلسلے میں ثناء اللہ خاں فراقؔ سے مشورہ کرتے تھے ۔ ان کا کلام ہے:۔

کیوں نہ نشو کرے وہاں احیائے صد جاں دادہ ہو   دست بستہ معجز عیسیٰ جہاں استادہ ہو

کس کی برگشتہ نگہ کا ہوں میں بیمار کہ آہ   یاں مسیحا کی ہوئی جاتی ہے تدبیر الٹی

قربانؔ:۔

نام قربان علی ۔ وطن عظیم آباد ۔ ان کا شعر ہے:۔

لگاؤں کیوں کہ دل سے اس کماں ابرو کے پیکاں کو   کہ آزردہ نہیں کرتا ہے کوئی اپنے مہماں کو

قرارؔ:۔

نام جان محمد ۔ سرکار وزیر الممالک کے نقیبوں کی جماعت سے متعلق تھے ۔ اپنا کلام شاہ شرف الدین ملوؔل کو دکھاتے تھے ۔ ان کا شعر ہے:۔

ہے ناز سے اس کے یہی پیغام قضا کا   کیوں نام کیا آپ نے بدنام قضا کا

قرارؔ:۔

نام میر حسین علی ۔ مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے ۔ ان کا شعر ہے

کس طرح قرار اس سے کروں دردِ دل اظہار
سنتا ہی نہیں وہ بت مغرور کسی کی

قرینؔ :-

حسرتؔ کے شاگردوں میں سے ایک صاحب ہیں۔ ان کا شعر ہے :-

پیارے بے وفا یا باوفا ہو　　غرض تم دل کے لینے میں بلا ہو

قسمتؔ :-

شمس الدولہ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ ان کے والد کا نام نواب بارگاہ علی خاں تھا۔ فن شعر جعفر علی حسرتؔ سے سیکھا۔ لکھنؤ کے رؤسا میں سے تھے۔ مرزا جہاندار شاہ کی سرکار میں کافی اقتدار رکھتے تھے۔ یہ اشعار ان کے ہیں

الٰہی یا تو میرے دامن دلدار ہاتھ آوے　　نہیں تو ہاتھ کی اس کے کہیں تلوار یا تھا آوے

مقدور ہے کس کا کہ ترے حکم کو ٹالے　　رستم جو نہ آوے تو وہیں اس کا سر آوے

قلندرؔ :-

قلندرؔ۔ ان کے تخلص کو پیش نظر رکھتے ہوئے، حالات کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ خان آرزوؔ کے معاصرین میں سے ہیں۔ یہ دو شعر ان کے پسند آئے :

جی کو سیر زندگی نہیں ہے　　کیا جی کی کروں کہ جی نہیں ہے

تھمتے ہی تھمے گا اشک ناصح　　رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

قمرؔ :-

نام قمرالدین۔ جو مرزا حاجی کے نام سے مشہور تھے۔ مرزا انقی ہوسؔ کے بڑے بیٹے تھے اور قتیلؔ کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا کلام ہے :-

صلح کرتے ہوئے آخر وہ برجنگ آ ہی گیا — عشق کا نام برا ہے اسے ننگ آ ہی گیا

کہتے ہیں شب خستہ گلا کاٹ موا — آدمی تھا غم ہجراں سے تنگ آ ہی گیا

بے جا نہیں ہے کچھ مرے قاتل کا اضطراب — دیکھا تھا اس نے کب ترے بسمل کا اضطراب

قمرؔ :-

نام مرزا قمر طالع - مرزا ایزد بخش بہادر کے منجھلے لڑکے تھے۔ جن کی عرفیت مرزا نیلی تھی۔ وہ فن شاعری میں حافظ عبد الرحمٰن خاں احسان کے شاگرد تھے۔ صاحب دیوان تھے۔ ان کا کلام ہے :۔

نہ آئی تاب تو بھی دل کی بے تابی کے ہاتھوں سے — قمرؔ پہلو میں وہ رشک قمر ہوتا تو کیا ہوتا

بعد مدت خط لکھا ہے یار نو خط نے تجھے — تو بھی اب تو اے قمرؔ شکووں کے دفتر کھول دے

قلیسؔ :-

نام مرزا احمد علی بیگ - ان کے والد کا نام مرزا امداد علی بیگ تھا۔ وطن مشہد مقدس تھا۔ ان کی ولادت لکھنؤ میں ہوئی اپنا کلام حسرتؔ کو دکھاتے تھے۔ ان کا کلام ہے :۔

دل مضطرب کا دیکھا عجب اضطراب اٹھا — ہوا اور مضطر اس نے جو ذرا نقاب اٹھا

آئینہ دیکھ دیکھ کے کہتا تھا کل وہ شوخ — اس عالم شباب نے رسوا کیا مجھے

پھرتا ہوں ہر کسی سے میں القاب پوچھتا — خط کے ترے جواب نے رسوا کیا مجھے

حرف الکاف

کامل:

نام پنڈت ٹھاکر داس کشمیری۔ بالفعل، عدالتوں میں وکالت کا کام کر کے بسر اوقات کرتے ہیں۔ ان کا شعر ہے:

پلٹ کر جو دیکھا سرِ راہ اس نے — لگا تیر اک بازگشتی جگر پر

کامل:

نام مرزا کامل بیگ۔ سوائے نام کے اور حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ ان کا کلام ہے:

مژگاں سے گر بچے دل ہر روکرے ہے ٹکڑے — یہ بات میں نے کہہ کر جب اس سے داد چاہی
کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہووے خالی — تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی

کبیر:

نام حکیم کبیر مل۔ سنبل کے رہنے والے تھے جو مراد آباد کے متعلقات میں سے ہے۔ فن طب میں مہارت رکھتے تھے۔ ان کا شعر ہے:

ایک ہی یار سے جی ناک میں آیا ہے کبیرؔ — زیست معلوم اگر ایسے ہی دو چار ملے

کریم:

نام کریم اللہ خاں۔ افغانی النسل ہیں۔ ان کا شعر ہے:

نہ تھی قدرت تجھے گر روبرو جانے کی کریم
زیرِ دیوار ہی جا نالہ سنایا ہوتا

کرم :-

نام شیخ غلام ضامن - اصل وطن کوتانہ تھا - بالفعل شاہجہاں آباد میں زندگی بسر کرتے ہیں - بہت عرصے تک حیدر آباد میں رہے - اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں - نظم پر بڑی قوت رکھتے ہیں - مومن خاں کے شاگردوں میں سے ہیں - باوجود ضعیف العمری کے بہت ظریف الطبع اور خوش مزاج آدمی ہیں - راقم سے ملاقات ہے - ان کا کلام اُن سے حاصل کرکے - بعد انتخاب درج کیا جاتا ہے ، ،

تیر تا خوردہ ہمارشک سے کیا کیا تڑپا
استخوانوں میں مرے دیکھ کے پیکاں تیرا

فرہاد و قیس عشق میں سرگرم لاف تھے
خاموش ہو گئے ، جو مرا نام آ گیا

نام کب آسودہ جہاں میں نالہ ہائے زار کا
سرمۂ آواز ہے سایہ تری دیوار کا

ہاتھ ہووے گا مرا اور ترا داماں ہوگا
چاک جب صبح قیامت کا گریباں ہوگا

زلف مژگاں سے لپٹتی ہے خدا خیر کرے
مشک آلودہ کہیں خنجر براں ہوگا

کیا ہی برہم ہوئی زلف اس نے جو پوچھا مجھ سے
اے کرم کس نے کیا حال پریشان تیرا

سہویں گے جور طاقت و تاب و تواں تلک
لیکن یہ پوچھتے ہیں تجھی سے کہاں تلک

چینِ جبیں ہے موجِ تبسم نگاہ میں
ڈر ہے مجھے قریب کا تیر ہے یہاں تلک

اسیری نے کی پردہ پوشی جنوں کی
کیا طوقِ گردن نے کارِ گریباں

نسبت ہے میرے داغ سے کیا گل کو عندلیب
گو آہ سرو و بادِ سحر دونوں ایک ہیں

روزِ شمار جان شبِ ہجر کو کرم
نے شام اسے نہ اس کو سحر دونوں ایک ہیں

قطرے گر چلا ہوں کون بھتا ہے
بجز مژگانِ یہ گر دیدہ مجھ کو

اے طفلِ اشک دیکھ کے برباد کیجیو
ہر پارۂ جگر ورقِ انتخاب ہے

مرا نشو و نما ہے اس خرام لاابالی سے ‏ ‏ غبارِ ناتواں کو سرکشی ہے پائمالی سے
وائے قسمت اور اخفا ہی ہوا افشائے راز ‏ ‏ رو دکتے ہی اشک کے لختِ جگر ہنسنے لگے
اس کو شہرت کی تمنا مجھے رسوائی کی ‏ ‏ ہر کوئی آرزوئے نشو و نما رکھتا ہے
کس باغ میں وہ رونقِ گل جلوہ کناں ہے ‏ ‏ نکلے ہے دھواں سا در فردوس بریں سے
گھبرا کے لگے دیکھنے وہ اپنے بناگوش ‏ ‏ جب اشک مری آنکھوں سے دردانہ سے نکلے

گرم :-

نام مرزا حیدر علی بیگ۔ والد کا نام مرزا نیاز علی بیگ تھا۔ دہلی کے رہنے والے تھے مصحفی کے مشہور شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا کلام ہے :۔

حسرت سے دیکھتا ہوں جب یار کی طرف ‏ ‏ تکتا ہے تب وہ دیکھنے دو چار کی طرف
لوہو میں بھر رہے ہیں ترے ہاتھ سچ بتا ‏ ‏ تربت پہ کس شہید کے تو نے چڑھائے گل
گلدستہ لا دیا جو کل اس کو رقیب نے ‏ ‏ ہم نے بھی گرم اشک سے ہاتھوں پہ کھلائے گل
تیغ نگاہ کس کی دیکھی ہے ہم نے یا رب ‏ ‏ جو زندگی سے اپنی بیزار اس قدر ہیں
سیل گریہ میں نہ ہم تا بہ کمر ڈوب گئے ‏ ‏ یاں تلک روئے کہ ہمسایوں کے گھر ڈوب گئے

گرفتار :-

نام سنگی بیگ۔ وطن دہلی۔ شاہ حاتم کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کا شعر ہے :۔

درد ہو جس کی کچھ دوا کیجے ‏ ‏ جی ہی بے چین ہو تو کیا کیجے

گریاں :-

نام میر محمد علی۔ لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ ان کا شعر ہے :۔

سب مجھے جب دیکھنا تب ہاتھ سے کھڑا چھپا لینا　　　نکالا طور اس نے اور یہ صاحب سلامت کا

گستاخ :۔

نام مرزا علی ۔ وطن لکھنؤ ۔ ان کا شعر ہے :۔

جی لگا یا تھا سمجھ ہووے گی فرحت حاصل　　　یہ نہ جانا تھا کہ آوے گی قیامت لازم

کلو :۔

نام میر کلو ۔ خواجہ میر درد کے عزیزوں میں سے تھے ۔ ان کا شعر ہے :۔

صدا فقیروں کی گر تم سنو گے کیا ہو گا　　　ذرا ادھر بھی نظر پھینکنا بھلا ہو گا

کلیم :۔

نام شیخ کلیم اللہ ۔ وطن سرکوٹ ہے ۔ جو نگینہ کے متعلقات میں سے اور مرادآباد کے مضافات میں سے ہے ۔ ان کا شعر ہے :۔

جلوۂ طور رخ یار سے پیدا ہووے　　　خجل اعجاز تکلم سے مسیحا ہووے

کلیم :۔

نام میر محمد حسین ۔ شاعری میں ان کا درجہ مسلم ہے اور شعرا کے طبقہ میں جہاں تک متقدمین اور متاخرین کا تعلق ہے ان کا درجہ میر تقی میر کے برابر ہے ۔ وطن دہلی ہے ۔ طب سے واقفیت رکھتے ہیں ۔ ہر دو زبانوں میں شعر کہتے ہیں ۔ مجھے معلوم ہے کہ جہاں تک فارسی کا تعلق ہے ان کی زبان درست اور فکر صائب نہیں ہوتی ۔ لوگ کہتے ہیں کہ انھوں نے شیخ محی الدین ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم کا ترجمہ اردو میں کیا ہے ۔ خدا ان

کے مرقد پر اپنے انوار کی بارش کرتا رہے ... ایک دیوان اور کئی مثنویاں ان کی یادگار ہیں لیکن میں ان کو کبھی نہیں دیکھ سکا۔ یہ اشعار ان کے مختلف سفینوں اور تذکروں سے انتخاب کر کے لکھے گئے ہیں:۔

چھپا ہے آ مری چشم پر آب میں دریا
کسی نے دیکھا ہے اب تک حباب میں دریا

کس پریشاں نے قدم رکھا ہے پیچ و تاب سے
جادہ آتا ہے نظر جوں زلف کچھ برہم ہوا

قبر میں بھی لیے ہمراہ گیا اپنے کلیم
آہ کیوں درد دل اپنا نہ کسو کو سونپا

آتے ہی دل یہ قلقل مینا سے اب شکست
وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

ہو چکا حشر گئی دوزخ و جنت کو خلق
رہ گیا میں ترے کوچے میں گرفتار ہنوز

درازی شب ہجران زلف یار کلیم
مجھی سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں

رکھوں میں آنکھوں میں کیوں کر تجھے کہ ہے برسات
پھر ایسا گھر کہ جو خانہ خراب ٹپکے ہے

دیوانہ ترے داوے پر اپنے اگر آوے
منہ دیکھو فلاطوں کا جو عہدے سے بر آوے

غرور حسن کیا ممکن کہ اس سے داد کو پہنچے
غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

کمال :۔

نام شاہ کمال الدین حسین۔ اصلی وطن کڑہ مانکپور ہے۔ ان کے بزرگ بڑے بڑے منصبوں پر فائز تھے۔ انھوں نے دنیوی لباس ترک کر کے درویشی کا لباس اختیار کیا اور سیاحت کو پسند کیا جب لکھنؤ میں آئے تو جرأت سے امداد کی درخواست کی۔ ان کا کلام ہے:۔

جز شکستِ شیشۂ دل کچھ نہ دیکھا اور کام
مرتفع جس دن سے ہے یہ چرخِ مینائی ہوا

آہ جو کچھ ہم سے ہو سکتا وہ کر چکتے ولیک
ایک دن تم کو نہ شوقِ کارفرمائی ہوا

اور دکھلایا تماشا مجھ کو وحشت نے کمال
میں تماشائی تھا جس کا وہ تماشائی ہوا

یہ بھی کچھ بیٹھنے کا بزم میں اسلوب ہے واہ
جوں جوں ہم آگے بڑھیں آپ سرکتے جاویں

گماں :-

اشرف علی خاں فغاں کے شاگردوں میں سے تھے - ان کا نام نہیں معلوم ہو سکا - ان کا شعر ہے :

واسطے جس کے سبھی مجھ کو برا کہتے ہیں   وہ جو سنتا ہے تو کہتا ہے بھلا کہتے ہیں

گنا بیگم :

یہ ایک خاندانی خاتون تھیں - نواب اعتماد الملک غازی الدین خان المتخلص بہ نظام کی زوجہ تھیں - اپنے شوہر کے حسب الحکم اپنے کلام کو میر قمر الدین منت کو دکھاتی تھیں - ان کا کلام ہے :-

مقابل ہو اگر لب کے ترے مصری چبا جاؤں   تری آنکھوں سے کج چشمی کرے بادام کھا جاؤں

ترے منہ کی تجلی دیکھ کے کل رات حسرت سے   زمیں پر لوٹتی تھی چاندنی اور شمع جلتی تھی

شمع کی طرح کون رو جانے   جس کے جی کو لگے ہے سو جانے

کوچک :-

نام شاہزادہ مرزا ظہیر الدین مرحوم تھا - یورپ کے سفر میں انتقال ہو گیا - لاش دہلی لائی گئی اور دہلی سے تین میل کے فاصلے پر سلطان المشائخ کے مزار کثیر الانوار کے متصل دفن ہوئے - یہ شعر ان کے کلام سے لکھا گیا :-

یاں تلک پاؤں میں پھپھولے ہیں   کہ قدم بھر چلا نہیں جاتا

کوثر

نام مہدی علی خاں - والد کا نام قطب الدین خاں ابن آقا علی خاں تھا جو موتمن الدولہ

اسحاق خاں کے چھوٹے بھائی تھے۔ یہ خود فردوس آرام گاہ محمد شاہ کے نامی امرا میں سے تھے
ان کا زیادہ تر قیام لکھنؤ میں رہتا ہے۔ دو سال ہوئے دہلی آئے تھے۔ اعظم الدولہ کی تقریب سے مجھے
بھی اُن کا تعارف ہوا تھا۔ میری نظر میں وہ ایک صاحبِ اوصافِ حمیدہ شخص ہیں۔ بہت سے
مشاعروں میں انھوں نے شرکت کی۔ اپنے کو ناسخ کا شاگرد بتاتے ہیں۔ ان کا کلام ہے۔

چشم میں عشق کے اعجاز سے آنسو ٹھہرے
ورنہ کشتی میں ہے دریا کا سماں مشت کل

تیرا تو آسرا تھا جدائی میں یار کی
اے موت تو بھی مجھ سے گریزاں ہے ان دنوں

خواب میں شب اس پری نے شکل دکھلائی ہمیں
جاگ اٹھی بختِ خوابیدہ جو نیند آئی ہمیں

بہ وقتِ صبح وہ مانندِ آفتاب آیا
الٰہی شکر شبِ ہجر کی سحر دیکھی

تربت پہ میری ایسی برستی ہے بے کسی
بے اختیار شمع کے آنسو ٹپک پڑے

کیا ہی کشش ہے کوچۂ دلبر کی خاک میں
بے دست و پا بھی ہووے تو مثلِ صبا چلے

نامہ بر کوچۂ دلبر میں گم ایسا ہو جائے
فی المثل ہووے کبوتر تو وہ عنقا ہو جائے

خوں بہا اس سے نہ پھر حشر کو مانگوں گا میں
ایک بار آکے مری لاش پہ قاتل ہو جائے

دل پھٹ گیا کدورتِ طبعِ نگار سے
حیرت کی جا ہے آئینہ ٹوٹا غبار سے

ہوں وہ بلبل کہ یہ تھا شوقِ اسیری پسِ مرگ
پر بھی اڑ کر مرے صیاد کے گھر تک پہنچے

گویا :۔

نام شیخ حیات اللہ۔ فرخ آباد کے رہنے والے ہیں۔ سرکار انگریزی کے ممتاز مناصب
پر فائز رہے ہیں۔ ان کا شعر ہے :۔

جس کم سخن سے کیجیے تقریر بول اٹھے
ہے ہم میں وہ کمال کہ تصویر بول اٹھے

گویا :۔

نام حسام الدولہ نواب فقیر محمد خاں بہادر۔ یہ لکھنؤ کے نامی امرا میں سے ہیں۔

باوجود دنیوی اشغال کی کثرت کے باوجود دین پرست ہیں۔ ہر فن کے ماہرین کے قدردان ہیں، نمایاں طور پر حضرات شعرا کی طرف ویسی توجہ ہے جیسی کہ ان کے شایان شان ہے۔ اور اس شہر کے شعرائے کرام ان کے مداح رہے ہیں اور بے انتہا تعریف کرتے ہیں۔ اور وہ ان کے ساتھ تمام جائز مراعات کرتے ہیں۔ فن شعر میں شیخ امام بخش ناسخ کے شاگرد ہیں۔ یہ اشعار ان کے دیوان سے انتخاب کر کے اس تذکرہ میں درج کیے گئے ہیں۔

صندلی رنگ پہ میں مر ہی گیا
دردِ سر کس کا کہ یاں سر ہی گیا

اس نے صندل لگایا ماتھے پر
درد دونا ہوا مرے سر کا

نہ آنے کا ترے شکوہ عبث ہے
کبھی میں آپ میں آیا تو ہوتا

اس کو غفلت پیشہ کہہ آتے ہیں ہم
بھول جانا یاد دلواتے ہیں ہم

ضعف سے رہتا ہے اب پاؤں پہ سر
آپ اپنی ٹھوکریں کھاتے ہیں ہم

گر پڑے دیوانہ اگر جلنے لگے مثلِ سپند
یہ حرارت بعدِ مردن بھی ہے اپنی خاک میں

وصل اگر منظور تھا پرویز کا گھر کھودتا
کوہکن دیوانہ ہے شیریں تو بے تقصیر نہیں

درد پہلو میں رہا کرتا ہے جب سے تو نہیں
ہجر میں بھی ایک دن خالی مرا پہلو نہیں

نہ مرے زخم پر رکھو مرہم
میرے قاتل کی یہ نشانی ہے

ٹھکرا کے چلے جبیں کو میری
قسمت کے لکھے نے یاوری کی

میں گو ناخوش ہوں اپنی زندگی سے
رہے خوش یاالٰہی وہ جہاں ہے

یاد آیا جی یہیں اپنا ملا تھا خاک میں
رو دیا جب وہ غبارِ کو نظر آیا مجھے

جی ابھی نکلا نہ تھا تن سے کہ وہ راہی ہوا
توسنِ جاناں سمندِ عمر سے چالاک ہے

مآلِ عاشق و معشوق ہے ایک
سنا ہے شمعِ سوزاں کی زبانی

آیا جوابِ نامہ پس مرگ تب کھلا
تھی دیر اس لیے مرے خط کے جواب کی

زاہد و جرم کیا کرتا ہوں میں بہر ثواب
دل ہے کعبہ اسے کرنا ہے سیہ پوش مجھے

حرف اللام

لطیف:۔

نام میر شمس الدین۔ بندرگاہ سوات کے رہنے والے ہیں۔ لکھنؤ میں سکونت اختیار کی ہے۔
ان کا شعر ہے:۔

گھر میں جا بیٹھ رہا اس سے خفا ہو تو لطیف
کیا ہی غصہ تری اس بات پہ آتا ہے مجھے

لطیف:۔

نام میر لطیف علی۔ میر درد سے ارادت رکھتے ہیں اور ان کے شاگرد بھی ہیں۔ جواہرات کی اچھی شناخت رکھتے ہیں۔ ان کا کلام ہے:۔

روتے ہیں شیخ و برہمن سبھی دل کے ہاتھوں
گبر نکلا نہ یہ کافر نہ مسلماں نکلا

رہتا ہے درد روز دلِ ناتواں میں
کیوں کر اثر نہ ہووے ہماری زبان میں

دامن کشیدہ جاتے ہو میرے غبار سے
تقصیر ایسی کیا ہوئی اس خاکسار سے

لطف:۔

نام مرزا علی۔ ان کا اصل وطن استر آباد ہے۔ ان کی نشوونما دہلی میں ہوئی۔ نواح عظیم آباد میں سکونت اختیار کی۔ حیدر آباد گئے تھے۔ قصائد لکھے اور صلے پائے۔ میر تقی سے نسبت شاگردی رکھتے تھے۔ انھوں نے ریختہ گو شعرا کا ایک تذکرہ ریختہ زبان میں لکھا جسے میں نے

بھی دیکھا ہے ۔ یہ اشعار ان کے انتخاب کردہ اشعار سے منتخب کیے گئے ہیں ۔

ہو گئی زنجیر پا اپنے یہ زلف پرشکن
ورنہ دل تجھ سے کو دنیا کیا کوئی دیوانہ تھا

کیجو اس زلف کو مشاطہ سمجھ کر شانہ
لاکھ دل ٹوٹے اگر ایک وہ مو ٹوٹ گیا

بڑھایا قصۂ سنبل صبا نے حد لیکن
فسانہ زلف کا تیری بہت دراز رہا

نہیں سمندر و پروانہ پردہ آتش ہوں
کہ جس کے نام سے آتش کو احتراز رہا

نہ پہنچی ضعف سے لب تک دعا بھی ورنہ سدا
در قبول تو اس آرزو میں باز رہا

جو عمر فقر ہو شاید تو وصل ہووے نصیب
یہ زندگی جو تھی اس میں تو امتحان رہا

سنتے تھے طوفان نوح آنکھوں سے دیکھا وہ لطیف
دیکھیے یہ چشم گریاں اور اب دکھلائیں کیا

ہے کون سبزہ رنگ خراماں کہ رشک سے
جوں شمع سبز جلتا ہے ہر سرو باغ کا

ساقی لگا دے خم مری ضد سے کہ بار بار
احسان کون کھینچے سبو اور ایاغ کا

ترے کانوں تلک بھی لطف کچھ آواز آتی ہے
ہے اک عالم کو تیرے نالہ و فریاد کا شکوہ

ایک دن حال دل زار نہ دیکھا نہ سنا
سچ تو یہ تجھ سا بھی دلدار نہ دیکھا نہ سنا

دکھا دیں بے ستون چرخ کا عالم تجھے فرہاد
جو جل جائے ہیں بھی کار فرما کوئی شیریں سا

فرہاد کا سا رنگ نہ مجنوں سا کیا حال
کس منہ سے اسے بھیجیے پیغام محبت

ہوتے ہیں بعد قتل طلبگار حق سعی
ملک بتاں میں دیکھی نئی خوں بہا کی طرح

کیا کم ہے سلطنت سے سگ کوئے یار اگر
قانع ہوا استخواں پہ ہمارے ہما کی طرح

ہے یہ بھی نئی چھیڑ شب وصل میں سو بار
پوچھے ہے وہ کتنی رہی شب کچھ نہیں معلوم

کس کے دیتے بلا جو جانتے ہم
دے کے دل اس بلا میں پڑتے ہیں

اگرچہ فرق زمیں آسماں کا ہے تاہم
ملے ہے وضع فلک کی بہت تری خوئیں

اپنا تو بدگمانی سے بس کام ہو گیا
گو اور طرح اس کی ہو یہ چولی مسک گئی

خوبی کا بس کہ تیری اک عالم گواہ ہے
اپنی بغیر دیکھے ہی حالت تباہ ہے

حرف المیم

مائل :-

نام میر مہدی - یہ ایک سید تھے جہان آباد ہیں - مولوی قدرت اللہ اکبر آبادی کے شاگرد تھے - اور شاہ نصیر دہلوی کے استاد تھے - ان کا شعر ہے :-

مشہور ہے جہان میں بیمار کی ہوس　　کیا کیا کہوں میں مجھ سے دل زار کی ہوس

مائل :-

نام محمد یار بیگ - وطن لکھنؤ - قلندر بخش جرأت کے شاگردوں میں سے ہیں ان کا شعر ہے :

مائل ہوا ہوں جب سے میں اک سبز رنگ کا　　پیتا ہوں جام مے کے عوض کاسہ بنگ کا

مائل :-

نام سید کاظم علی - خیر آباد کے رہنے والے ہیں - عین عالم شباب میں وفات پائی - ان کا شعر ہے :-

شب ہجراں کی آہ ایک طرف　　لاکھ ابر سیاہ ایک طرف

ماہر :-

نام فخر الدین خاں - والد کا نام اشرف علی خاں فغاں تھا - سودا کے شاگردوں میں

ے سکتے - اور وطن لکھنؤ - اُن کا شعر ہے :-

ہوا تیر نگہ یوں آہ دل میں کارگر کس کا ملی اتنی نہ فرصت بھی کہ اٹھ کر مانگتے پانی

مبتلاؔ :-

نام مرزا کاظم بیگ - وزیر الممالک کی سرکار میں ان کو مردان علی خاں کے نام سے مخاطب کیا جاتا تھا - اصل وطن مشہد مقدس ہے لیکن ان کی ولادت لکھنؤ میں ہوئی - ان کے بزرگ ، عزت سے زندگی بسر کرتے تھے - لوگوں کا بیان ہے کہ مبتلاؔ ، فارسی میں صاحب دیوان ہیں اور ایک تذکرہ بھی لکھا ہے - ان کا شعر ہے -

شیشۂ دل پٹک دیا تو نے سنگ دل آہ کیا کیا تو نے

مبتلاؔ :-

یہ ایک صاحب ہیں ، جن کا حال مجھے معلوم نہیں ہو سکا - ان کا شعر ہے :-

وہ ترے سایۂ دیوار میں پائی راحت چاندنی رات کو اے رشک قمر بھول گئے

مجذوبؔ :-

نام مرزا غلام حیدر بیگ - جہان آباد کے رہنے والے تھے - ان کو سودا نے اپنی فرزندی میں لیا تھا - اُن کا کلام ہے :-

بھلا تم زہر ہو کے دیکھو اثر ہووے تو میں جانوں علاوت سے تمہارے کچھ اگر ہووے تو میں جانوں

مرے پیماں میں کچھ نوع دگر ہووے تو میں جانوں تمہارا ہم سے جو عہد وفا ہے اس کو تم جانو

طوبیٰ کے نیچے بیٹھ کے رووں گا زار زار

جنت میں تیری سایۂ دیوار کے تلے

مجنوں :

نام معلوم نہیں ۔ سربرہنہ درویش کے نام سے مشہور تھے بجیم ناتھ کی اولاد میں سے تھے جن کے بزرگ اسلام کی طرف بلا واسطے سے کے اور بغیر کسی کاوش کے مائل ہوئے تھے ۔ میر تقی کے شاگرد تھے ۔ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ گلیوں میں برہنہ گھومتے پھرتے تھے اور یہ ان کے تخلص کا اثر ہو سکتا ہے ۔ لیکن یہ ظاہر نہیں ہو سکا کہ ان کے جنوں کی بنا پر یہ تخلص اختیار کیا گیا یا تخلص کی بنا پر ان کی یہ حالت ہوئی ۔ مختصر یہ کہ ان کا ایک مطلع یہ ہے :۔

مجھ سے کیا پوچھتے ہو اپنے ہی جی سے پوچھو　　جس سے جی چاہے ملو تم نہ کسی سے پوچھو

مجنوں :۔

نام معلوم نہیں ۔ یہ ایک صاحب عظیم آباد کے رہنے والے ہیں ۔ میر ضیا سے فن شعر حاصل کیا تھا ۔ ان کا شعر ہے :۔

دن میں سو سو بار اس کے روبرو جانا مجھے　　اس میں سودائی کہے یا کوئی دیوانا مجھے

مجرم :۔

نام میر فتح علی ۔ دہلی کے ایک سید ہیں ۔ کیمیا کی جستجو میں رہے اور وہ ملی نہیں ۔ ان کا شعر ہے :۔

اپنی خواہش پوچھتے ہو تو یہی چاہے ہے دل　　چپکے بیٹھے سامنے صورت تمھاری دیکھیے

مجرم :۔

نام رحمت اللہ ۔ دستکاری سے کسب معاش کرتے رہے ۔ بہت عرصے کے بعد اس

شغل کو ترک کر دیا۔ اور فقیرانہ لباس اختیار کیا۔ میر محمدی بیدار کا فیض صحبت حاصل ہوا۔ دہلی میں جب آتے ہیں تو میرے پاس آتے ہیں۔ ان کا کلام ہے :۔

دل انگار دیا دیدہ خوں بار دیا　　چرخ ناساز نے کیا کیا مجھے آزار دیا

کی میں نے شکایت تو وہ بولا یہ خفا ہو　　گر ہم ہیں جفا جو تو کسی اور کو چاہو

کل غیر کے گھر رہنے کی کیا جھوٹ ہے پیارے　　کھا جائیے حاضر ہوں مجھے گھورتے کیا ہو

مجبور :۔

حق رسا نام۔ شاہ نصیر کے شاگرد۔ ان کا شعر ہے :۔

شب خوشی سے پاؤں پھیلا گھر میں تم سو یا کیے　　ہم پس دیوار بیٹھے صبح تک رویا کیے

محزوں :۔

نام میر ناصر جان۔ والد کا نام سید محمد نصیر۔ المتخلص بہ رنج تھا۔ بالفعل خواجہ میر درد کے سجادہ نشیں ہیں۔ سلمہ اللہ وغفرلہ ا۔ درسی کتابوں پر ان کو عبور ہے خصوصیت سے ریاضی پر ان کو جو مہارت ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے ہیں۔ آج کل یورپ گئے ہوئے ہیں۔ مجھ سے بھی شناسائی ہے۔ ان کا کلام ہے :۔

جھوٹ ہے اور سے کب میں نے لڑائیں آنکھیں　　تم نے بے فائدہ رو رو کے سجائیں آنکھیں

شاید اس وقت گیا آپ کا دھیان اور کہیں　　بات کرتے میں جو تم ربط سخن بھول گئے

نہ تو نامہ ہی نہ پیغام زبانی آیا　　حیف محزوں مجھے یاران وطن بھول گئے

محزون :۔

نام عالم شاہ۔ گڑھ مکتیشر کے مشائخ زادگان میں سے ہیں مصحفی ان کو امروہہ کا سمجھتے تھے :

یہ صحیح نہیں ہے اور وہ جادۂ تحقیق سے ہٹ گئے ہیں۔ اس باب میں اس قول کے مطابق کہ ع جس کے گھر کی بات ہوتی ہے سمجھتا ہے وہی ۔ ۔ ۔ ۔ شرف الدین مسرور کا قول پسند آیا کہ وہ ان کے عزیزوں میں سے ہیں۔ اور قیام امروہہ میں رہتا ہے۔ اسی پر مصحفی سے ہر حال میں غلطی ہوئی ہے۔ یہ اشعار ان کے ہیں:۔

کس کے آنے سے چمن میں گل کے سودا ہوگیا
بے محابا چاک کرتا ہے گریباں کے تئیں

اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں سنتے ہو
تم نہ فریاد کسی کی نہ فغاں سنتے ہو

کوہکن کو خواب شیریں سے جگانا چاہیے
اہل دنیا تو نہیں دیتے ہیں محزوں غم کی داد

محو:۔

نام حسین علی خاں اکبر آبادی۔ انگریزی ملازمت کرکے بسر اوقات کرتے ہیں ان کا شعر ہے:

گالیاں دے ہے پس مرگ بھی قاتل کے بدلے
سنگ پھینکے ہے مری قبر پہ گل کے بدلے

محو:۔

نام شیخ عظیم اللہ۔ میرٹھ کے باشندہ ہیں۔ ان کا شعر ہے:۔

یہ دولت اس کو بخشیں گے جسے ہم یاد رکھیں گے
متاع دل گراں مایہ ہے اپنے پاس اے ہمدم

محب:۔

نام شیخ ولی اللہ۔ اسی شہر کے رہنے والے ہیں۔ لکھنؤ میں وفات پائی۔ سودا سے شاگردی کا سلسلہ تھا۔ سرکار مرزا سلیمان شکوہ بہادر کے وظیفہ خواروں میں سے تھے۔ ان کا کلام ہے:۔

تو اور تری چاہ پوچھنا کیا
صدقے ترے واہ پوچھنا کیا

خانۂ دل کہ نہ ہو عشق کا آئیں جس میں
ہے وہ قرآں کہ نہیں سورۂ یٰسیں جس میں

پڑھنے لائق نہ تھا کب چھوٹے سے خاک لگے جوابے	جتنے خط رہے جائے میرے نامہ بر بھیگے ہوئے
نم ہیں مژگاں اشک سے تجھ تک نہیں جاتی نگاہ	مانع پرواز ہیں طائر کو پر بھیگے ہوئے
تیرے جور بھی ستم رہیں گے	جینے کا ہے کہ ہم رہیں گے
بڑھ کچھ تو ایک بوسے پہ اے یار اور بھی	ہیں ورنہ جنس دل کے خریدار اور بھی

محبت :-

نام میر بہادر علی۔ ثناء اللہ خاں فراق کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کا کلام ہے:-

سادہ رو صاف بھی اب ہم سے ملاقات نہیں	نازو انداز و ادا غمزہ اشارہ جو دیا
اگر حنا ترے ہاتھوں کا خوں بہا دل کا	تو لوں گا دست نگاریں سے خوں بہا دل کا

محبت :-

نام نواب محبت خاں۔ یہ حافظ الملک نواب رحمت خاں مرحوم کے صاحبزادہ ہیں۔ بریلی اور اس کے متعلقات کی حکومت ان کے سپرد تھی۔ ان کی شہرت نے ان کو مزید تفصیلات سے مستغنی کر دیا ہے اپنے والد کی طرح وہ بھی بہت پرہیزگار اور متقی ہیں اور بہت عقلمند اور سمجھدار بھی۔ دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ ان کا کلام یہ ہے:-

جس کو تری آنکھوں سے سروکار رہے گا	بالغرض جیا بھی تو وہ بیمار رہے گا
عاشقوں میں مجھے لکھا تو نے	آج چہرہ مرا بحال ہوا
قید ہوتے ہی ہوا دونوں جہاں سے آزاد	میں تو بندہ ہوں محبت کی گرفتاری کا
یہ بڑھا دیوانہ پن اپنا کہ ناصح دل ہوا	تھا مرا ہمدرد، لیکن مجھ کو سمجھانے لگا
آپ کچھ غیروں کو چھپ چھپ کے رقم کرتے ہیں	یہ جو ہو جھوٹ تو ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں
بیٹھنے دیوے نہ وہ حرم میں اپنی جو مجھے	تو اٹھا لیجو اے یار خدایا مجھ کو

گالی کا انتظار تو حد سے گذر چکا منہ کو کہاں تلک ترے دیکھا کرے کوئی

محنت:۔

نام مرزا حسین علی۔ خاندان جہان آباد کا تھا۔ خود لکھنؤ میں نشوونما پائی۔ شاعری میں قلندر بخش جرأت سے مشورہ کرتے تھے۔ اس طرز کا کلام ہوتا تھا:۔

احوال مرا دعیان سے سنتا تھا ولیکن کچھ بات جو سمجھا تو کہا میں نہیں سنتا
اس بت نے جو غیروں پہ کیا لطف نزیادہ مجھ سے نہ کہو بہر خدا میں نہیں سنتا
آمد نہ فصل گل کی نسیم سحر سنا مر جاؤں گا قفس میں نہ ایسی خبر سنا

محشر:۔

نام اکرام اللہ خاں۔ بدایوں کے رہنے والے تھے اور وہاں کے مشاہیر میں سے تھے۔ ان کا کلام ہے:۔

آچھپا شور قیامت ترے داماں کے تلے فتنہ سوتا ہے ترے سایۂ مژگاں کے تلے
ہمیں نظر نہیں آتا کہ بچ نکلے محشر کوئی دن اور اگر درد انتظار رہے
جدھر کوئی اڑے دل کی تپش کروں پرواز نہیں ہے برق صفت ہاتھ میں عناں میرے

محشر:۔

نام مرزا علی نقی۔ اصلی وطن کشمیر تھا۔ نشوونما ان کی لکھنؤ میں ہوئی۔ ہر دو زبانوں میں شاعری کرتے تھے۔ ان کو شاعری کا بہت غرور تھا۔ مرزا علی مہلت کے قتل کے بعد (جس اجمال کی تفصیل مہلت کے حالات میں لکھی گئی ہے) ... خوف سے وہاں سے فرار کر کے دہلی آئے۔ خواجہ میر درد سے توسط پیدا کیا اور ان سے فوائد حاصل کیے۔ اس واقعے

کے کئی سال بعد لکھنؤ واپس چلے گئے۔ مقتول مذکور کے ورثا نے چھپے ہوئے قاتل کو قصاص میں قتل کر دیا۔ ان کا کلام ہے:۔

دور میں اس چشم کے گردوں کو آسائش نہیں — کس گھڑی کس دم نئے فتنے کی فرمائش نہیں
جاں منتظر ہے آنکھوں میں وقت رحیل ہے — جلدی پہنچ کہ تیرے ہی آنے کی دیر ہے

محسن:۔

نام میر محسن۔ یہ میر تقی کے بھتیجے ہیں۔ ان کا شعر ہے

حرف تیرے عقیق لب کا شوخ — زندہ کرتا ہے نام عیسیٰ کا

محترم:۔

نام خواجہ محترم علی خاں۔ عظیم آباد کے (دولت مندوں) میں سے ہیں۔ اپنا کلام شاہ گھسیٹا المتخلص بہ عشق کو دکھاتے تھے۔ ان کا کلام یہ ہے:۔

اے محترم اتنی اشک باری — کھل جائے ہے ابر بھی برس کر
دوستوں نے مرے کہاں سے — محترم کو کہو تو یاں لائیں
لگے کہنے کہ شرط کر لو تم — ہم جو مجلس میں اس کو بلوائیں
رو نہ دیوے کہ جس کے رونے سے — ساری محفل کے چھپے جائیں
پیغام پھر جنوں کے آنے لگے ہیں مجھ تک — شاید بہار کے دن نزدیک آن پہنچے

محمود۔

محمود خان نام۔ اعظم الدولہ میر محمد خان سرور کے بھائی۔ خوش فکر خوش ساز نوجوان ہیں۔ ان کی فنکارگاہ (شاعری) میں مضامین خیال کے سمبل ہیں اور سوز و گداز اشعر سے وارفتہ و زخمی دل

جوان معلوم ہوتے ہیں۔ باوجود سخن وری ود مہارت) کم گو اور صد زباں ہوتے ہوئے بھی بے زبان ہیں۔ حلم وادب کے زیور سے آراستہ، اور راقم کے احباب میں ہیں:۔

گھر سے بے پردہ وہ رشک مہ روشن نکلا
نالۂ دل بھی مری جان کا دشمن نکلا

اپنی برگشتگیٔ بخت کا دیوانہ ہوں
کی شفاعت جو کسی نے تو وہ اغوا سمجھا

کیا اجل بھی آئی تھی اغیار ہی کے حصے میں
اے فلک گر وصل جاناں کے زیں قابل ہوئی

گو شب ہجر ہے پہ صبح ہووے تو ہے خوب
لائے ہے تاک میں دم گردش ایام اپنا

بے قراری سے ہے کچھ اس کی عجب مجھ پہ عذاب
کس طرح غیر کو دے دوں دل ناکام اپنا

واہ رے شوق ادھر جب کوئی جاتے دیکھا
منہ سے ناخواستہ نکلا وہیں پیغام اپنا

افسوس ہوا حشر میں کیا بے گنہی کا
قاتل جو ہمیں مہ بہ گریباں نظر آیا

ہیں اپنے تصور کے محالات کئی سہل
پردے میں بھی مجھ کو رخ جاناں نظر آیا

مجھ کو خبر مرگ عدو سے بھی ہوا رنج
وہ شوخ جو انگشت بدنداں نظر آیا

دشمن کو مری گور پہ لانا نہیں اچھا
مردے کو مسلماں کے جلانا نہیں اچھا

ہے زخم جگر ناوک قاتل کی نشانی
اے چارہ گر اس کو مٹانا نہیں اچھا

بیداد گذشتہ کی کریں کیونکہ شکایت
اس کو وہ مزہ یاد دلانا نہیں اچھا

حسرتیں زیست کی ہیں گور میں رکھیں بے چین
اس نے کیا مجھ کو کہیں یاد کیا میرے بعد

پیچھے ہٹتا تھا قدم چھٹتے ہی اس کوچے سے
وہ ہوا بام پہ کیا جلوہ نما میرے بعد

میرے لیے ہے تیری ندامت بھی اک ستم
ہرگز تو اپنے جور و جفا پر نظر نہ کر

تھا وصل میں اک ہجر میں دو میں ہے معشوق
کم موت کی جانب نہیں جاناں سے تعلق

وہ یہ سمجھا کہ ہوا ظلم اٹھانا مشکل
ہم کو جینے سے بھی اب زہر ہے کھانا مشکل

نہ ڈرا نار جہنم سے عبث اے واعظ
ہے بجز ذکر عدو ہم کو جلانا مشکل

غلبۂ شوق سے عالم ہے نظر میں تاریک
جس کے جویا تھے ہوا اس کا بھی پانا مشکل

چھاتی پہ لٹانا تو اسے کب ہے میسر
تصویر مگر سینے پہ لیتے ہیں بنا ہم

اس وعدہ فراموش نے آنے کو کہا تھا
دروازے پہ ہی رہنے لگے آٹھ پہر ہم

جو پائے زہر ہیں یہ گراں جانیوں میں ہم
اعدا کے گھر گئے تری مہمانیوں میں ہم

عجز نے تاثیر کو اپنی صنم سمجھا فریب
کیا ملاوے گی خدا سے یہ جبیں سائی ہیں

جان کیا چیز ہے پر عشق میں تاثیر تو ہو
کوئی مر جائے اگر تو کوئی دلگیر تو ہو

وہ رخ افروختہ ہے جرم عدو سے شاید
کہ نہیں نیم نظر تاب تماشا ہم کو

وہ صید ہوں کہ شوق اسیری ہے خود مجھے
صیاد بے دماغ کو رنج یکیں نہ ہو

ایسا ہی سبک زیست نے ہجراں میں کیا ہے
گر چاہے تو اف سے کوئی بیمار اڑا دے

اس ناتواں کو بام پہ پہنچا دے ہم نشیں
شاید کہ اس کے گھر کی طرف کی ہوا چلے

دیکھتا کون ہے محمود عدو کو بہ خوشی
جب نظر کرتے ہیں افلاک پہ ناچاری سے

خلاف طبع ہے اس کے مگر کوئی خواہش
ہمارے ہاتھ جو گاہے پے دعا نہ اٹھے

بعید اس کے ستم سے ہے یہ کہ بعد فنا
عدو کے گھر کی مری خاک سے بنا نہ اٹھے

اب تو حد تاثیر کی اے اشک خونیں ہو چکی
سب طراز دامن دلدار رنگیں ہو چکی

مرتکب سوگند کے ہم ہو چکے پر ہے خموش
کیا وہ خود بھی قدر دان لذت دشنام ہے

چل گیا میں گرمیٔ رفتار سے
کیا چلے تم ملنے کو اغیار سے

لاغری سے میں نظر آتا نہیں
چارہ گر بیٹھے رہیں ماتم دار سے

خانۂ کعبہ کی تعظیم کو سبحان اللہ
ایک فرصت بھی ہو اس در کی جبیں سائی سے

مخلص :-

نام میر باقر۔ اکبر آبادی۔ مصحفی خاں یکرنگ کے شاگرد۔ محمد شاہ کے عہد حکومت میں ان کا پرچم شاعری بلند تھا۔

میں تو بندہ ہوں ترے جور و جفا کا لیکن　　سخت دھڑکا ہے مجھے اس دل سودائی کا

مخلص :-

مخلص علی خاں ۔ مرشد آباد میں بال سفید کیے ۔ نمونۂ کلام :-

کوئی اپنے اسیروں سے تغافل یہ بھی کرتا ہے　　قفس میں مر گئے ہم یہ خبر صیاد کو پہنچے

مدحت :-

لکھنؤی ، جعفر علی حسرت کے شاگرد ہیں :- نمونۂ کلام :-

لے گئی ہجر تری گور میں یار آخر کار　　روز فرقت نے دکھائی شب تار آخر کار

مدہوش :-

نام معلوم نہ ہو سکا ۔ میر سوز کے شاگرد تھے ۔ نمونۂ کلام :-

مرا جس ناز سے تو نے لیا دل　　خدا جانے ہے اس کو یا مرا دل

مرزا :-

آغا مرزا نام ؛ خاندانی طور پر ماژندران سے تعلق تھا ۔ مگر خود لکھنؤ میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد محمد اسمٰعیل تاجر تھے ۔ میر کے شاگرد ہیں ، نمونۂ کلام :-

بالیں سے جب وہ پھر گیا غش سے کھلی تب آنکھ　　مجھ نارسا کے طالع خوابیدہ دیکھنا

پہچانتے تا نہ کوئی کہ یہ کس کی لاش ہے　　سر تن سے لے گیا مرا قاتل تراش کے

مرزا :-

مرزا انشیا کے نام سے مشہور تھے ۔ اصل نام حکیم میر فضل اللہ ہے ۔ پانی پت کے رہنے

والے، فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ فن طب میں ماہر ہیں: نمونۂ کلام: ۔

دل جو اپنا تھا سو ہے بیگانہ — اس زمانے میں کوئی یار نہیں
سخت مشکل ہے ہجر میں جینا — زندگی اپنے اختیار نہیں
خالی اس سے نہیں ہے کعبہ و دیر — کون سے سنگ میں شرار نہیں

مرزا: ۔

ہدایت اللہ دہلوی نام۔ موسیقی کے ماہر ہیں نمونۂ کلام: ۔

دل ہاتھ اشک آنکھ سے جی تن سے چلا جائے — اے وائے مصیبت کوئی کس کس کو سنبھالے

مرزا: ۔

حکیم مرزا محمد خاں کے بھانجے، اور رستم بیگ شاکر کے شاگرد ہیں، نمونۂ کلام: ۔

اگر زلف دراز یار میں ہے صد گرہ مرزا — دل صد چاک یہ ہم بھی بسانِ شانہ رکھتے ہیں

مروت: ۔

ضمیر علی ولد فرزند حکیم کبیر علی۔ سنبھل کے رہنے والے، اور جرأت کے شاگرد ہیں، مثنوی میر حسن کا جواب لکھا ہے اور اس پر بڑا ناز کرتے تھے۔ نمونۂ کلام: ۔

غیروں پہ دیکھ دیکھ کرم اس نگار کا — چیں بر جبیں ہے نقش ہمارے مزار کا

مرہون: ۔

مرزا علی رضا نام اصل وطن مشہد مقدس ہے۔ خود اسی شہر (دہلی) میں پیدا ہوئے حیدرآباد چلے گئے تھے۔ میر ممنون کے شاگرد ہیں، نمونۂ کلام: ۔

ہر آرزوئے دل کو حرماں نے خوں کیا ہے گردن پہ یاس کی ہے خوں اپنی آرزو کا
جز اک نگاہ خشم کبھی اس کی خو نہیں قسمت تو دیکھ یہ بھی کبھو ہے کبھو نہیں

مزمل :۔

مزمل شاہ نام، پرانے زمانے کا شعرا میں ہیں:۔

میں نہ کہتا تھا مزمل دے نہ دل نقد ایسا رائگاں کھونا نہ تھا

مسرور:۔

شیخ پیر بخش نام۔ لکھنؤ سے پانچ فرسخ ( ) کے فاصلے پر قصبہ کاکوری میں رہتے تھے۔ مصحفی کے شاگرد تھے۔ مرزا سلیمان شکوہ بہادر کے ساتھ اس شہر میں بھی آئے تھے:۔

کہتی ہے یہ بروقت مجھے آبلہ پائی آگے کو قدم دشت مغیلاں سے اٹھے
کرتے ہیں وہ غمزے سے اشارے کئی دن سے ہیں پیچھے پڑے دل کے ہمارے کئی دن سے
گر بہر سیر لیلیٰ محمل سوار جائے مجنوں بھی ساتھ جوں شتر بے مہار جائے

مسرور:۔

مرزا اسگی بیگ نام۔ جہاں آباد کے رہنے والے اور میر عزت اللہ عشق کے شاگرد ہیں

سدا اس چشم میگوں سے یہ دل مستانہ رکھتے ہیں صراحی کی ہوس، نہ خواہش پیمانہ رکھتے ہیں

مسرور:۔

شرف الدین احمد نام، غلام محی الدین عشق، مبتلا کے صاحبزادے میرٹھ کے رہنے والے ہیں۔ "اشعار ریختہ زبان ریختہ میں" جمع کیے ہیں،

ہے غیر کے گھر وہ شمع محفل　　　دن رات مجھے یہی جلن ہے

مسکین :-

سید عبدالواحد خاں نام - ظریف و ظریف جوان ہیں، جب دہلی آتے تھے - تو اشعار حکیم مومن خاں کو دکھاتے تھے - حقیر سے بھی تعلق تھا - آج کل "اندور" میں ہیں :-

کیوں نہ اُٹھنا بیٹھنا مشکل ہو اس رنجور کا　　　جس کو از خود رفتگی بھی اک سفر ہے دور کا

مسرت :-

شیخ وزیر علی نام - حکیم عزت اللہ خاں عشق کے شاگرد، دہلی کے رہنے والے تھے چند سال سے حیدر آباد میں رہتے اور چندو لال کے درباری شعرا سے تعلق رکھتے ہیں -

اگرچہ روتے روتے کھوئیں آنکھیں　　　نہ رکھا دیدۂ خونبار پر ہاتھ

مستمند :-

یار علی خاں نام - عظیم آباد کے رہنے والے، اور مرزا بچو قدوی کے شاگرد ہیں - ان کا شعر ہے :-

نزع تک وصل کی ہے یار، امید　　　ہے مثل "ایک دم ہزار امید"

مسیح :-

براتی نام - کشمیری سوداگر تھے :-

شاید کہ موئے زلف کا شانہ تھا دست غیر
بے وجہ سب رہا تھا جی کو مرے پیچ و تاب رات

مشیر:-

قطب الدین نام۔ جہاں آباد کے آدمی ہیں سنتے ہیں کہ شاہ نصیر کے ارشد تلامذہ میں ہیں۔ حقیر نے مشاعروں میں دیکھا اور روبرو ان کا کلام سنا ہے۔ استاد کے رنگ میں کہتے ہیں شعر

یہ غل ہے کہ وحشی نے ترے پاؤں نکالے　　پھر دست جنوں سلسلہ جنباں نہ ہوا ہو

مشتاق:-

عبداللہ خاں نام۔ مشتاق علی خاں خطاب، ایرانی نژاد اور پایۂ تخت کے شعرا میں ہیں۔ کچھ رمل و جفر بھی جانتے ہیں۔ کیمیا سازی کی بڑی ہوس تھی۔ حسینوں کے خط کی طرح خط حسین ہے۔

کی اک نگاہ یاس جو مژگان یار پر　　سو برچھیاں لگیں دل امیدوار پر

جی بند ہو نکل بھی گیا تو کھلے رہے　　اے چشم آفریں ہے ترے انتظار پر

مٹے ہے دم بدم یاں وصل کی تدبیر کا نقشہ　　دکھائی دے ہے بے ڈھب کچھ ہمیں تقدیر کا نقشہ

دم مرگ مت پوچھ لکنت کا باعث　　زباں پر گرہ گفتگو تھی کسی کی

کبھی اشک بھر آئے تو پی گئے ہم　　کہ مد نظر آبرو تھی کسی کی

رنگ کیوں سبز ہے چہرے کا ترے اے مشتاق　　کس نے دیکھا ہے تجھے زہر بھری آنکھوں سے

اپنی ہم بندگی پہ بھولے تھے　　پھر جو دیکھا وہاں خدائی ہے

مشتاق:

حافظ تاج الدین میرٹھی، آنکھوں سے معذور ہیں۔ ان کا ایک شعر ہے۔

کوہکن و پرویز کو اپنا اپنا قصہ سنانے دو
ہے یہ وہی افسانۂ شیریں ایک پری کا دیوانے دو

مشتاق :-

محمد اصل نام ۔ بدایوں کے رہنے والے ، ایک شعر ملا ہے :-

ہمارے کام پہ ہر چند آسمان پھرے تجھے قسم ہے جو تو اس طرف کو آن پھرے

مشہور :-

بریلی کے کائستھ ہیں ، مشہور تخلص ہوتے ہوئے بھی حال مشہور نہیں ۔ ان کا شعر ہے :-

خوشی سے کیوں نہ اے مشہور اب بغلیں بجائیں ہم ملے گا یار ہم سے آج پھر بازو پھڑکتے ہیں

مصدر :-

میر ماشاء اللہ خاں نام آپ میر انشاء اللہ خاں کے والد ہیں ، ہوتا تو یہ ہے کہ بیٹا باپ کے نام سے پہچانا جاتا ہے ، مگر کبھی اس کے برعکس بھی ہوا ہے ، جیسے مصدر ۔ آپ طب میں اچھی خاصی منزلت رکھتے تھے ۔ اور کبھی کبھی شاعری کی طرف بھی توجہ کر لیتے تھے :-

کافر ہو سوا تیرے کرے چاہ کسو کی صورت نہ دکھاوے تجھے اللہ کسو کی

مصحفی :-

غلام ہمدانی ۔ اصلاً امروہہ ضلع مراد آباد کے تھے ، آغاز شباب میں جہان آباد آکر مقیم ہو گئے ، آخری دور میں لکھنؤ گئے اور وہیں رہے ، ان کی وفات کو آج کل دس سال ہوئے ۔ بڑی عمر پائی ۔ عہد سودا کی انتہا اور ان کے فن کی ابتدا تھی ۔ جرأت و انشاء کے مقابلے میں شاعرے اور مباحثے کرتے تھے ۔ اردو کے چھ دیوان اور دو تذکرے اور ایک فارسی دیوان ۔ ایک فارسی تذکرہ لکھا جس سے ان کی مشاقی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ پورب میں مسلم الثبوت و مشہور استاد تھے ۔

اس طرف کے اکثر شاعروں نے ان سے یہ فن حاصل کیا۔ اگرچہ "پیرگو" شاعروں کی طرح ان کا اکثر کلام "کم پایہ و خالی از لطافت" ہے، لیکن منتخب اشعار بہت اعلےٰ درجے کے ہیں جس کا ثبوت یہ شعر ہیں۔ جو ان کے دیوانوں سے چھانٹے گئے ہیں:۔

میں اسی رشک سے مرتا ہوں کہ کل غیر نے ہائے
ہاتھ ہنگام قسم کیوں ترے سر پر رکھا

کی تلک اک آب دم شمشیر قاتل نے کمی
ورنہ پیمانہ ہماری عمر کا لبریز تھا

درد و غم کو یہی نصیب ہے شرط
یہ بھی قسمت سوا نہیں ملتا

کہتے ہو ایک آدھ کی ہے میرے ہاتھ موت
ہم بھی سمجھتے ہیں یہ سناتے ہو ہم کو کیا

تھا اگر روز قیامت تو بھی ہم شاداں رہے
وہ جو اک دن اس کے ملنے کا مقرر ہو گیا

اے مصحفی بتوں میں ہوتی ہے یہ کرامت
دل پھر گیا نہ تیرا آخر خدا سے دیکھا

شوخی تو دیکھو تیر کو سینے سے کھینچ کر
کہتا ہے میرے تیر کا پیکان رہ گیا

نامے کے میرے پرزے لا ڈالے میرے آگے
نامے کا میرے قاصد یہ کیا جواب لایا

مرض عشق سے گر اب کے سنبھل جاؤں گا
تو میں دو چار برس کو کہیں ٹل جاؤں گا

مجھ کو قاتل کے تغافل نے تو مارا ہی ہے
روز ظالم یہی کہتا ہے کہ کل جاؤں گا

اڑتے اڑتے اس کے کوچے میں جو جا نکلے کہیں
حاملوں نے دوش سے تخت سلیماں رکھ دیا

چاک ہو جائیں گے لاکھوں ہی گریباں ظالم
چاک پردے سے نہ لیوں ہاتھ دکھاتا اپنا

مصحفی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہو گا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

دامن ترا بنے گا گریبانِ عاشقاں
گر یونہیں ٹھوکریں دم رفتار کھائے گا

مت میرے رنگ زرد کا چرچا کرو کہ یاں
رنگ ایک سا ہمیشہ کسی کا نہیں رہا

میں حسرتیں لیے از بس جہاں سے جاتا تھا
جنازہ دوش پہ یاروں کے تھا گراں میرا

صیاد کی گلی ہے وہ کوچہ کیا کہ جس میں
سر خاک پر پڑا ہے اکثر کبوتروں کا

فصل گل فصل خزاں دونوں گئیں اے صیاد
مرغ دل کون سے موسم میں رہا ہووے گا

بھیج دیتا ہے خیال اپنا عوض اپنے مدام
کس قدر یار کو غم ہے مری تنہائی کا

عشوہ و ناز و ادا اُس کے یہی کہتے ہیں
بے سکے کون یہاں نام شکیبائی کا

چین سے کیونکہ میں سوؤں کہ شب ہجر مجھے
یاد آتا ہے وہ راتوں کا جگانا تیرا

کیا یار کے دامن کی خبر پوچھو ہو ہم سے
یاں ہاتھ سے اپنا ہی گریبان گیا تھا

تلوار کو کھینچ ہنس پڑے واہ
ہے مصحفی کشتہ اس ادا کا

تری کو میں اس بہانے مجھے دن کو رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا

آنے کے تیرے کہہ کے مرا دل تو خوش ہوا
قاصد نے گو کہ اپنی طرف سے بنائی بات

گلی کو یار کے سمجھے ہے اپنا وہ کعبہ
یہ مصحفی سے نہ پوچھو کدھر ہے سجدہ درست

تھا آپ ہی دیوان مرا نالۂ اعمال
کا ہے کو فرشتوں نے لکھا نامۂ اعمال

چھیڑ مت ہردم نہ آئینہ دکھا
اپنی صورت سے خفا بیٹھے ہیں ہم

سننے پائے نہ دہن اس کے سے دشنام تمام
جنبش لب ہی میں اپنا تو ہوا کام تمام

آنے دو اسے جس کے لیے چاک کیا ہے
ناصح سے گریباں کو سلانے کے نہیں ہم

جب تک کہ نہ چھڑکے گا گلاب آپ وہ آکر
اس غش سے کبھی ہوش میں آنے کے نہیں ہم

پھٹ چکا جیب سے گریباں تب سے
ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں

ہردم کو سمجھتے ہیں دم بازپسیں ہم
غافل تو ہوا ہم سے ذرا بھی تو نہیں ہم

وہی دشت اور وہی گریباں چاک
جب تلک ہاتھ پاؤں چلتے ہیں

تو آئے نہ آئے ولے ہم تو ہر شب
تری راہ تا صبحدم دیکھتے ہیں

ہائے وہ دل کہ جسے میں نے بغل میں پالا
اب اسے یوں ہدف ناوک مژگاں دیکھوں

فلک گر ہنساتا ہے مجھ پر کسی کو
میں ہنس کر فلک کی طرف دیکھتا ہوں

بھلا تو ساتھ تو چلتا مرے جنازے کے
نہ آئے موت بھی روز وصال میرے تئیں

کھلانے نہیں دیتے ہیں مجھے خون جگر بھی
نالے تو مرے حلق کے دربان ہوئے ہیں

وہ سنے یا نہ سنے اس کو ہم اپنا احوال
پس دیوار کھڑے ہو کے سنا جاتے ہیں

چوکھٹ پہ جس کے میں نے رو رو کے رات کاٹی
سنتا ہوں صبح کیا وہ مہمان ہیں کسی کے

کوچے سے نکل کے ترے میں نالہ کروں گا
معلوم ہوا اب مجھے تاثیر نہیں یاں

میں ہوں وہ تلخ کام کہ روز وصال بھی
آئے جو لب پہ خندہ مرے زہر خندہ ہو

اپنا بھی جی سے جانا اب ہو چکا مسلم
ہم رہ سکیں ہیں کوئی جب تم چلے سفر کو

اپنے مژگان رخنہ گر کو دیکھ
آن کر پھر مرے جگر کو دیکھ

زلف کا بوجھ دے کمر پہ نہ جان
زلف کو دیکھ اور کمر کو دیکھ

تھی شب وصل کھل گئی جو نہیں آنکھ
رنگ فق ہو گیا سحر کو دیکھ

کمر ہوئی تری یاں تک تو شہرۂ آفاق
کہ سر کے بال ترے دیکھنے کمر کو چلے

کنج قفس میں ہم تو رہے مصحفی اسیر
فصل بہار باغ میں دھومیں مچا گئی

ہم نذر تیغ یار کریں اس کو مصحفی
گریہ کے ہاتھ سے جو بدن میں لہو رہے

جور فلک سے ہم نہ کبھی سر اٹھا سکے
چوں شمع زیر تیغ یہاں عمر کٹ گئی

مصحفی یار ہیں اس وقت کے سب مردہ پسند
ورنہ تھا ہم بھی تخلص جو مزاری رکھتے

نہ کہیں صبح ہی ہوتی ہے نہ خواب آتا ہے
رات کیا آتی ہے اک مجھ پہ عذاب آتا ہے

میں ترے واسطے سر پٹکوں ہوں دیواروں سے
چین کس طرح تجھے خانہ خراب آتا ہے

یار کا صبح تک ہی وعدۂ وصل
ایک شب اور بھی جیسے بھی ہے

او دامن اٹھا کے جانے والے
ٹک ہم کو بھی خاک سے اٹھا لے

تو دیکھے تو اک نظر بہت ہے
الفت تری اس قدر بہت ہے

آتا ہے جی میں رو کے ڈبو دوں اسے بھی اب
یہ تھوڑی سی جو پانی کے باہر زمین ہے

از بس دو چند شوق رہا مجھ کو نامہ بر
آیا جو واں سے ایک تو پھر یاں سے دو گئے

ہائے کعبہ سے پھرا اب تک نہ ہرگز مصحفی
اس کو واں کیا جانے کس بت سے محبت ہو گئی

تو آکے بیٹھے دم نزع جس کی بالیں پہ — وہ مر بھی جائے تو آنکھیں کبھی نہ بند کرے

تیری تصویر کو ہے کرشیریں — اپنی چھاتی سے لگا رکھتی ہے

دل کے دھڑکوں کا یہ عالم ہے کہ بے منت دست — پرزے ہو ہو کے گریبان اڑا جاتا ہے

یہ شب ہجر میں اٹھ اٹھ کے قلق کے مارے — دل کو دیتا ہوں تسلی کہ سحر ہوتی ہے

مہندی کو اپنی دیکھ کے کہنے لگا وہ شوخ — ہے ہے کسی کا خون ہوا میرے ہاتھ سے

وعدۂ قتل سے دل اپنے کو رکھتا ہوں میں شاد — کہ اسی وعدہ میں اک وعدۂ دیدار بھی ہے

پیری میں بھی ہم الفت طفلاں سے نہ چھوٹے — لکھ پڑھ بھی چکے قید دبستاں سے نہ چھوٹے

وہ جی میں یہ نازاں کہ مرا رعب تو دیکھو — میں خوش کہ خیال نگہ دور کیے ہے

صبح کی شام ہوئی شام کی پھر رات ہوئی — یہی وعدے ہیں تو کب اس کی ملاقات ہوئی

مجھ کو پامال کر گیا ہے ابھی — یہ جو دامن اٹھائے جاتا ہے

کس کے مژگاں نے یہ کیا جادو — میرے دل میں گڑی جو کیل سی ہے

اس کو صحبت کا گر دماغ نہیں — طبع اپنی بھی کچھ علیل سی ہے

رشک ہے حال زلیخا پہ کہ ہم سے کم بخت — خواب میں بھی نہ کبھی وصل سے مسرور ہوئے

ہرگز در اس کا وا نہ ہوا ہم سے سیکڑوں — سر کو پٹک پٹک پس دیوار مر گئے

غم کھاتا ہوں جتنا مری نیت نہیں بھرتی — کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی

جب ساری سری خون میں ترے تیر کی بھرتی — تب زخم سے نیت ترے نخچیر کی بھرتی

مضمون :-

میر و مرزا کے معاصر تھے، اس سے زیادہ حال نہیں ملتا - ان کا ایک شعر ہے :

مے سے اُس بن کون ہے خوش، واہ یہ بوہ نہ ہو

کس کو ہے خواہش معاذ اللہ یہ ہو وہ نہ ہو

مضمون :

میر شرف الدین نام، شیخ فرید شکر گنج رح کے خاندان سے ہیں۔ جاجؔ مئو مضافات اکبرآباد میں وطن تھا۔ ایک مرتبہ جہان آباد بھی آئے تھے۔ خانِ آرزو کے شاگرد ہیں۔ افکار میں ایہام گوئی ہے جو اس عہد کا رنگ تھا۔

ہم نے کیا کیا نہ ترے عشق میں محبوب کیا — صبر ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا

تیر مژگاں برستے ہیں مجھ پر — آب پیکاں کا اس طرف ہے ڈھال

ہمارا اشک قاصد کی طرح ہرگز نہیں تھمتا — دل بے تاب کا شاید لیے مکتوب جاتا ہے

مضطر :

کنور سین نام۔ لکھنؤ وطن۔ بارہ سال سے ڈبائی ضلع بلند شہر بہ سلسلۂ تحصیل داری رہتے ہیں، حقیر سے کئی مرتبہ ملاقات ہوئی ہے۔ شاعری کا شوق بے حد، اور (طبیعت میں) عاجزی وانکساری بھی ناقابل بیان ہے واقعۂ کربلا پر "قصیدہ" (مرثیہ) لکھا ہے، دو تین شعر مجھے سنائے معلوم ہوتا ہے کہ معقول مضامین ملے ہیں۔ مضطر اپنے آپ کو مصحفی کا شاگرد بتاتے ہیں:

خلل انداز وفا کون سا غماز ہوا — کہ جواب خط مضطر قلم انداز ہوا

سوز جگر کو دیدۂ پرنم کو دیکھیے — ان آفتوں کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے

ابھی سے بے قراری ہے تو ہم نے — دل مضطر مقرر رات کاٹی

مضطر :

مرزا سنگین نام۔ خوش اختلاط و ذہین آدمی ہیں، حقیر سے جان پہچان ہے۔ کبھی چند مہینہ میں بیچ ہوئے تھے۔ جن کا ثمر یہ ہے:

کیا کیا دست جنوں یہ تری بے جانی نے | یں زخوش تھا کہ کفن یں بھی گریباں ہوگا
تھا خود وہ تڑپنے سے خجالت زدہ ہم تو | مضطر کے کبھی خون کا دعویٰ نہ کریں گے

مضطر :-

درگا پرشاد نام، لکھنؤ کے کائستھ اور محمد عیسےٰ تنہا کے شاگرد ہیں۔ ان کا شعر ہے:

ترے وعدوں پر اب ہے دم شماری | بہت اختر شماری کر چکے ہم

مضطر :-

محمد حاجی نام ہے آپ قاضی القضاۃ دہلی، قاضی رحمت اللہ خاں کے فرزند اور ممنون کے شاگرد ہیں۔ آج کل خیال شعر گوئی چھوڑ دیا ہے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد قاضی ہو گئے ہیں۔ کبھی کبھی ملاقات ہو جاتی ہے:

کٹتی کسی طرح سے نہیں یہ شب فراق | شاید کہ گردش آج تجھے آسماں نہیں

مظہر :-

اسم شریف مرزا جان جاناں۔ علوی النسب ہیں، بزرگ منصب دار تھے، خود آپ کے والد بزرگوار نے عالم گیر بادشاہ سے ناراض ہو کر اپنے عہدے سے استعفیٰ دیدیا۔ مرزا نے اکبر آباد میں نشوو نما پائی۔ آخر میں جہان آباد آ گئے تھے، سید نور محمد بدایونی نقشبندی مجددی سے کسب باطن کیا، حسن فطرت و پاکیزگی گوہر کا نتیجہ یہ تھا کہ کبھی آرائش دنیا کی طرف توجہ نہ فرمائی، آغاز شباب سے طالب شیخ اور تہذیب نفس کے خواہش مند اور ریاضت میں مصروف رہے۔ دہلی کے مشہور پیر، شاہ غلام علی، آپ ہی کے مرید ہیں۔ باوجود فضائل ہمہ تن درد، سراپا دل، اور ہنگامہ گرم کن عاشقی تھے۔ سر میں طوفان جنوں، اور نظر میں حسین نوجوں

بسے رہتے تھے۔ اگر ان کی نفاست مزاج اور نزاکت طبع کا ذکر کروں تو دفتر لکھا جاسکتا ہے۔ لیکن زیادتی شہرت کی بنا پر ان باتوں سے قطع نظر کرتا ہوں، مختصر یہ کہ زیادہ تر فارسی کہتے تھے، اہل سخن کے اعتراضات زبان وادب کے باوجود حقیقتاً بعض خیالات بہت عمدہ مطلوب ومقبول ہوتے تھے۔ ایک مختصر دیوان اور چھوٹی سی بیاض تیار کی اور "درّ یلۂ جواہر" نام رکھا جس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ذوق عام تذکرہ نویسوں جیسا نہیں، جو انتخاب اشعار میں رطب ویابس کا امتیاز نہیں رکھتے۔ کبھی کبھی اردو میں بھی شعر کہتے تھے۔

محرم ۱۱۹۲ھ میں ایک متعصب بے باک وبے درد سفاک نے شہید کر دیا۔ مگر انھوں نے خون معاف کر دیا۔ میر قمرالدین منت نے مادہ تاریخ پایا تھا۔

عَاش حمید امات سعید

(زندگی قابل آفریں، موت باعث سعادت)

یہ اشعار ان کے خیالات کے ترجمان ہیں:

لوگ کہتے ہیں موا مظہر بیکس افسوس
کیا ہوا اس کو وہ اتنا بھی تو بیمار نہ تھا

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہائے بس چلتا نہیں اور مفت جاتی ہے بہار

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

مظفر:۔

سید مظفر علی خاں۔ خلف سید قلندر علی خاں۔ شاگرد ممنون نمونۂ کلام یہ ہے:۔

تجھ کو ہی پوچھتا تھا کل نزع میں مظفر
آیا بہت ہی رونا، ہم کو جو تو نہ آیا

معقول:۔

حال نامعلوم ہے، ایک شعر تحریر ہے:۔

رقیبوں پر غضب ڈھا ہم گئے ہیں ۔ ہوا زخمی کوئی مرہم گئے ہیں

معنی :-

محمد آمین نام۔ پورب کی طرف کے آدمی تھے، علی گڑھ میں وفات پائی۔

سرمہ منظور نظر ٹھہرا ہے چشم یار کو ۔ نیلا گنڈا ہے پہنایا مردم بیمار کو

معین :-

نام معین الدین خاں۔ رفیع سودا کے شاگرد ہیں۔ الہ آباد میں رہتے ہیں۔

ہوں میں وہ دیوانہ کہ بہار آنے سے پہلے ۔ زنجیر میں رکھتے ہیں معین مجھ کو جکڑ کر

معروف :-

الٰہی بخش خاں نام۔ آپ کے بڑے بھائی امین فخر الدولہ نواب احمد بخش خان بہادر فرزند اکبر مرزا عارف جان۔ برادر شرف الدولہ قاسم جان، جو عہد ذوالفقار الدولہ نواب نجف خان بہادر کے امرار سلطنت میں تھے۔

معروف نے درویشوں کی صحبت سے متاثر ہو کر تارک الدنیا ہو گئے۔ شاعری سے بہت زیادہ شغف تھا۔ ۱۲۴۰ھ میں انتقال کیا، آپ کے دو دیوان ہیں، جن کے اندر اکثر رنگین خیالی، دل نشیں مضامین موجود ہیں۔ دیوان اول سے یہ انتخاب کیا جا سکا۔

اعدتو باتیں بری چھٹ گئیں سب جیتے جی ۔ آنکھ منہ سے پر نہ چھٹا ایک مگر دیکھنا

کی وصیت یہ کچھ ارمان بھری آہ کہ رات ۔ سارے گھر کو ترے بیمار نے سونے نہ دیا

غیر رہتے ہیں مری حالت پہ وہ تو یار تھا ۔ دیکھ کر کر کہتا نہ آیا میرے گھر اچھا ہوا

آہ وہ کون تھا خدا مارا ۔ جس نے اس سے مجھے لگا مارا

اس حوصلۂ زلف پریشاں کا ہوں عاشق
عشاق کا دل حال پریشان میں رکھنا

تھا شب وعدہ یہ احوال بہک کھٹکے پر
چونک پڑتا تھا کہ اب کے وہ مقرر آیا

چشم تر سے گرچہ آخر گاں پہ پانی پھر گیا
اس پہ بھی تو نوح کے طوفاں پہ پانی پھر گیا

کر دیا تھا اس کے حسن حیرت افزا نے یہ رنگ
بزم میں تصویر گویا میری جا تھی میں نہ تھا

کہتا ہے جب وہ ہنس کر یہی گریہ اختیاری
آتا ہے اور مجھ کو بے اختیار رونا

ہم سے کیا جان کے یوں جان فرشتے لے جائیں
جب تلک بن کے نہ آئیں وہ اسی کی صورت

باغ ہستی میں کھلا گل یہ نیا میرے بعد
غیر سے وہ مرے پھولوں میں ملا میرے بعد

سینۂ پر داغ کی دولت لیے جائیں گے ساتھ
مثل قاروں کچھ نہیں جائیں گے ہم یاں چھوڑ کر

بچے کیا طائر دل ایسے صیاد ستمگر سے
جو ازنی صید کی خاطر بچھائے دام سو سو کوس

کعبہ میں مے پیا کیے ہیں یار
مسجد و خانقاہ ایک طرف

بات کا اپنی واں نباہ نہیں
دوستی کا نباہ ایک طرف

اس کے جانے کی اگر کچھ بھی خبر رکھتے ہم
ایسے دیوانے نہ تھے گھر میں جو در رکھتے ہم

اٹھے جہاں سے ہم آتے ہیں ان کی اے معروف
غرض کہ ختم ہے بس اس سے اب سوا تعظیم

کہا جو میں نے کہ اس ناتواں کا سینے حال
کہا کہ حال سنا دے وہ ناتوان نہیں

سو گئے جو اس کے ہم دیوار کے سائے تلے
ہم کو اس تقصیر پر اس نے بٹھایا دھوپ میں

وضو کو مانگ کے پانی خجل نہ کر معروف
یہ مفلسی ہے تیمم کو گھر میں خاک نہیں

نہ تو سو جھے ہے نہ انکار کیا جاتا ہے
رگ جاں ہے کہ مگر کچھ ہمیں معلوم نہیں

کہے ہے مجھ سے کوئی تجھ کو یاد آیا ہے
کروں ذرا جو نہ اس بدگمان سے باتیں

یہ اوج خاک نشینی میں عشق نے بخشا
کرے ہے آہ مری آسمان سے باتیں

ڈبو دیا مجھے اس چشم تر کو کیا کوسوں
جلا دیا مجھے سوز جگر کو کیا کوسوں

دیا ہے اپنے سے ظالم کو اس نے دل معروف
اب اور اس بت بیداد گر کو کیا کوسوں

آپ جس وقت رقیبوں کی قسم کھاتے ہیں
ہم رقیبوں کے نصیبوں کی قسم کھاتے ہیں

اپنی آنکھیں باندھ تا آئے نہ تجھ کو مجھ پہ رحم
میری آنکھیں کس لیے باندھے ہے اسے جلاد تو

مے پینے سے تو ہر چند نباہی توبہ
پیر مغاں سے یہ خجل ہوں کہ الٰہی توبہ

کیسی بے رحمی خدا نے اس کے جی میں ڈال دی
بات رونے کی مری سن کر ہنسی میں ڈال دی

دیکھ کر رفتار اس خوش قد کی کہتی ہے نسیم
جان یہ کس نے تن سرو سہی میں ڈال دی

جواب خط نہیں دیتا نہ دے جواب تو دے
کہ قاصد آ کے جو کچھ دے خبر شتاب تو دے

درد سر ہی ہو کسے صندل لگانے کا دماغ
اس کا اک گھسنا لگانا درد سر یہ بھی تو ہے

کچھ تو سمجھ لیا ہے جو اس کو دیا ہے دل
کیوں ناصحا عبث ہمیں سمجھائے جاتے ہیں

تو ایک مجھ سے کاش دغا کر کہ بعد ازیں
مقدور کیا جو کوئی تجھے بے وفا کہے

لاغر ہوں یہ کہ سب اسے باریک بیں کہیں
گر میرے دست و پا کو کوئی دست و پا کہے

دیکھی جو سب نے شدت واں بھی مری بکا کی
کیا کیا ہنسی ہوئی ہے دیوار قہقہا کی

عمر آخر ہو چکی قاتل نہیں ملتا کوئی
کاش ڈالوں جی میں ہے اپنا گلا تلوار سے

واں زخم جگر پر بھی ترحم نہیں کرتے
کیا فائدہ پھاڑا جو گریبان کسی نے

صید شاہین کی طرح ہوں میں اسیر الفت
ذبح کرتا ہے مجھے جو کہ چھڑاتا ہے مجھے

کس سے فریاد یہ میں جا کے کروں مثل سپند
خوب رو جو ہے جہاں میں سو جلاتا ہے مجھے

گریہ و آہ و فغاں سے ایک دم فرصت نہیں
ہم سمجھتے تھے محبت کام بیکاروں کا ہے

ہائے اس شوخ کا یوں روٹھ کے جانا معروف
اور یہ کہنا کہ ہمیں اب نہ منائے کوئی

میرے مرنے سے موئی اس پہ خلق
میں نہ مرتا تو نہ مرتا کوئی

ہم تو جھوٹے ہیں محبت بس مگر
امتحاں بھی نہیں کرتا کوئی

خرق عادت اپنے دیوانے کی دیکھ
جس طرف کو وہ چلے پتھر چلے

بعد مرنے کے ملی میری سیہ بختی کی داد
نعش کے ہمراہ تھا وہ موئے سر کھولے ہوئے

دم بدم پاؤں سے تو ہم کو نہ ٹھکرا چل جا — خیر ہم دیکھ چکے خندق پا اچھی ہے

کس کی چشم سرگیں نے بے اجل مارا مجھے — سر پہ میرے جو قضا آئی تو شرمائی ہوئی

معروف اب تو دیکھتے ہو تم ہمیں غریب — ٹک منہ لگا کے یار تو پھر ہم کو دیکھیے

دور جو بزم میں وہ آن کے بیٹھے ہم سے — کیا ہی پچتائے کہ آگے سے وہیں کیوں نہ ہوئے

روٹھنے کو تو چلے روٹھ کے ہم واں سے ولے — مڑ کے تکتے تھے کہ اب کوئی منا کر لے جائے

ناتواں مجھ سے کو کس طرح کرے قاتل دو — ہوں میں وہ جزو کہ جو لایتجزیٰ ہو وے

اس بڑھاپے میں بھی کم ہو ویں گے لہری ہم سے — سبز رنگوں سے چھنا کرتی ہے گہری ہم سے

مغل:۔

مغل علی خلف محمد عسکری کشمیری الاصل جن کا شعر ہے:۔

خورشید جو نکلا ہے اس وقت یہ لرزاں ہو — کوٹھے پہ کھڑا شاید وہ ماہ لقا ہو گا

مغموم:۔

میر مشیت علی نام، حکیم عزت اللہ خاں عشق کے شاگرد تھے:

خیال چشم میگوں میں قدم مستانہ رکھتے ہیں — وہ لیتے ہیں ہمارا نام جو دیوانہ رکھتے ہیں

مفتوں

مرزا کریم بخش گورگانی کا تخلص ہے۔ آپ کا شعر ہے:

مفتوں خمار بادۂ شب ہو تو پھر پیو — اک جام جا کے ساقی پیماں شکن کے پاس

مفلس:۔

محب علی کا تخلص ہے، جس سے حال بھی عیاں ہے۔ رام پور میں عطر فروشی کرتے تھے شعر ہے

آؤں تو لاکھ بار، پہ درباں ترے کہیں | مفلس مجھے سمجھ کے نہ بے آبرو کریں

مقبولؔ :

مقبول بنی فرزند انعام اللہ خاں یقین کا تخلص، اس شہر جنت مثال کے ساکن، اور ثناء اللہ خاں فراق کے شاگرد ہیں۔

دل گرفتاری کو اس زلف کی کب چاہے تھا | عشق نے ڈالی ہے یہ پاؤں میں زنجیر بہ زور

مقتولؔ :۔

ابراہیم بیگ اصفہانی الاصل دہلوی المولد کا تخلص ہے، غلام ہمدانی مصحفی سے فن شاعری سیکھا

میں یہاں خوں رو رہا ہوں ہاتھوں سے ان کے | جو پاؤں میں اس کے حنا باندھتے ہیں

مقصودؔ :۔

لکھنؤ کا ایک بازاری شخص ہے، اس کا کلام اس قابل تو نہیں کہ ان صفحات میں جگہ پائے مگر چونکہ دوسروں نے لکھا ہے اس لیے لکھنا پڑا۔

بوسہ لینے پہ خفا ہوتے ہو کیوں مشفق پر | بوسہ وہ شے ہے کہ دونوں کو مزا دیتا ہے

ملالؔ :۔

ساکن لکھنؤ، کا شعر ہے۔

موت آئی نہ سر شام جدائی مجھ کو | سخت جانی نے عجب رات دکھائی مجھ کو

ملولؔ :۔

شاہ شرف الدین کا تخلص ہے، آپ درویشوں میں سے ہیں

تری جدائی نے یاں تک ہمیں ملول کیا — کہ زندگی کے عوض مرگ کو قبول کیا

مملو :-

صفحۂ ذہن مؤلف کا نقش احوال سے خالی ہے :

سرو سا قدِ گل سا چہرہ جب دکھایا آپ نے — قمری و بلبل کو آپس میں لڑایا آپ نے
مصحف رخسار پر رکھتی قدم ہے بار بار — زلف کافر کو عبث سر پہ چڑھایا آپ نے

ممتاز :-

فیض آباد کے رہنے والے ، اور سودا کے شاگرد تھے :

ہمارے رونے سے دل کا غبار اٹھتا ہے — کہ جیسے پانی کے چھڑکے غبار اٹھتا ہے

ممنون :-

میر امانت علی صاحبان عظیم آباد سے ہیں۔ تعلیم حاصل کرنے دہلی آئے تھے مشاعروں میں شرکت کرتے ، اور میر فرزند علی موزوں سے استفادہ کرتے تھے ،

اے وائے کر تیرے لیے اس خاک نشیں کو — جوں باد لیے پھرتی ہے گھر گھر تپش دل

ممنون :-

خلاصہ دودمان سیادت ، نظام الدین ، قمرالدین منت کے بڑے فرزند ہیں ۔ اصل میں سونی پت نواح دہلی کے رہنے والے ہیں ۔ اسی شہر مبارک بنیاد میں پیدا ہوئے اور یہیں اپنے والد بزرگوار سے تعلیم و تربیت حاصل کی ۔ ایک مدت تک لکھنؤ میں رہے مدت دراز تک حضور والا کے زمرۂ شعرا میں رہے اور دربار خلافت سے "فخر الشعراء" کا

لقب پایا، اب کچھ دنوں سے کوہستان اجمیر میں ہیں

طرز کلام دل چسپ و دل نشین، نمکینی کلام بہت شیریں، مضامین بیگانہ کے نظم کرنے میں یگانہ ہیں، فکر صحیح غلطیوں سے پاک، اکثر اصناف سخن میں استادانہ کمال ہے دیوان نظر سے گذرا ہے جس کا انتخاب درج ذیل ہے :۔

برا انیسے مت مرنے دیکھنے سے
تمھیں حق نے ایسا بنایا تو دیکھا

اڑے ہے شور محشر گرد ہو یاں ایک جنبش میں
کیا تو نے غبار اے چرخ ہم کو کس کے دامن کا

قربان ناز نعش مری دیکھ کر کہا
گردن پہ کس کے خون ہے اس بے گناہ کا

ہاتھ میں جنبش محمل کی عناں ہے اپنے
ورنہ یاں کس کو سر آبلہ فرسائی تھا

غموں کی گر یہی بالیدگی ہے تو آخر
دل گرفتہ نہیں سینے میں سمانے کا

صبح تک کیا کیا نہ مجھ کو تھیں سماجت ہائے شوق
رات رکھ کر روبرو صفحہ تری تصویر کا

لے لیا بوسہ تو اس نے دیں نہ کیا کیا گالیاں
یاں گنہ سے بھی زیادہ ہے مزا تقدیر کا

بیتابی دل تیرے شہیدوں کی کہاں جائے
کچھ کم رگ بسمل سے نہیں تار کفن کا

رواں ہے خون چپ و راست دونوں آنکھوں سے
جگر کا فکر جدا سوچ ہے جدا دل کا

بہ خدا بندے کا وہ ہی خط آزادی ہے
نامہ اغیار کو گر آپ کے رقم کیجے گا

بدگمانی سے ڈرا ورنہ لیا تیرا جو نام
دیکھتا ایسے کی خاطر میں لب والہ تھا

ممنون قضا نے ہم کو دیا کیا بغیر دل
سودہ بھی نذر کاہش و تشویش ہو گیا

کس نے تورے سینے سے ملی دیدۂ تر رات
پژمردہ جو پھولوں کا سحر ہار نہ پایا

کیا سینۂ فرہاد نہ تھا تیشۂ فولاد
یوں نقش جو شیریں کا سر سنگ دکھایا

کس قدر شرح گرانباری غم لکھے تھے
کہ مرے نامے نے بازوئے کبوتر توڑا

ہائے ری بیکسئ دامن و بے یارئ جیب
کہ مرا دست جنوں بستۂ زنجیر رہا

لڑتی تھی بہم آنکھ سماسیر میں دل مفت
سمجھا تھا لڑائی کو یہ نادان تماشا

یہ سانس سے میلا ہو وہ آہو سے نہ ہو نرم — تن آئینہ ہے دل ہے مری جان کا لوہا

ہیں رواں ناقہ کے دنبال ہزاروں بے تاب — دیکھیو پردۂ محمل نہ اٹھانا اپنا

کچھ چاندنی سی ہے در و دیوار پر مگر — تھاں قریب خانہ کوئی ماہر و ہوا

تصورِ شبِ ترا تا صبح کس کس طرح یاں باندھا — کبھی کھولی قبا گہہ طرۂ عنبر فشاں باندھا

ہاتھ سے تیرے یہ احوال ہے دلبر اپنا — دل نہیں ہاتھ میں اور ہاتھ ہے دل پر اپنا

اے فوجِ چاک اب سرِ تاراج کس لیے — تختہ تباہ تو مرے داماں کا ہو چکا

شغلِ شبِ فراق یہی تھا کہ دھیان میں — اک اک شکن گنا تری زلفِ دراز کا

دل میں جو جو ہے نکالیں وہ خدا بول کے خوب — آج اس شوخ سے لڑ لیجیے دل کھول کے خوب

یوں کریں چارۂ بیماریٔ اغیار وہ لب — یہ مرے درد کی ہوتی ہے دوا یا قسمت

آمدے تری ہم پہ جو ہونی تھی سو ہو لے — اب نہ غدغۂ حشر نہ پروائے قیامت

نہیں دیتی دکھائی صورتِ زیست — غضب صورت ہوں آیا دیکھ کر آج

ہیں نثار اس شوخ کے اپنی بلائیں آپ لیں — آئینے میں زلف چھوٹی اپنے منہ پر دیکھ کر

یہ نہ جانا تھا کہ اس محفل میں دل رہ جائے گا — ہم یہ سمجھے تھے چلے آئیں گے دم بھر دیکھ کر

توسنِ ناز کریوں رخصتِ جولاں کب تک — کیا ترے زعم میں باقی ہے مری خاک ہنوز

خط پارہ پارہ کر کے دیا پھیر دیکھ لطف — میرے جواب خط میں ہیں بھیجے ہزار خط

شاید کہ جاتے طول سے واں خود بخود پہنچ — تحریر کیجیے جو بقدرِ اختصار خط

قاتل ہی وہ نہ ہووے جو مجنوں کی نعش پہ — کہتا تھا کہ اک جوان بہت بار بار حیف

خط نہیں جا چکا کہ گھبرایا — پھر رہا ہوں جو آپ کا مشتاق

یوں تو وہ ہے فرشتہ خو لیکن — ہے ذرا آدمی کشی کا شوق

مدت ہوئی کہ عزفے سے جھکے تھے وہ عذار — کوندے ہے برق سی طرفِ بام اب تک

اس برگ پر حیات فدا ہے کہ اس نے آج — بدمی لکھا اپنی خاک پہ میرے چھڑائے گل

تپش دل نے نہ چھوڑا کہ کبھی ہم اک بار
لائیں تسکیں کے لیے لب پہ ترا نام تمام

ہیں اس سخن کے تصدق وہ دیکھ آئینہ
یہ مجھ سے پوچھے ہے کیوں کیسے طرحدار ہیں ہم

جلاد کی یاں جنبش ساعد پہ نظر تھی
کچھ ذبح کی ایذا دم بسمل نہیں معلوم

اس ذوق سے سکتے ہیں حدیث لب شیریں
گویا ترے ہونٹوں ہی سے لیتے ہیں مزا ہم

پوچھیں گے گر آرزو دم ذبح
جلاد ہی کو بتائیں گے ہم

یہ کہاں نصیب کہ آئے تو یہ خیال اپنیں ہو نہ ہو
ترا نقشہ کھینچ کے رو بہ رو گلہ شکوہ دو دو پہر کریں

شب وعدہ چشم بہ راہ پر جو ذرا بھی کھٹکے کسی کا در
تو صدائے پا تری جان کر کہوں اب تلک بھی کدھر کہاں

درد دل تجھ سے سنا جائے ولیکن ظالم
ہم سے یہ قصۂ جاں سوز کہا جائے کہاں

بزم عشرت میں ہنسوں کیا کہ یہ رنگ مینا
بند منہ کرتے ہیں گر خندہ کبھو کرتے ہیں

ترے غم نے یاں تنگ کیا ہے مزا
کہ جینا بھی اپنا نہ بھایا ہمیں

ہلتے ہی ہنستے مل گئی بسمل کی آرزو
تھی خوں بہا میں خندۂ قاتل کی آرزو

یوں رشک کے کم ہو رہاں رنگ حنا ہو
ہاتھ اس نے کسی دیدۂ تر پہ نہ دھرا ہو

اس مرگ پہ سو جاں مری صدقے کہ دم نزع
گھبرا کے کہے تو کہ بس اب دیکھیے کیا ہو

آہ خلوت میں جو تنہا کبھی پاؤں تجھ کو
جس لیے تجھ کو بنایا ہے دکھاؤں تجھ کو

کہیں جانا ہے تو جا جیک کہ اگر جان بھی جائے
نہ بلاؤں نہ بلاؤں نہ بلاؤں تجھ کو

باؤلا پن ہی تصور میں ترے مجنوں کو
تو اگر آئے تو اک سیر دکھاؤں تجھ کو

شب ہم کو کشت و خون رہا فوج غم کے ساتھ
سو حسرتیں شہید ہوئیں اپنے دم کے ساتھ

کون آتا ہے کہ سینے میں بیدار ہو گئیں
صد آرزوئے خفتہ صدائے قدم کے ساتھ

مکتب میں بھی سبق تھا الف لام میم کا
طفلی ہی سے ہوا ہوں میں خوگر الم کے ساتھ

پاؤں مجنوں نے نکالے ہیں بہت دیکھو تو
ہیں بھی اس شہر میں زنجیر بنانے والے

کس بت ہرجائی سے جا کر لگا کر ہاتھ آئے
دل کے سو ٹکڑے کروں اس کی یہی تقدیر ہے

غیر کو دے مے لعلیں مجھے چتون میں کہے
تو خدا رشک سے خون دل بیتاب تو پی

اضطراب دل ذرا فرصت کہ بوسے لوں کئی
پھر لب معشوق سینے میں کسی کا تیر ہے

دل گرمیاں وہ ہم سے کہاں اب کہ آج کل
ہنگامۂ محبت اغیار گرم ہے

مہربانی کے تصدق لگ کے سینے سے مرے
یوں لگا کہنے کہ منّوں آرزو کچھ اور ہے

رکھو دیجے تلق میں دم تیغ پہ یہ دل
لیکن خیال بوسۂ ابرو نہ کیجیے

مجلس میں تیری اور سے آنکھیں لڑا لیجے
کچھ پاس جنگ نرگس جادو نہ کیجیے

الجھیں صبا سے شانہ سے یا لپٹیں بار بار
بالوں کا تیری شکوہ سر مو نہ کیجیے

بس حنا زور آزمائی ہو چکی
دلبروں سے ہاتھا پائی ہو چکی

رات تھوڑی حسرتیں دل میں بہت
صلح کیجیے بس لڑائی ہو چکی

تفاوت قامت یار و قیامت میں ہے کیا منّوں
وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے

رخصت کے وقت ہوں ترے گریاں کہ آدمی
رو دے ہے اس گھڑی کہ نہ جس وقت بس چلے

جگر کے دود سے رنگیں نشان آہ لیے
دل شہید کے غم میں علم سیاہ کیے

دامن ہی جھٹکنے کا ہو وسواس کئی روز
گا ہے غلطی سے جو مری خاک پہ آئے

ہیں نامہ و پیغام سے گذرا کہیں یارب
کچھ قاصد بے چارہ کی اپنے خبر آئے

اس دست حنائی سے آنسو جو مرے پونچھے
حسرت سے لہو ٹپکا دو چار کی آنکھوں سے

ہوتی ہے پھر اغیار سے صحبت کی دوستی
تھے عہد ہی عاشق غمناک سے باندھے

اللہ رے فرط شوق جو اک دم ہو تو یہاں
بے طاقتی جھکائے ہے کس کس کا گھر تجھے

کون وہ چاندنی میں عطر لگا کر بیٹھا
آج کچھ چادر مہتاب میں خوشبو سی ہے

منیر:

نام وجیہ الدین۔ شاہ نصیر کے بیٹے تھے۔ اچھی طبیعت پائی تھی۔ لیکن بے علمی کی وجہ

سے پختہ کاروں کے طریقہ پر نہ تھے۔ علم کو وہ اس فن شعر کے لیے ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ عین عالم شباب میں انتقال کیا۔ ان کا کلام :۔

فرہاد سے کہتی تھی تیشے کی زباں ہر دم ۔۔۔ مغموم نہ ہو ناداں سنگ آمد و سخت آمد

اس باغ صباں میں کبھی پھولے نہ پھلے ہم ۔۔۔ جوں نخل چنار اپنی ہی آتش میں جلے ہم

بیان جور خوباں کل ترا بیمار غم سن کر ۔۔۔ یہ کہہ کر مر گیا اک آہ پھر ایسے نہ ہوتے تھے

خوں کی دھاریں یہ چھٹیں دل سے دل افگاروں کی ۔۔۔ رو نگٹے تن کے کھڑے ہو گئے فواروں کے

غضب چہرہ پایا ستم آن پائی ۔۔۔ تجھے پائے تصویر کیا جان پائی

منیر :۔

نام خواجہ آفتاب خاں۔ سعادت یار خاں کے شاگرد ہیں۔ ان کا شعر ہے :۔

جی چاہتا ہے زلف کا تیری بیاں کریں ۔۔۔ شانے کے دانت توڑ کے اپنی زباں کریں

منشی :۔

نام میر محمد حسین۔ والد کا نام سید ابوالحسن تھا۔ یہ میر کلن کے نام سے مشہور تھے۔ یہ اپنے حسن خط کے لیے اس شہر میں بہت ممتاز تھے۔ اصل وطن ملک ایران تھا۔ ان کے بزرگوں نے اس شہر میں سکونت اختیار کی۔ آخر میں وہ لکھنؤ چلے گئے تھے۔ اور مرزا سلیمان شکوہ بہادر کے یہاں انشاپردازی کی خدمت پر مامور ہوئے۔ صحبت کے تقاضے سے شعر کہتے تھے اور اسی تقریب سے اپنا تخلص "منشی" رکھا تھا۔ یہ بھی خط کی عمدگی کے لیے مشہور تھے۔ اور خط بہت اچھا تھا۔ ان کا کلام ہے :۔

نہ پوچھو اس پری کے حسن کا عالم کہ آفت ہے ۔۔۔ بلا خوش شی غضب رفتار قامت اک قیامت ہے

جو پوچھا اس سے لوگوں نے کہ منشی کون ہے بولے ۔۔۔ مجھے کچھ یوں ہی اس سے دور کی صاحب سلامت ہے

منشی:۔

نام مول چند۔ قوم کے کائستھ اور دہلی کے رہنے والے ہیں۔ شاہ نامہ کے قصوں کو انھوں نے اردو میں نظم کیا۔ ان کا کلام ہے:۔

چشم ہے قہر بلا زلف قیامت قامت ۔۔۔ اس لیے لوگ تمھیں آفت جاں کہتے ہیں

منتظر:۔

نام نور الاسلام۔ اپنے بزرگوں کی روش پر ان کی نظر صدق و صلاح پر رہتی ہے۔ کسی قدر صرف و نحو سے واقف ہیں۔ مصحفی کے شاگرد ہیں ان کا کلام ہے:۔

ہر دم خیال یار جو پیش نظر رہا ۔۔۔ ہجراں میں بھی وصال ہمیں بیشتر رہا

کل شب وصل جو تھی کیسی مچائی تھی دھوم ۔۔۔ بولتا آج نہیں مرغ سحر آخر شب

ہوئی تھی جامۂ یوسف کی بو گم ۔۔۔ سو پائی تیرے پیراہن کے اندر

چاہت مرے دل کی آزما دیکھ ۔۔۔ ظالم کہیں تو بھی دل لگا دیکھ

طرف چمن نہ جا نہ سوئے لالہ زار دیکھ ۔۔۔ تو آپ باغ حسن سے اپنے بہار دیکھ

دولت حسن ہے جب پاس یہ اس سے ہے سوال ۔۔۔ کچھ نہ لے اور نہ دے پر ہمیں نوکر سمجھے

کچھ نہ پایا جب نثار عید قرباں کے لیے ۔۔۔ لے چلے ہم جاں بکف تب نذر جاناں کے لیے

مارا ہے کوہکن نے سر اپنے پہ تیشہ ہائے ۔۔۔ دل کو لگی جو چوٹ تو کیا آدمی کرے

کیوں سیر لالہ زار کو اس بن گیا میں ہائے ۔۔۔ جو تازہ ہو گئے مرے داغ کہن کئی

ہمارے جی میں تو ہے زہر کھا کے سو رہیے ۔۔۔ ولے یہ ڈر ہے نہ تہمت ہو یار پر اپنے

منتظر:۔

نام شیخ امام الدین۔ اکبر آباد کے رہنے والے ہیں۔ ان کا شعر ہے:۔

جس گھڑی یار گلستاں کی طرف جاتا ہے ہاتھ ہر گل کا گریباں کی طرف جاتا ہے

منعم :-

نام قاضی نور الحق۔ بریلی کے عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ اعظم الدولہ نے ان کے بہت سے اوصاف تحریر کیے ہیں۔ فارسی کے مسلم شعرا میں ان کو شمار کیا ہے۔ اور ان کے علمی مراتب کی بلندی کا اعتراف کیا ہے۔ ان کو اردو شاعری کی طرف رغبت نہ تھی لیکن یہ مطلع انھوں نے کہا ہے اور اعظم الدولہ کے تذکرے سے میں نے نقل کیا ہے :۔

وہ نوک مژہ جیسی مرے دل میں گڑی ہے ایسی تو کھٹکتی ہے کہ جینے کی پڑی ہے

منعم :-

نام مومن لال۔ شاہ نصیر کے تربیت یافتہ ہیں۔ ان کا کلام ہے :۔

کہیں آیا ہے ولا آج قد یار نظر کچھ قیامت کے سے آتے ہیں جو آثار نظر
وہاں اشارۂ ابرو مطلع ہلالی ہے ہے یہ آہ کا مصرع مقطع فغانی ہے

منصف :-

نام منصف علی خاں۔ قوم افغان۔ نظام خان المتخلص بہ معجز کے شاگردوں میں سے تھے۔ اپنے اصلی وطن عظیم آباد سے منتقل ہو کر دہلی آئے۔ ابھی چند سال ہوئے کہ یہیں وفات پائی۔ تنگیٔ معاش کی وجہ سے بچوں کو تعلیم دے کر زندگی بسر کرتے تھے۔ فارسی کی مشہور کتابوں کے پڑھانے کا خاص سلیقہ رکھتے تھے۔ اور نکات کی تحقیق میں اور کلام کی باریکیوں کے حل کرنے میں ان کو بہت دلچسپی تھی۔ اسی بنا پر اساتذہ ان کے پاس آیا کرتے تھے۔ شاعری میں مہارت نہ تھی۔ مجھ کو بھی ان سے ملاقات کا موقع ملا ہے۔ ان کا کلام ہے۔

گر عشق تمرایہ ہے تو پھر دست جنوں سے	داماں رہے گا نہ گریبان رہے گا
خیال جائے ترا کیونکہ میرے سینے سے	جدا ہوا ہے کہیں نقش بھی نگینے سے

منت :-

نام میر قمرالدین۔ اصل وطن مشہد مقدس ہے اور اصل نسل کے سید ہیں۔ خود ان کی ولادت قصبہ سونی پت میں ہوئی اور جہان آباد دہلی میں نشوونما پائی۔ علمی فنون حاصل کرنے کے بعد انھوں نے مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی۔ جب وہ جہان آباد میں تھے۔ تو ان کے عادات وغیرہ اہل سنت کے تھے۔ جب لکھنؤ گئے تو مذہب امامیہ کا طریقہ اختیار کیا۔ وہاں کے دولت مند لوگوں کی شان میں قصائد کہے اور انعامات حاصل کیے۔ کلکتہ گئے اور وہاں کے ناظم سے جس کو گورنر جنرل کہتے ہیں۔ ملک الشعرا کا خطاب پایا۔ حیدرآباد بھی گئے وہاں نواب اور نظام الملک کے پیش گاہ سے قصیدہ کے صلہ میں دس ہزار نقد و جنس کی صورت میں وصول کیے۔ دور و دراز کے سفر کے بعد پھر لکھنؤ واپس آئے اور راجہ ٹکیت رائے کے مصاحب ہو گئے۔ انچاس برس کی عمر میں عرض حال کی ایک تقریب کے سلسلے میں کلکتے گئے ہوئے تھے اور وہیں ۱۲۰۸ھ میں فوت ہوئے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ منت لکھنؤ میں مرے وہ غلطی پر ہیں۔ فارسی زبان میں نظم کرنے کی قوت و قدرت رکھتے تھے۔ ان کے خیالات ایک لاکھ پچاس ہزار اشعار میں منتشر ہیں۔ ان کی ایک مثنوی ہے جس کا نام چمنستان ہے، دو تین شعر نقل کیے جاتے ہیں۔ اس مثنوی میں انھوں نے اپنی تصنیفات کی شرح کی ہے

ابیات وریں عمر در مثنوی گفتہ ام	بہ آئین و طرز نوی گفتہ ام
چو اشعار من در عدد میرسد	شمار قصائد بصد میرسد
بود شعر من در غزل سی ہزار	ز پانصد رباعی گرفتم شمار

نثر میں ان کی کتاب جس کا شکرستاں ہے، ان کی یادگار ہے۔ اس کتاب کو بزعم خود

سعدیؔ کے جواب میں لکھا ہے۔ کبھی کبھی اردو میں بھی شعر کہتے تھے۔ ان کا کلام ہے:۔

اس آنے کا کچھ بے لطف پیارے — ہر دم جو کھو جائیں گے ہم
گر اس بت جاں بخش کی میں بات سناؤں — عیسیٰ بھی جو کچھ بولے تو صلوٰۃ سناؤں
قدم رکھ گیا کون سینے پہ اپنے — گل داغ میں آج مہندی کی بو ہے
مدعی اس سے سخن ساز یہ سالوسی ہے — پھر تمنا کہ یہاں مژدۂ پا بوسی ہے
تہمت عشق عبث کرتے ہیں مجھ کو منت — ہاں یہ سچ ہے کہ خوبوں سے تو اک خو ہی ہے

موزوںؔ:۔

نام میر فرزند علی۔ سامانہ کے رہنے والے اور شمس الدین فقیرؔ کے شاگردوں میں سے تھے۔ طبیعت موزوں پائی تھی۔ تاریخ گوئی میں بھی دخل تھا۔ لکھنؤ گئے اور وہاں کا رنگ اختیار کیا۔ اُن کا کلام ہے:۔

ہے محو آئینہ ساں سارا جہان تیرا — منہ دیکھے کیوں نہ ہر اک اے مری جان تیرا
شمع ہر بزم نہ ہونا ہرگز — دل جلوں کا بھی کہا کیجے گا
اپنے کوچے کو غبار بست کیا — یہ نہ جانا برہنہ پا ہیں ہم
سینہ و دل کو میں کرتا ہوں کدورت سے صاف — کس کی آمد ہے الٰہی کہ یہ گھر جھڑتے ہیں
نرگس کا پھول بھیجے نامے میں یار کو — معلوم تا کرے وہ مرے انتظار کو
وابستہ محبت تھی پیماں کی دوستی پر — دل ٹوٹ گیا میرا تم عہد شکن نکلے
پھول جھڑتے ہیں ترے منہ سے مری آنکھوں سے — حسن اور عشق کی کیا خوب گل افشانی ہے

موزوںؔ

چھتر سنگھ نام۔ دہلی کے کائستھوں میں سے ہیں۔ اپنے کو مادھورام کا پوتا بتلاتے ہیں

جن کی انشاء، بچوں کا کھلونا ہے۔ ان کا شعر ہے:۔

بیت ابرو کو تری دیکھ کے اٹھ مطلع حسن　　　جو ترے کوچے سے نکلا سو غزل خواں نکلا

موج:۔

نام خدا بخش۔ مشہور گدیوں میں سے تھے۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے۔ اپنے فن کا کافی سامان رکھتے تھے۔ زیادہ تر دہلی میں رہتے تھے۔ اکثر میرے پاس آتے تھے۔ اچھی صحبت پائی اور طبیعت میں ظرافت تھی۔ چند سال ہوئے کہ لکھنؤ میں وفات پائی۔ طبیعت موزوں پائی تھی۔ کبھی کبھی فکر شعر کرتے تھے۔ ان کا شعر ہے:۔

لاکھوں لٹوائیے سر آن میں ہنستے ہنستے　　　اے مری جان کوئی تو تو تماشا نکلا

مونس:۔

نام حکیم سعادت علی۔ بنارس کے رہنے والے، سادات کرام میں سے ہیں۔ معقول انسان ہیں۔ طبیعت میں لطافت، ظرافت اور خوش مزاجی ہے۔ جب بلند شہر گیا تو مجھ سے ملاقات ہوئی۔ بلکہ روابط و مراسم قائم ہوئے۔ اچھے طبیب ہیں۔ عرصہ ہوا کبھی کبھی فکر شعر کرتے تھے۔ اب اس طرف مطلق توجہ نہیں ہے۔ باتوں باتوں میں ایک دن اپنے اشعار میں سے کچھ شعر سنائے تھے۔ ان میں سے یہ شعر لکھا گیا:

زباں جوش گریہ ہچکیاں لینے لگا مونس　　　خلل انداز ہے اب نالۂ شبگیر میں آنسو

مومن:۔

خزانۂ سخنوری کے لعل بے بہا، جو دریائے سخن کے ایک گوہر یکتا اور قلمرو سخن کے فرمانروا۔ پایۂ شاعری کو بلند کرنے والے، ساغر صاف سخنوری کو گردش دینے والے، دلکش

و دل پذیر نغمہ سرا، صاحب مرتبہ رفیع تصویر پیارہ معانی، بدیع، آسمان نکتہ شناسی کے سورج، افلاک کے راستوں سے باخبر، شاعر حکمت پرور حکیم سخن گستر فرید عصر و یکتا ئے دوراں ہیں۔ مختلف فنون کے جامع حکیم محمد مومن خان (جنھیں خدا نے مختلف کمالات کو جمع کرنے کی استعداد بخشی ہے، اور ان کے بوستان قلب میں اپنے فیض انوار احسانات کے چشمے رواں کیے) نامی گرامی خاندان سے ہیں۔ ان کے فضائل و اعزازات حد تحریر سے باہر، اور ان کے عظیم مراتب کا شمار امکان قلم فرسائی سے خارج ہے۔ باوجود اس کے یہ رسالہ طول سے شرمسار ہے ورنہ اسی گونگی زبان سے طائر چمن کی نغمہ سرائی کو شکست دے دیتا اور اسی کج مج بیانی سے طوطی خوش نوا کی زبان بندی کر دیتا، ماضی کی وہ داستانیں جو بڑی شان سے آویزۂ گوش عالم ہیں۔ دوستوں کے حافظے سے فراموش ہو جاتیں؛ اگلوں کی وہ حکایتیں جو بڑی شہرت کی وجہ سے اوراق تاریخ عالم میں لکھی گئی ہیں، لوگ انھیں بھولے سے بھی یاد نہ کرتے؛ بہر حال سب نہ سہی کچھ ہی سہی۔ موصوف کے بارے میں کچھ اشارے کرتا ہوں

اگرچہ موصوف کے رنگارنگ کمالات کے پیش نظر شاعری پست تر چیز ہے۔ لیکن چونکہ اسی فن پر گفتگو ہو رہی ہے اس سے چشم پوشی بھی نامناسب ہے: ان کی زبان معجز بیان نے سحر کو معجزہ کر دیا، اور سخن دلپذیر نے طول کو ہم مرتبہ اختصار بنا دیا طبیعت نیساں بار نے وہ گوہر افشانی کی کہ مفلسوں کے جیب و دامن میں جواہرات کی کانیں الٹ دیں؛ اور ان کے خیال بہار نثار کی گل پاشیوں نے مطالعہ کرنے والوں کی نگاہوں کے سامنے چمن چمن جنتیں پیش کر دیں؛ ان کی انفرادیت کے سامنے چاند جو اپنی یکتائی میں مشہور ہے عام ستاروں کی مانند متعدد و مشہور ہو گیا ہے۔ آپ کی شمع فکر کی روشنی سے نامحسوس ذرے خورشید درخشاں کی طرح نظر آتے ہیں۔ زمین کو منور کرنے والے نیّر اعظم کے سامنے ارمنیوں سے کم اور اس فریدوں حشم شہنشاہ کے سامنے خاقانی ایک ادنیٰ خادم یعنی آپ کے دسترخوان نعمت کے وظیفہ خواروں میں سے ہے اور ابو فراس اس کے میدان عزت کے غاشیہ برداروں میں

سے ہے اور یہ سب ہمدانی کے بلند آہنگ دعوے کرنے والے آپ کی بارگاہ میں ہیچمدانی کے نغمے پیش کرتے ہیں اور زبان آور دعویدار آپ کے حضور میں مہر بہ لب اور اظہار لکنت کے لیے زبان کھولتے ہیں۔ ان خوبیوں کے باوجود جب تک کوئی تحریک نہ کرے شعر نہیں کہتے چنانچہ آپ کا اکثر کلام اس خاطی کی خواہش سے معرض وجود میں آیا ہے اور اس کی تدوین بھی فقیر ہی کے ہاتھوں ہوئی۔ دیباچہ بھی میرے قلم کی تحریر ہے۔ جس میں بڑی تفصیل سے اس ماجرے کو بیان کیا ہے:۔

آج کل نظم ریختہ کی طرف بہت کم توجہ ہے اور اگر کبھی کبھی داد سخن سنجی وسحر آفرینی دیتے بھی ہیں تو فارسی زبانوں پر صدہا احسان کرتے ہیں۔ حقیر کے خیال میں جو قوت شاعری میں ان کو حاصل ہے کسی کو کم ہی حاصل ہوئی ہوگی۔ ان کا کلام ہر صنف سخن میں وہ درجہ رکھتا ہے کہ جو دوسروں کو کسی ایک صنف میں بھی میسر نہیں ہوتا۔ باوجود اختلاف زبان کے ان وقتوں زبانوں پر ان کو ایسی قدرت حاصل ہے کہ فارسی والے انھیں اپنا سمجھتے ہیں۔ اور خود ہندوستان والے اس شرف پر نازاں ہیں۔ اور اس پر کیا کیا فخر کرتے ہیں۔

مناجاتیاں مدح خواں من اند   خراباتیاں خود ازاں من اند

تین سو سال قبل ملا ظہوری ترشیزی نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر ان کے لیے کہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس بارے میں ناظرین کے دل میں شبہ گذرے یا اس بیان کو ان کی انتہائی دوستی اور میرے تعلقات پر محمول کریں۔ تو اگر خدا نے ذرا بھی فہم و عقل دی ہے تو انھیں لازم ہے کہ ان کے دیوان کی طرف رجوع کریں اور میری سچائی یا غلط بیانی کے بارہ میں انصاف کریں۔ یوم ولادت سے لے کر اس وقت تک اس محبت کی بنا پر جو ان کو جہان آباد اور اس شہر کے باشندوں سے ہے۔ وہ کہیں نہیں گئے۔ اپنے رنگین مزاج دوستوں اور شیریں دہن شاہدوں کی صحبت میں دن گذارتے ہیں۔ ان کا دیوان مختلف اصناف سخن سے مملو ہے۔ اور اس میں بہت سی مثنویاں ہیں۔ جو سب اپنی اپنی جگہ

سب بے مثل ہیں۔ میں نے ان کا دیوان متعدد مرتبہ دیکھا اور اس میں سے انتخاب کر کے یہ کلام نقل کیا ہے :۔

اس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل — میں کوچہ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

نہ جاؤں گا کبھی جنت میں میں نہ جاؤں گا — اگر نہ ہووے گا نقشہ تمہارے گھر کا سا

یہ ناتواں ہوں کہ ہوں اور نظر نہیں آتا — مرا بھی حال ہوا تیری ہی کمر کا سا

محو مجھ سا دم نظارۂ جاناں ہوگا — آئینہ آئینہ دیکھے گا تو حیراں ہوگا

خواہش مرگ ہو اتنا نہ ستانا ورنہ — دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا

کیا سناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل — تم سے بے رحم پہ مرنے سے تو آساں ہوگا

کیوں کہ امید وفا سے ہو تسلی دل کو — فکر ہے یہ کہ وہ وعدے سے پشیماں ہوگا

درد بے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری — چارہ گر ہم نہیں ہوئیں گے جو درماں ہوگا

ان سے پری وش کو نہ دیکھے کوئی — مجھ کو مری شرم نے رسوا کیا

دعوئ تکلیف سے جلاد نے — روز جزا قتل پھر اپنا کیا

خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب — ہزار شکر کہ اس دم وہ بدگماں نہ ہوا

وصل کی شب شام سے میں سو گیا — جاگنا ہجراں کا بلا ہو گیا

ساتھ نہ چلنے کا بہانہ تو دیکھ — آ کے مری نعش پہ وہ رو گیا

دل لگانے کے تو اٹھائے مزے — جی بلا سے رہا رہا نہ رہا

تو فلک مرگ ہم سے سب غافل — اب کسی کا بھی آسرا نہ رہا

سوئے صحرا لے چلے اس کو سے میری نعش ہائے — تھا یہی ڈر ان دنوں تلوا مرا کھجلا کے تھا

نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا — کہ ہر ہر بات میں ناصح تمہارا نام لیتا تھا

نقد جاں تھا نہ سزائے دیت عاشق حیف — خون فرہاد سر گردن خسرو رہا

چھوٹنا دام شکستہ سے بھی آساں نہیں — میں گرفتار خم گیسوئے صیاد رہا

کشتۂ ناز بتاں راز ازل سے ہوں مجھے
جان کھونے کے لیے اللہ نے پیدا کیا

کیا تم نے قتل جہاں اک نظر میں
کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا

دم حساب رہا روز حشر بھی یہی ذکر
ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا

وہ کرتے ہیں بپا یک عاشق کشی یوں
نہیں کرتی دنیا میں گویا کسی کا

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

نہ ہو مر گئے ہم طول شب ہائے جدائی سے
کہاں تک دیکھیے وہ حسن روز افزوں نہ ٹھہرے گا

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا
میں الزام اس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

روز جزا جو قاتل دلجو خطاب تھا
میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا

مرنے سے شام وعدہ تھکے یہ کہ ہو ہے
آرام شکوۂ ستم اضطراب تھا

وقت وداع بے سبب آزردہ کیوں ہوئے
یوں بھی تو ہجر میں مجھے رنج و عذاب تھا

دیکھا نہ ہے یہ رشک وحسن وہ بلا کہ آج
سنبل کو تیری زلف کا سا پیچ و تاب تھا

ہوں کیوں نہ محو حیرت نیرنگ ہائے شوق
جو دل میں شعلہ تھا وہی آنکھوں میں آب تھا

کیا جی لگا ہے تذکرۂ یار میں عبث
ناصح سے تجھ کو آج تلک اجتناب تھا

خود گلا کاٹ موا جب کہ میں بسمل نہ ہوا
ان کو آساں نہ ہوا جو مجھے مشکل نہ ہوا

کیا گلے ہوتے گر اوروں پہ بھی رحم آ جاتا
شکر صد شکر کہ میرا سا ترا دل نہ ہوا

بے خود تھے اخش تھے محو تھے دنیا کا غم نہ تھا
جینا وصال میں بھی تو مرنے سے کم نہ تھا

موت کے صدقے کہ وہ بے پردہ آئے لاش پر
جو نہ دیکھا تھا تماشا عمر بھر دکھلا دیا

دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا

بد کام کا مآل برا ہے جزا کے دن
حال سپہر تفرقہ انداز دیکھنا

میرے گھر بھی پھرتے چلتے ایک دن آ جائے گا
وہ مبارک باد اب کے یار ہر جائی ملا

واعظ بتوں کو خلد میں لے جائیں گے کہیں ۔۔۔ ہے وعدہ کافروں سے عذاب الیم کا

بوسے دم غضب لیے الٹی سمجھ تو دیکھ ۔۔۔ بل جو پڑا جبیں پہ تمنا کو لب ہوا

بجلی گری فغاں سے مری آسمان پہ ۔۔۔ جو حادثہ کبھی نہ ہوا تھا سو اب ہوا

برمیں عدو کے سوئے بغل سے مرے اٹھے ۔۔۔ وہ کیا کہ سب کو جذبۂ دل سے عجب ہوا

دکھلا رہے گی جلوۂ نزاکت کہ تھے انھیں ۔۔۔ دشوار چاک پردہ حائل کو تھامنا

یہ زلف خم بہ خم نہ ہو کیا تاب غیر ہے ۔۔۔ تیرے جنوں زدے کے سلاسل کو تھامنا

آغوش گور ہو گئے آخر لہو لہان ۔۔۔ آساں نہیں ہے آپ کے بسمل کو تھامنا

دھو دیا اشک ندامت نے گناہوں کو مرے ۔۔۔ تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہو گیا

تھا روز تختیں غم شب ہائے دراز آہ ۔۔۔ طفلی سے ہے اختر شمری مشغلہ اپنا

اس حال کو پہنچے ترے قصے سے کہ اب ہم ۔۔۔ راضی ہیں گر اعدا بھی کریں فیصلہ اپنا

راز نہاں زبان اغیار تک نہ پہنچا ۔۔۔ کیا ایک بھی خط اپنا اغیار تک نہ پہنچا

یہ کاوربا سے بھی ہیں کم اے کشش دل ۔۔۔ مذکور کچھ ایسا پس چلمن ہے ہمارا

آغشتہ بہ خوں دست کو لو پونچھتے ہیں وہ ۔۔۔ اٹھے کف جلاد میں دامن ہے ہمارا

چشمۂ حیواں بنا اس کے لبوں کی شرم سے ۔۔۔ پانی پانی بسکہ اعجاز مسیحا ہو گیا

پھٹ گیا ہو گا دوپٹہ منہ سے سرتے ہیں کہیں ۔۔۔ شب یہاں بہنے کا تیرے سب میں چرچا ہو گیا

یہ کسی سے ہو کہ ان لطفوں پہ گستاخی نہ ہو ۔۔۔ غیر ہم ساکب ہوا ہر چند ہم سا ہو گیا

سرمۂ تسخیر سے ہم خود مسخر کیوں نہ ہوں ۔۔۔ آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہو گیا

تو فلک میں کیا کرے یہ نالۂ آتش فشاں ۔۔۔ ایک دشمن سر سے کھویا اور پیدا ہو گیا

ہجر بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاش زہر ۔۔۔ غم پر حرام خوار توکل نہ ہو سکا

شوخ کہتا ہے بے حیا جانا ۔۔۔ دیکھو دشمن نے تجھ کو کیا جانا

شعلۂ دل کو ناز تابش ہے ۔۔۔ اپنا جلوہ ذرا دکھا جانا

کیا پوچھتا ہے تلخی الفت میں پند گر
ایسی تو لذتیں ہیں کہ تو جان کھا گیا

بوٹے سمن سے شاد تھے اغیار بے تمیز
اس گل کو اعتبار نسیم و صبا گیا

وہ ہنسے سن کے نالۂ بلبل کا
مجھے رونا ہے خندۂ گل کا

جلوہ دکھلائے تا وہ پردہ نشیں
میں نے دعویٰ کیا تحمل کا

آفریں دل میں رہی خنجر دشمن کے سبب
اپنے قاتل سے خفا تھا کہ میں خاموش ہوا

وہ ہے خالی تو یہ خالی یہ بھرے تو وہ بھرے
کاسۂ عمر عدو حلقۂ آغوش ہوا

کیا شاد شاد ہوں کہ وہ ہے تلخ کام تر
میری جو شورشوں نے عدو کو مزا دیا

ہتی نہ دی سزا تہلک آکے اس پہ بھی
سکتے ہیں لوگ خاک میں اس نے ملا دیا

دی تسلی تو وہ ایسی کہ تسلی نہ ہوئی
خواب میں وہ مرے آئے تو مگر آخر شب

سجدے پہ سر قلم ہو دعا پہ زباں کٹے
گویا نہ وہ زمیں ہے نہ وہ آسماں ہے اب

رکھے سر اپنے زانوئے نازک پہ شوق سے
تیرا مریض عشق بہت ناتواں ہے اب

چشم غضب سے شورۂ قتل کھل گیا
جو بات دل میں تھی سو نظر سے عیاں ہے اب

تارے آنکھیں جھپک رہے تھے
تھا بام پہ کون جلوہ گر رات

اس ضعف میں تو سینے سے آتا ہے لب تلک
کہتے ہیں اپنے نالے کو ہم نارسا عبث

اے روز حشر کچھ شب ہجراں بھی کم نہیں
بدنام ہو جہان میں تیری بلا عبث

مانع قتل کیوں ہوا دشمن
جان ہی جائے گی ہماری آج

مومن آلائش محبت ہیں کہ ہے سب جائز
حسرت و حرمت صہبا و مزا میر نہ کھینچ

خور نج رشک غیر کی بھی ہم کو ہو گئی
اب اور کچھ نکالیے آزار کی طرح

مر چکے کہیں کہ تو غم ہجراں سے چھوٹ جائے
کہتے تو ہیں بھلے کی وہ لیکن بری طرح

توبہ کہاں کدورت باطن کی ہوش تھی
غش ہو گیا میں رنگ مے ناب دیکھ کر

شوق وصال دیکھ کہ آیا عدو کے گھر
سوجھا نہ کچھ مجھے شب مہتاب دیکھ کر

زلف مشکیں میں کاہے کو رکھتے کیا خبر تھی انھیں فگار رہے دل
ناتواں تھے پہ نہ چھوڑا مش خار خود الجھ کر رہ گئے دامن میں ہم
جوشش وحشت نے اٹھایا لاش کو اپنے پاؤں سے اٹھے مدفن سے ہم
وصل بتاں کے دن تو نہیں یہ کہ ہو وبال مومن نماز قصر کریں کیوں سفر میں ہم
وہاں چھوٹا گلے لگنا کہ شوق ہمکناری ہیں لگاتے تھے گلے سے غیر کی تصویر اکثر ہم
مجھ سے نہ بولو تم اسے کیا کہتے ہو بھلا انصاف کیجے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم
بیزار جان سے جو نہ ہوتے تو مانگتے شاہد شکایتوں پہ ترے مدعی سے ہم
اس کو میں جا مریں گے مدد اے ہجوم شوق آج اور زور کرتے ہیں بے طاقتی سے ہم
کھا کھا کے زخم سوئے نمک زار پر دریغ کھو بیٹھے اپنی جان تن آسانیوں میں ہم
خنجر تو نہ توڑ سخت جانی پھر کس کو گلے لگائیں گے ہم
گر ہے دل غیر نقش تسخیر تو تیرے لیے جلائیں گے ہم
اگرچہ ہوائے ملک محبت راس نہیں ہے ہم کو تو ہوتے ہیں لاغر اور زیادہ جتنا ہم غم کھاتے ہیں
وہ جفاکش ہیں اے فلک کہ کیا اس ستم گر نے انتخاب ہمیں
اے تپ ہجر دیکھ مومن ہیں ہے حرام آگ کا عذاب ہمیں
لاش پر آنے کی شہرت شب غم دیتے ہیں اے پری ہم ملک الموت کو دم دیتے ہیں
کیا دوا ہے ہو تری رنجش بے جا کا علاج چارہ گر کیوں مجھے یہ رنج بہم دیتے ہیں
کیا پڑی رہتی ہے اے پردہ نشیں ہوں بیمار بد دعائیں تری چلون کو جو ہم دیتے ہیں
خوں بہا قاتل بے درد سے مانگا کس نے کہ فرشتے مجھے یاں داغ ارم دیتے ہیں
دیکھ مضطر کیوں نہ پھیرے دشنہ پھر یار ہے وہ کچھ تماشائی نہیں
بے دعا بھی ہے اثر گویا کہیں عرض عاشق کی پذیرائی نہیں
نہ میں اپنا نہ دل اپنا نہ تم میرے نہ جاں میری اثر کس کس کو ہو اہو رے بھی گر فریاد بیکس میں

ذرا سمجھو تو جان من وصال غیر پر ہر دم
مری جاں کون ہے یہ کس کی جھوٹی کھاتے ہو قسمیں

گر یہی شوق شہادت ہے تو مومن ہی چلے
مار ڈالے کاش کوئی کافر دلجو ہمیں

یار تھے یا دشمن جاں تھے الٰہی چارہ گر
لے چلے مرتے ہی زنداں سے سوئے صحرا ہمیں

اضطراب شوق شاید غیر اس کے پاس ہو
جانب چلون نظارہ دم ہو دم کیوں کر کریں

یہ بے حجابی بری گو مجھی کو جھانکو تم
کہ رد زیر پردۂ حائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

ہے جلوہ ریزہ نور نظر گرد راہ میں
آنکھیں ہیں کس کی فرش تری جلوہ گاہ میں

مت کچھ دیر آنے میں کیا جانے کیا بنے
پھینکا ہے جذب شوق نے یوسف کو چاہ میں

جانے دے چارہ گر شب ہجراں میں مت بلا
وہ کیوں شریک ہوں مرے حال تباہ میں

ظالم وہ بے وفا ہے عدو جس کے رشک سے
اتنا کچھ آگیا خلل اپنے نباہ میں

شیریں پہ طعن تلخی فرہاد کس لیے
مجھ کو بھی کچھ مزا نہ ملا تیری چاہ میں

ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمھاری نگاہ میں

تا نہ پڑے خلل کہیں آپ کے خواب ناز میں
ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شب دراز میں

ان سے اب التفات کی غیر کو ہیں شکایتیں
سن کے مرا مبالغہ منت احتراز میں

منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں

کیا خوش ہوں کوئے غیر میں گر نقش پا نہ ہو
وہ شوخ جانتا ہوں کہ ثابت قدم نہیں

بے التفاتیاں جو عدو سے نہیں نہ تھیں
ہم جانتے تھے وصل میں رنج و الم نہیں

بے رحم پائمال عدو کو کیا کیا
مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

ناصح کہاں تلک تری باتیں اٹھا سکوں
سچ ہے کہ مجھ میں طاقت جور و ستم نہیں

عاشق کشی ہے شیوہ اگر بلہوس سہی
آخر کچھ اپنی جان کے دشمن تو ہم نہیں

دامن قاتل کو وقت قتل کیوں کر چھوڑتا
بیکسی سے جان تھی اپنی کفن کی فکر میں

گر یقینی واں دعا ہوتی ہے اے مومن قبول
جائیں گے کعبہ بھی طفل برہمن کی فکر میں

بس کر بن آئے مر گئے ہم شب انتظار میں
دن جور ہے سے عمر کے جیتے رہے مزار میں

مرگ ہے انتہائے عشق یاں رہی ابتدائے شوق
زندگی اپنی ہو گئی رنجش یار بار میں

تھا قلق بر ہنگی دشمن جاں شب فراق
کاٹ کے اپنے سر کو ہم بھیجتے ہیں کنار میں

اس بت کو ترک دیں سے نہیں مومن اعتماد
کیونکر نہ میں شکایت اغوائے دل کروں

دیکھنا کس حال سے کس حال کو پہنچا دیا
بخت تیرے عاشقوں کے نارسا کہنے کو ہیں

میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات
میں یہی کہنے کو دو بھی اور کیا کہنے کو ہیں

غیر سے سرگوشیاں کر لیجے پھر ہم بھی کچھ
آرزو ہائے دل رشک آشنا کہنے کو ہیں

نیم بسمل ہیں نہ چھیڑ اسے تپش دل کر ابھی
روئے قاتل کا نظارہ کوئی دم کرتے ہیں

اے اجل کاش الٹ جائیں شب ہجراں میں
وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں

محضر قتل ہے مطلب گنہ گاراں کا
سر قاصد کو وہ فتوے سے قلم کرتے ہیں

آبرو رہ گئی مرنے کی اگر روتے تو ہیں وہ
اشک شادی ہی سے گو چشم کو نم کرتے ہیں

وہ ہے بغل میں تو بھی تڑپاں نیند اڑ گئی
یہ سوچ ہے گیا نہ ہو اعدا کے خواب میں

ان نالہ ہائے شب کا اثر صبح دیکھیے
آیا خلل گر اس ستم آرا کے خواب میں

کشتۂ غیرت تری پانی چوانے سے ہے غیر
مرتے دم پاتا ہوں ذوق خون دشمن آب میں

نہ چاہوں لیو عذر جزا داد یہ ستم دیکھو
کب آزماتے ہیں جب وقت امتحاں نہیں

ہیں غیر مرے نکلنے سے خوش
گویا کہ میں ان کا مدعا ہوں

ربط اس سے ہے مثل شعلہ و شمع
مر جاؤں گر ایک دم جدا ہوں

اس کو میں نہ چھوڑ جائے مجھ کو
ہر چند عدو کا نقش پا ہوں

اس نام کے صدقے جس کی دولت
مومن رہوں اور بتوں کو چاہوں

کیا کیجیے کہ طاقت نظارہ ہی نہیں
جتنے وہ بے حجاب ہیں ہم شرمسار ہیں

جز نہ سپہر ہیں مرے دشمن تو اور بھی
لیکن بڑے غضب یہی دو تین چار ہیں

پانی کے بدلے برسے گی آگ آج ابر سے — اٹھے ہماری خاک سے بھی کچھ بخار سے

شبنم خراب دہر کتاں سینہ چاک ماہ — لو اور بھی ستم زدۂ روزگار ہیں

کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقربا — تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

نہیں منظور اگر بلہوسی کا شکوہ — غیر کو تم مرے اشعار سناتے کیوں ہو

رشک سے جلتا ہوں روز اے شمع بارہا ہیں — دن کو ہے مجھ پر وہی صدمہ جو تم پر رات کو

یاد دلوا دی تپش نے تیری خوشی وصل کی — مر گئے ہم دیکھ کر چین ہائے بستر رات کو

مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اٹھے وہ — بدنامی عشاق کا اعزاز تو دیکھو

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک — شعلہ سا چمک جاتے ہے آواز تو دیکھو

وفا سکھلا رہے گا دل ہمارا — تمہاری خاطر نامہرباں کو

پسینے کی جگہ آنے لگا خون — چھپاؤں کس طرح زخم نہاں کو

سمجھتا کیوں کہ دیوانے کی باتیں — نہ پایا محرم اپنے رازداں کو

ہمارا عشق تو کیا مر جائیں تو بھی — نہ کھولے طرۂ عنبر فشاں کو

دن رات فلک مجھ میں یوں رنج اٹھائے کب تک — میں بھی ذرا آرام لوں تم بھی ذرا آرام لو

مومن تم اور عشق بتاں اے پیر و مرشد غضب ہے — یہ ذکر اور منہ آپ کا صاحب خدا کا نام لو

گو آپ نے جواب برا ہی دیا وے — مجھ سے بیاں نہ کیجے عدو کے پیام کو

یاں وصل ہے تلافی ہجراں میں اے فلک — کیوں سوچتا ہے تازہ ستم انتقام کو

جب تو چلے جنازۂ عاشق کے ساتھ ساتھ — پھر کون وارثوں کی سنے اذن عام کو

سنگ اسود نہیں ہے چشم بتاں — بوسہ مومن طلب کرے کیا منہ

شکست رنگ پہ ہنستے ہیں ہنستے ہیں ہم بھی — دکھائیں گے انھیں وقت سار آئینہ

مجھے تو کہتے ہو مت دیکھ میری جانب تو — اور آپ دیکھتے ہو بار بار آئینہ

کچھ شور محبت کی تو لذت ہی نہ پوچھو — ہے آپ کے بھی حسن سے کتنا نمکیں یہ

اٹھتے وہ شکوہ کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ ۔ بے طاقتی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ

بے پردہ غیر پاس اسے بیٹھا نہ دیکھتے ۔ اٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ

اس کی گلی کہاں یہ تو کچھ باغ خلد ہے ۔ کس جائے مجھ کو چھوڑ گئی موت لا کے ساتھ

تھے وعدے سے پھر آنے کے خوش یہ خبر نہ تھی ۔ ہے اپنی زندگانی اسی بے وفا کے ساتھ

میں اپنے گریبان کے ٹکڑوں کا ہوں پیرو ۔ چلتے ہیں جنوں میں مرے پاؤں سے سوا ہاتھ

ہے دست مری نبض کی تف سے ید بیضا ۔ یہ معجزۂ تازہ مسیحا کے لگا ہاتھ

ہنگام وداع آہ گلا کاٹ رہے تھے ۔ کیا کھینچتے دامن کو ترے کام میں تھا ہاتھ

جوں شاخ گل اسے پوشش جنوں نما رہوں یعنی ۔ جب چاک ہوا جامہ تو بس ٹوٹ گیا ہاتھ

ہم اور یہ بدعت تپش دل کے سبب سے ۔ مومن مرے سینے پہ رہے بعد فنا ہاتھ

اے جامہ زیب میں ہوں وہ مجنوں کہ قیس کا ۔ پھٹ جائے سینہ میرے گریباں کو چھوڑ دیکھ

میرا قلق بھی قبلہ نما سے نہیں ہے کم ۔ باور نہیں تجھے تو ذرا منہ کو موڑ دیکھ

جلنا ترا بتوں میں بھی تاثیر کر گیا ۔ مومن یقین نہیں ہے تو پتھر کو پھوڑ دیکھ

منظور نظر غیر سہی اب ہمیں کیا ہے ۔ بے دیدہ تری آنکھ سے دل پہلے بھرا ہے

بس بس نہ کرو بات کہ یاد آتی ہے مجھ کو ۔ ناصح سے جو کچھ بے خودیوں میں بھی سنا ہے

توبہ گنہ عشق سے فرمائے ہے واعظ ۔ یہ بھی کہیں دل دے کے گنہگار ہوا ہے

آزردۂ حرمان ملاقات منے کیا ۔ یعنی کہ نہ ملنا ہی نہ ملنے کی سزا ہے

پرہیز سے اس کی گئی بیماری دل آہ ۔ بیگانگیوں میں بھی عجب ربط رہا ہے

میں ترک وفا سے بھی وفادار ہوں مشہور ۔ کیں تجھ سے جو اے دشمن ارباب وفا ہے

مومن نہ سہی بوسہ پا سجدہ کریں گے ۔ وہ بت ہے جو اوروں کا تو اپنا بھی خدا ہے

خوشی نہ ہو مجھے کیونکر قضا کے آنے کی ۔ خبر ہے نعش پر اس بے وفا کے آنے کی

ہے ایک خلق کا خوں سر پہ اشک خوں کھرے ۔ سکھائے طرز اسے دامن اٹھا کے آنے کی

سمجھ کے اور ہی کچھ مر چلا میں اے ناصح ۔۔۔ کہا جو تو نے نہیں جان جا کے آنے کی

میں اگر جان سے جاؤں تو قرار آ جائے ۔۔۔ پر یہ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو یار آ جائے

کر ذرا اور بھی اے جوش جنوں خوار و ذلیل ۔۔۔ مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی عار آ جائے

باندھو اسے چارہ گرو چلّہ کہ وہ بھی شاید ۔۔۔ وصل دشمن کے لیے سوئے مزار آ جائے

شہر جا جوش تپش ہے تو تڑپنا لیکن ۔۔۔ چارہ سازوں میں ذرا دم دل زار آ جائے

فصد کی حاجت مجھے کیا چارہ گر ۔۔۔ بہہ گیا خوں دیدۂ خونبار سے

مت کرو کنگھی نہ یہ وارو حنا ۔۔۔ دل چرائے طرۂ طرار سے

کر نصیحت گر میں ہیچ ہوں سادہ لوح ۔۔۔ تو بچے گی خوب اس عیار سے

وعدہ کر کے وہ نہ آئے نامہ بر ۔۔۔ تو نے پوچھا ہوئے گا تکرار سے

جا بجا نہریں ہیں جاری میں نے اشک ۔۔۔ پونچھیں ہوں گے دامن کہسار سے

لاغری سے زندگی مشکل ہوئی ۔۔۔ ہے گراں تر جان جسم زار سے

کر علاج جوش وحشت چارہ گر ۔۔۔ لا دے اک جنگل مجھے بازار سے

چھڑکے ہے کان ملاحت لون کیا ۔۔۔ خود لپٹ جا سینۂ افگار سے

حسن روز افزوں یہ غرا کس لیے اے ماہ رو ۔۔۔ یوں ہی گھٹتا جائے گا جیسا کہ بڑھتا جائے ہے

پونچھے آنسو وارثوں کے کیا کروں اب ہائے ہائے ۔۔۔ داغ میرے خون کا دامن سے چھوٹا جائے ہے

اب تو مر جانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو ۔۔۔ ضعف کے باعث کہاں دنیا سے اٹھا جائے ہے

پند گو یہ تو ہی فرما کس کو سودا ہے یہ کون ۔۔۔ اور کی سنتا نہیں اپنی ہی بکتا جائے ہے

شکوۂ دشمنی کریں کس سے ۔۔۔ حال شکایت ہے دوستداری کی

تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں ۔۔۔ اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے

غور سے دیکھتے ہیں طوف کو آہوئے حرم ۔۔۔ کیا کہیں اس کے سگ کوچہ کے قرباں ہوں گے

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس ۔۔۔ ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہوں گے

تم اٹھ گئے محفل سے ذکر آتے ہی مجنوں کا
سائے سے مرے وحشت اسے رشک پری آتی

بے پردہ پس چلمن یکبار جو تم آ بیٹھے
ہے تاب نظر کس کو کیوں جلوہ گری آتی

کیا ہو گئی خود بینی اب غیر سے چشمک ہے
یا خوش نگہی وہ کچھ یا بد نظری آتی

کہتا ہے مرے آگے وہ مجھ پہ عدو غش ہے
ہے ہے مری الفت سے ہے بے خبری آتی

پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے
اس کا نہ دیکھنا نگہ التفات ہے

پیغامبر رقیب سے ہوتے ہیں مشورے
سنتا نہیں کسی کی یہ کہنے کی بات ہے

چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے

کیوں کر خدا کو دوں کہ بتوں کو ہے احتیاج
مومن یہ نقد دل زر جاں کی زکات ہے

مجھ کو مارا مرے حال متغیر نے کہ ہے
کچھ گماں اور ہی دھڑکے سے دل یونس کے

لذت مرگ سے ہجراں میں دعا ہے کہ خدا
یہ مزا ہو نہ نصیبوں میں کسی بے حس کے

جو مر جاتا تو یہ دکھ کاہے کو لیتا اگر میں
یہ کہتا یں تو شاید دشمنوں کی بد دعا لگتی

گر تصور سے ہم بزم تو بیتاب رہے
کس قدر وہ مرے ملنے سے حذر کرتا ہے

عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو
کہ شب غم کوئی کس طرح سحر کرتا ہے

بخت بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپ اٹھتا ہوں
تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے

ذکر کر بیٹھے برائی ہی سے شاید میرا
اب وہ اغیار کی صحبت سے حذر کرتا ہے

سنا اس نے مرا نالہ اثر بھی کچھ ہوا شاید
کہ دشمن کہہ گیا بے فائدہ کیوں غل مچاتا ہے

نہ کرنی تھی نصیحت اس کے بیٹھے پر قیامت کی
عجب فتنہ ہے ناصح بھی کہ یہ فتنے اٹھاتا ہے

خیال خواب راحت ہے علاج اس بدگمانی کا
وہ کافر گور میں مومن مرا شانہ ہلاتا ہے

کیوں ہے رنگ زرد پہ گلگونہ اشک سرخ کا
کس لیے ملنے لگی رنگت ہماری آپ کی

میرے تغیر رنگ کو مت دیکھ
تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے

بات ناصح سے کرتے ڈرتا ہوں
کہ فغاں بے اثر نہ ہو جائے

اسے قیامت نہ آئیو جب تک — وہ مری گور پر نہ ہو جائے

رشک دشمن کا فائدہ معلوم — مفت جی کا ضرر نہ ہو جائے

وفائے غیرت شکر جفا نے کام کیا — کہ اب ہوس سے بھی امداد بوالہوس گذرے

ہنسو نہ تم تو مرے حال پر ہیں بھلا وہ ذلیل — کہ جس کی ذات و خواری سے تم کو شان گئی

میں اور اس کو بلاؤں گا روز حشر میں لو — اجل بھی کرنے محبت کا امتحان گئی

دم بدم رنگ ہے تغیر مرا حیران ہے — رنگ کیسا مری تصویر میں بہزاد بھرے

دیکھا عذاب رنج دل زار کے لیے — عاشق ہوئے ہیں وہ مری آزار کے لیے

دے تو بھی بھیج دے کوئی پیغام تلخ اب — تجویز زہر ہے ترے بیمار کے لیے

عدو اس اوج پر شاکی ہے شاید قصہ آجاوے — ملا دے خاک میں یہ تو بھی شکر آسماں کیجے

عذاب ایزدی جانکاہ ہے مانا بس آگے سخن — خدا کے واسطے ذکر ستم ہائے بتاں کیجے

اجل سے خوش ہوں کسی طرح سا ہو وصال تو ہے — نہ آئے نعش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے

کہاں تلک گلہ ہائے تغافل قاتل — ہم آپ کاٹ لیں آخر یہ سر وبال تو ہے

جفائے یار کو سونپا معاملہ اپنا — اب آ گئے ہو نہ ہو امید انتقال تو ہے

تسلی دم واپسیں ہو چکی — ہیں ہو چکے جب نہیں ہو چکی

وہ ہم دوش ہو گا تو بھی غیر سے — مری قسمت اے شانہ بیں ہو چکی

خیال اجل سے تسلی کروں — وہ طاقت بھی جان حزیں ہو چکی

چشم خونبار رہے آپ نے تلووں سے ملے — ورنہ ایسا بھی کہیں رنگ حنا ہوتا ہے

ہو کے آزردہ پشیماں ہوں اگر میں سے کہوں — وہی کھوئے کوئی ایسے سے خفا ہوتا ہے

جاں بلب ہوں خبر وصل سنا دے قاصد — لب ہلانے میں ترے کام مرا ہوتا ہے

وہ بد خواہ مجھ سا تو میرا نہیں — عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے

کھلائے نہ کیوں سرمہ گو سالہ کو — خجل سامری چشم پر فن سے ہے

کیوں کر یہ کہیں منت اعدا نہ کریں گے | کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے

ہنس ہنس کے وہ مجھ سے ہی مرے قتل کی باتیں | اس طرح سے کرتے ہیں کہ گویا نہ کریں گے

گر ذکر وفا سے یہی غصہ ہے تو اب سے | گر قتل کا وعدہ ہو تقاضا نہ کریں گے

توبہ ہے کہ ہم عشق بتوں کا نہ کریں گے | وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا سو کریں گے

گر حسن گلو سوز نے پھر آگ لگائی | کیوں آب دم تیغ سے ٹھنڈا نہ کریں گے

تھی بدگمانی اب انہیں کیا عشق حور کی | جو آ کے مرتے دم مجھے صورت دکھا گئے

بیزار زندگانی کا جینا محال تھا | وہ بھی ہماری نعش کو ٹھوکر لگا گئے

واعظ کے ذکر مہر قیامت کو کیا کہوں | عالم شب وصال کے آنکھوں میں چھا گئے

رشک دشمن بہانہ تھا سچ ہے | میں نے ہی تم سے بے وفائی کی

آ کے وہ دست غیر میں دیئے ہاتھ | آس ٹوٹی شکستہ پائی کی

مر گئے پر ہے بے خبر صیاد | اب توقع نہیں رہائی کی

روز جزا نہ دے جو مرے قتل کا جواب | وہ ہم سخن رقیب کہ اس کم سخن سے ہے

کچھ بھی کیا نہ یار کی سنگیں دلی کا پاس | سب کاوش رقیب بجا کوہکن سے ہے

اس کو گمان ہے گلۂ چین زلف کا | خوشبو دہان زخم جو مشک ختن سے ہے

رشک پری کہے سے عدو کی یہ وحشتیں | نفرت بجا تمہیں مرے دیوانہ پن سے ہے

یارب ان کا بھی جنازہ اٹھے | یار اس کوچے سے اٹھاتے ہیں مجھے

شعلہ رو کہتے ہیں اغیار کو وہ | اپنے نزدیک جلاتے ہیں مجھے

جاں گئی پر نہ گئی جور کشی | بعد مردن بھی دباتے ہیں مجھے

اب یہ صورت ہے کہ اے پردہ نشیں | تجھ سے احباب چھپاتے ہیں مجھے

جان سے جاتی ہیں کیا کیا حسرتیں | کاش وہ دل میں بھی آنا چھوڑ دے

اس دہن کو غنچۂ دل کیا کہوں | ڈر لگے ہے مسکرانا چھوڑ دے

ناتوانی سے نزاکت ہے زیادہ — مجھ سے تو دامن چھڑانا چھوڑ دے

شب ہجر میں کیا ہجوم بلا ہے — زباں تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

نہیں یا صنم مومن اب کفر سے کچھ — کہ خو ہو گئی ہے سوا کہتے کہتے

وہ مٹا دے نامۂ مضمون وصل — گر ہو خط کاتب تقدیر سے

یوں بنا کر حال دل کہنا نہ تھا — بات بگڑی میری ہی تقدیر سے

دوستو لے آؤ قاتل کو کسی تدبیر سے — سر کٹائیں گے کہ اب تو جنگ ہے تقدیر سے

کام جز الفت نہیں اے کاتب تقدیر یاں — فائدہ حرف مکرر کی بھلا تحریر سے

اے فسوں گر چشم جادو پر نہیں چلتا عمل — دیکھنا بھی چھٹ نہ جائے سرمۂ تسخیر سے

حسن کی نیرنگیوں سے کم نہیں از رنگ عشق — نو بہ نو جلوے ملا ہو رنگ کی تغییر سے

ہو گئی ساری زمیں صرف حروف تو رقم — اک جہاں ویراں ہے میرے نامۂ تحریر سے

کیوں کہا تھا کہ بکتے بکتے سر پھرنے لگا — اب تو باندھوں گا میں ناصح اس کو بھی زنجیر سے

کہتے ہیں سب یہ رہا آوارہ بعد قتل بھی — ہو گئی کتنی مری نام آوری تشہیر سے

ان کو جلدی جانے کی مجھ کو عذاب جاں کنی — دونوں کا دم ناک میں ہے موت کی تاخیر سے

میرے ملنے کو منایا آپ نے اچھا ہوا — تھا ٹھگوں ہی مدعایاں نامہ کی تحریر سے

ایسے نازک کی شمائل کیوں نہ دل میں نقش ہو — کھنچ گیا سینے میں نقشہ غیر کی تصویر سے

اے جنوں اپنی اسیری بعد مردن بھی رہی — حلقۂ ماتم میں آئے حلقۂ زنجیر سے

نالہ ہائے بلہوس نے کھو دیا آزار شوق — لو ہم اچھے ہو گئے درماں بے تاثیر سے

بزم دشمن سے نہ اٹھے وہ کسی تدبیر سے — مل گئے ہم خاک میں محشر تری تاخیر سے

مہر:-

نام رجب بیگ۔ ان کا شعر ہے:۔

میں جاں بلب ہوں رونے دے اے نکتہ چیں مجھے   آیا ہے یاد خال رُخ نازنیں مجھے

مہر:-

نام منشی مہر چند۔ وطن فرخ آباد۔ اور قیام بھی وہیں ہے۔ لیکن زیادہ تر وہ لکھنؤ اور اکبر آباد میں رہے۔ ان کی عمر کا زیادہ حصہ مختلف مواضع کی پیشکاری کی تحصیل میں صرف ہوا۔ ان کا کلام ہے:

اے کماں ابرو جہاں جاتا ہوں واں تیرا خدنگ   پہونچتا ہے ایک دم میں پاس میرے پر لگا

نیند آگئی ابرو کے تصور میں جو مجھ کو   تھا خواب میں کھینچے ہوئے تصویر کوئی شخص

یہ تو اپنے خواب میں بھی بر نہ آئی آرزو   ہم خیال وصل جاناں بیشتر باندھا کیے

سرمگیں چشم کے بیمار کی لے جلد خبر   بولتا ہی نہیں کہتے ہیں بڑی دیر ہوئی

مہلت:-

نام مرزا علی لکھنوی۔ اپنا کلام جرأت کو دکھاتے تھے۔ لکھا ہے کہ ان سے اور علی نقی محشر سے جھگڑا ہوگیا تھا۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے کو قتل کر دینے پر تیار ہو گئے۔ آخر ان کو محشر کے ہاتھ سے کاری زخم لگا۔ لیکن پوچھنے والوں کے اصرار کے باوجود وہ اپنی زبان پر محشر کا نام نہیں لائے اور اس قصہ کو انھوں نے روز محشر پر اٹھار کھا اور اسی صدمہ سے ان کی وفات واقع ہوئی۔ ان کا شعر ہے:

مرنے کے بعد بھی نہ گئی دل کی یہ تپش   آرام زیر خاک بھی اب خاک کیجیے

میر:-

افصح الفصحا، اشعر شعرا، سخنور عالی مقام، محمد تقی اکبر آبادی۔ سراج الدین علی خاں آرزو کے بھانجے تھے۔ لطافت ان کی طبیعت کی ہم زاد ہے۔ ان کے کلام کے مقابلے

میں دوسروں کی بات ایسی ہے جیسے بلبل کے زمزمے اور خاد کی فریاد، ان کی طوطی ناطقہ شکر بار نے بلبلوں کی رونق بازار ختم کردی اور ان کے افکار دلآویز قلم گلستان نگار کی آواز نے مرغ چمن کے نالہ خیز لبوں پر مہر لگا دی ان کے خیالات کے صفحے لالہ رخ کی جلوہ پاشیوں سے خیالات عاشق کی طرح قطعہ گلزار ہیں اور ان کے قلم سے تازہ مضامین مثل ابر نوبہار نکلتے ہیں ان کے ایک مصرعے کی تاثیر سوز و درناک آہوں میں بھی نہیں۔ اور ان کے نصف بیت کا فسوں ہزار عزیمت تسخیر میں بھی ناپید ہے۔ اگرچہ ان کے اشعار کی حلاوت مشتاقان سخن کے مذاق میں شکر بار لب لعل کے شہد سے زیادہ گوارہ ہے، ان کی گفتگو کی نمکینی شوریدہ طبع صاحبان ذوق کے لیے پستۂ تبسم دلدار سے زیادہ مزے دار ہے ان کی نظم اگر سحر مانی جائے تو "سحر حلال" اور اگر ان کی فکر کو قوت اکتساب سے قرار دیا جائے تو کس درجہ "اعجاز مثال" ؟ تمام اصناف سخن (فنون نظمیہ) سے مکمل ربط رکھتے ہیں۔ خصوصاً غزل سرائی اور مثنوی گوئی میں گوئے سبقت لے گئے ہیں۔ ان کے کلام میں پست و بلند اور ان کے اشعار میں جور طب و یابس دکھلائی دیتے ہیں انھیں نہ دیکھو لیکن نظر انداز بھی نہ کرو کہ مشہور ہے ؎

شعر گر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست
در ید بیضا ہمہ انگشت ہا یک دست نیست

(اس سلسلے میں کچھ گفتگو مرزا رفیع سوداؔ کے حالات میں کی جا چکی ہے اور وہ انتہائی درست اور معیاری ہے ——— ملاحظہ فرمایے)

ریختہ کے چھ دیوان تمام اصناف کے سخن کے ساتھ نظم کیے ہیں۔

مسدس جس میں واسوخت کے مضامین لکھے ہیں خانۂ شہرت سے رنگین ہیں۔

اقسام شاعری میں سے قصیدے میں اچھے خیالات نہیں رکھتے جیسا کہ ان کی غزل زیادہ بلند ہے، اسی طرح ان کا قصیدہ پست ہے۔

ابتدائے شاعری (زہد و حال) میں شاہجہاں آباد آئے مگر نفع اندوز نہ ہو سکے ناکام پلٹ

گئے لکھنؤ میں عمر گذاری اور ضروریات بارگاہ نواب وزیرالملک سے پورے ہوگئے ہیں میر ملک عدم کو چلے گئے۔ ان کے دیوان ملاحظے سے گذرے ان کا انتخاب کیا اور یہاں قلمبند کر رہا ہوں:۔

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
دل کے جانے کا نہایت غم رہا

حسن تھا اس کا بہت عالم فریب
خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ
نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

اتنی گذری جو ترے ہجر میں سو اس کے سبب
صبر مرحوم عجب مونس تنہائی تھا

چشم خوں بستہ سے کل رات لہو پھر ٹپکا
ہم نے جانا تھا کہ بس اب تو یہ ناسور گیا

آیا تو سہی وہ کوئی دم کے لیے لیکن
ہونٹوں پہ مرے جب نفس بازپسیں تھا

مسجد میں امام آکے ہوا آج وہاں سے
کل تک تو یہی میر خرابات نشیں تھا

الجھاؤ پڑ گیا جو ہمیں اس کے عشق میں
دل سا عزیز جان کا جنجال ہو گیا

تو وہ متاع ہے کہ پڑے جس کی تجھ پہ آنکھ
وہ جی کو بیچ کر بھی خریدار ہو گیا

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھتا نہیں
مرتا ہوں میں تو ہائے رے صرفہ نگاہ کا

ہم نے جانا تھا لکھے گا تو کوئی حرف اے میر
پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا

خدا کو کام تو سونپے ہیں ہم نے سب لیکن
رہے ہے خوف مجھے واں کی بے نیازی کا

دل کی کچھ قدر کرتے رہیو تم
یہ ہمارا بھی ناز پرور تھا

فلک کا منہ نہیں اس فتنے کو اٹھانے کا
ستم شریک ترا ناز ہے زمانے کا

دل عشق کا ہمیشہ حریف نبرد تھا
اب جس جگہ کہ داغ ہے یاں پہلے درد تھا

عاشق ہیں ہم تو میر کے بھی ضبط عشق کے
دل جل گیا تھا اور نفس لب پہ سرد تھا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا
بے چارہ گریہ ناک گریباں دریدہ تھا

کسی عاشق کے تری جبہہ سے ناخن کا خراش
خط تقدیر کی مانند مٹایا نہ گیا

کیا ہے گلشن میں جو قفس میں نہیں
داغ دل دیکھے بس چمن دیکھا

دل دینے کی ایسی حرکت اس نے نہیں کی
جب تک جیے گا وہ پشیمان رہے گا

ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر
تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی نکل گیا

مستی میں چھوڑ دیر کو کعبے چلا تھا میں
لغزش بڑی ہوئی تھی ولیکن سنبھل گیا

علاج کرتے ہیں سودائے عشق کا میرے
خلل پذیر ہوا ہے دماغ یاروں کا

کیسا چمن کہ ہم سے اسیروں کو منع ہے
چاک قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا

آنکھیں چرائیو نہ ٹک ابر بہار سے
میری طرف بھی دیدۂ خوں بار دیکھنا

کف جاناں سے ممکن ہے رہائی میر کوئی ہو
اچنبھا ہے جو اس کے ہاتھ سے رنگ حنا چھوٹا

تیرے کوچے کے رہنے والوں نے
یہیں سے کعبے کو سلام کیا

حال بد میں مرے خدا آ کر
آپ کو سب میں نیک نام کیا

شہرۂ عالم اسے یمن محبت نے کیا
ورنہ مجنوں ایک خاک افتادۂ ویرانہ تھا

ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے فلک
اس شوخ کو بھی راہ میں لانا ضرور تھا

داغ فراق و حسرت وصل آرزوئے شوق
میں ساتھ زیر خاک بھی ہنگامہ لے گیا

جواب نامہ سیاہی کا اپنے ہے وہ زلف
کسی نے حشر کو ہم سے اگر سوال کیا

ہر زخم جگر داور محشر سے ہمارا
انصاف طلب ہے تری بیدادگری کا

جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف
اے کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا ہوا

نے خون ہو آنکھوں سے بہا اور نہ ہوا ہیچ
اپنا تو یہ دل میر کسی کام نہ آیا

سخت کافر تھا جس نے پہلے میر
مذہب عشق اختیار کیا

جہاں سے فتنے کو خالی کبھی نہیں پایا
ہمارے وقت میں تو آفت زمانہ ہوا

سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں
لیکن اے داغ دل سے تو نہ گیا

دل میں کتنے مسودے تھے وے — ایک پیش اس کے روبرو نہ گیا

سبحہ گرداں میر ہم تو رہے — دست کوتاہ تا سبو نہ گیا

اب تو جاتے ہیں میکدے سے میر — پھر ملیں گے اگر خدا لایا

سمجھے تھے ہم تو میر کو عاشق اسی گھڑی — جب سن کے تیرا نام وہ بیتاب سا ہوا

پھر آج میر مسجد جامع کے تھے امام — داغ شراب دھوتے تھے کل جانماز کا

کاہے کو میں نے میر کو چھیڑا کہ اس نے آج — یہ درد دل کہا کہ مجھے درد سر رہا

شب میکدے سے وارد مسجد ہوا تھا میں — پر شکر ہے کہ صبح تلک بے خبر رہا

اپنا بھی قصد تھا سر دیوار باغ کا — توڑا ہی تھا قفس کو کہ صیاد آ گیا

مستی میں لغزش ہو گئی معذور رکھا چاہیے — اے اہل مسجد اس طرف آیا ہوں میں بھاگا ہوا

خانہ خراب میر بھی کتنا غیور تھا — مرتے موا پر اس کے کبھی گھر نہ جا پھرا

کم کم اٹھتا وہ نقاب آہ کہ طاقت رہتی — کاش اک بار ہمیں منہ نہ دکھایا ہوتا

کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا — یہ کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

آزار دل نہیں ہے کسی دین میں درست — کیا جانے ان بتوں نے ستم کیوں روا رکھا

اس سرے دل کی خرابی ہوئی اے عشق دریغ — تو نے کس خانۂ معمور کو ویران کیا

میرا بھی مقلد عمل تھا — مجنوں کے دماغ میں خلل تھا

پشیماں ہوا دوستی کر کے میں — بہت مجھ کو ارمان تھا چاہ کا

اعجاز منہ تکے ہے ترے لب کے کام کا — کیا ذکر یاں مسیح علیہ السلام کا

رقعہ ہمیں جو آئے ہے سو تیر میں بندھا — کیا دیجیے جواب اجل کے پیام کا

کیوں کر گلی سے اس کی میں اٹھ کر چلا جاتا — یاں خاک میں ملنا تھا لوہو میں نہانا تھا

کہتا تھا کسو سے کچھ تکتا تھا کسو کا منہ — کل میر کھڑا تھا یاں سچ ہے کہ دوانا تھا

ہم کوئے مغاں میں تھے ماہ رمضان آیا — صد شکر کہ مستی میں جانا نہ کہاں آیا

کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اس کے میر
سمند ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا

ڈرتا ہی میں رہا کہ پلک کوئی گر نہ جائے
آنکھوں سے رات اس کے جو تلوے ملا کیا

دور بہت بھاگو ہو ہم سے سیکھے طریق غزالوں کا
وحشت کرنا شیوہ ہے کچھ اچھی آنکھوں والوں کا

عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گیا آرام گیا
جی کا جانا ٹھیر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا

ماہ اس کو کہہ کے سارے شہر میں
مجھ کو مشکل منہ دکھانا ہو گیا

نہ گیا اس طرف کا خط لکھتا
ہاتھ جب تک مرا قلم نہ ہوا

دروازے پہ کھڑا ہوں کبھی دن سے یار کے
حیرت نے حسن کی مجھے دیوار کر دیا

کاش اس کے رو بہ رو نہ کریں مجھ کو حشر میں
کتنے مرے سوال ہیں جن کا نہیں جواب

پھر نہ آئے جو ہوئے خاک میں جا آسودہ
غالباً زیر زمیں میر ہے آرام بہت

ہم تو آگے ہی مر رہے ہیں میر
تیغ کھینچے پھرے ہے یار عبث

خوگر ہوئے ہیں عشق کی گرمی سے خار و خس
بجلی پڑی رہی ہے مرے آشیاں کے بیچ

میرے سنگ مزار پر فرہاد
رکھ کے تیشہ کہے ہے یا استاد

دو قدم ساتھ جنازے کے نہ آیا وہ میر
جانتا تھا کہ اسے ہے مری رفتار پسند

جاتا ہے آسماں لیے کوچے سے یار کے
آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر

جی میں تھا اس سے ملیے تو کیا کیا نہ کہیے میر
پر جب ملے تو رہ گئے ناچار دیکھ کر

مرتا ہوں میں تو آدم خاکی کی شان پر
اللہ رے دماغ کہ ہے آسمان پر

قیامت تھا سماں اس خشمگیں پر
کہ تلواریں چلیں ابرو کے چیں پر

ہر گام سدرہ تھی بت خانہ کی محبت
کعبے تلک تو پہنچے لیکن خدا خدا کر

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

ضعف یاں تک کھنچا کہ صورت گر
رہ گئے ہاتھ میں قلم لے کر

میر صاحب ہی چوکے اے بدعہد
ورنہ دینا تھا دل قسم لے کر

تناسب پر اعضا کے اتنا تخیر
بگاڑا تجھے خوبصورت بنا کر

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج مرا امتحان پر

آتا ہے ابر قبلہ چلا خانقاہ پر
صوفی ہوا کو دیکھ کے کاش آئے راہ پر

منتظر قتل کے وعدے کا ہوں اپنے یعنی
جیتا مرنے کو رہا ہے یہ گنہگار ہنوز

حالانکہ عمر ساری مایوس گذری تس پر
کیا کیا رکھیں گے اس کے امیدوار خواہش

اب اس کے غم سے جو کوئی چاہے سو کھاوے داغ
باقی نہیں ہے چھاتی میں اپنے تو جائے داغ

دل لگا ہو تو جی جہاں سے اٹھا
موت کا نام پیار کا ہے عشق

شاید کہ دیوے رخصت گلشن ہو بے قرار
میرے قفس کو لے تو چلو باغباں تلک

ہم گرے اس کے در ہی پہ مر کر
اور کوئی وفا کرے کیا خاک

سب موئے ابتدائے عشق ہی میں
ہووے معلوم انتہا کیا خاک

سوجی سے عندلیب خریدار اس کے ہے
اے گل فروش کیجو سمجھ کر بہا لے گل

اگر راہ میں اس کے رکھا ہے گام
گئے گذرے خضر علیہ السلام

ہوتا نہ دل کا یہ سرانجام عشق میں
لگتے ہی جی کے مر گئے ہوتے بلا سے ہم

جی جائے کسی کا کہ رہے تم کو قسم ہے
مقدور تلک اور پے آزار رہو تم

اس کے کوچے کی خاک لائیں گے ہم
اپنا کعبہ جدا بنائیں گے ہم

اے بتو اس قدر جفا ہم پہ
عاقبت بندۂ خدا ہیں ہم

نہ تنگ کر اسے اے فکر روزگار کہ میں
دل اس سے دم کے لیے مستعار لایا ہوں

چلا نہ اٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تو میر
ابھی تو اس کی گلی سے پکار لایا ہوں

اس کے نزدیک کچھ نہیں عزت
میر جی یوں نہیں خوار ہوتے ہیں

کہوں کب تک دم آنکھوں میں ہے میرا
نظر آئے رہے گا اب کوئی دم میں

تیغ عزلت تو منہ خاک بھی پہنچیں گے ہم
مفت ہے میر کہ پھر عالم ایجاد نہیں

ہمیں تو نزع میں شرمندہ اک اس نے کیا
رہا ہے ایک رمق جی سو کیا نثار کریں

نہ نگہ نہ پیام نہ وعدہ
نام کو ہم بھی یار رکھتے ہیں

ایک بیمار جدائی ہوں میں آپ ہی تس پر
پوچھنے والے جدا جان کو کھا جاتے ہیں

کیا تیر ستم اس کے سینے میں بھی ٹوٹے تھے
جس زخم کو چیروں ہوں پیکان نکلتے ہیں

مانند شمع ہم نے حضور اپنے یار کے
کار وفا تمام کیا ایک آہ میں

جو بے اختیاری یہی ہے تو قاصد
ہمیں آ کے اس کے قدم دیکھتے ہیں

خوش نہ آئی تمھاری چال ہمیں
یوں نہ کرنا تھا پائمال ہمیں

دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں
وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں

اک وہم نہیں بیش مری ہستی موہوم
اس پر بھی تری خاطر نازک پہ گراں ہوں

ایک سب آگ ایک سب پانی
دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

مدعی مجھ کو کھڑے صاف برا کہتے ہیں
چپکے تم سنتے ہو بیٹھے اسے کیا کہتے ہیں

اب کی ہمت صرف کر جو اس سے جی اوچھے مرا
پھر دعا اے میر مت کیجو اگر ایسا کروں

ایسے پھر خانماں خراب کہاں
نازک مزاج آپ قیامت ہیں میر جی

کاش کہ دل دو تو ہوتے عشق میں
ایک رہتا ایک کھوتے عشق میں

سب گئے دل و دماغ و تاب و تواں
میں رہا ہوں سو کیا رہا ہوں میں

جاتے ہے جی نجات کے غم میں
ایسی جنت گئی جہنم میں

کرتا نہیں قصور ہمارے ہلاک میں
یارب یہ آسمان بھی مل جائے خاک میں

شیوہ اپنا بے پروائی تو میری سے ٹھیرا ہے
کچھ بھی وہ مغرور ہے تو منت ہم سو بار کریں

قتل کیے پر غصہ کیا ہے لاش مری اٹھوانے دو
جان سے بھی ہم جاتے رہے ہیں آؤ تم بھی جانے دو

سر کاٹ کے ڈلوا دیے انداز تو دیکھو
پامال ہے سب خلق جہاں ناز تو دیکھو

کب میسر اس کے منہ کا دیکھنا آتا ہے میر
پھول گل سے اپنے دل کو تم بھی بہلایا کرو

اس تیغ زن سے قاصد کیو مری طرف سے
اب تک بھی نیم جاں ہے گر قصد امتحاں ہو

اٹھ جائے رسم نالہ و آہ و فغاں سب
اس تیرہ روزگار میں تو میرؔ اگر نہ ہو

اجرت میں نامہ بر کے دیتے ہیں جاں تلک تو
اب کار شوق اپنا پہنچا یہاں تلک تو

عشق کیا کیا ہمیں دکھاتا ہے
آہ تم بھی تو اک نظر دیکھو

خط لکھ کے کوئی سادہ نہ اس کو ملول ہو
ہم تو ہوں بدگمان جو قاصد رسول ہو

کہتے ہو اتحاد ہے ہم کو
ہاں کہو اعتماد ہے ہم کو

دوستی ایک سے بھی تجھ کو نہیں
اور سب سے عناد ہے ہم کو

نامرادانہ زیست کرتا تھا
میرؔ کی وضع یاد ہے ہم کو

رات ساری تو کٹی سنتے پریشاں گوئی
میرؔ جی کوئی گھڑی تم بھی اب آرام کرو

نزدیک اپنے ہم نے تو سب کر رکھا ہے سہل
پر میرؔ اس میں مردن دشوار کیوں نہ ہو

تلوار کے تلے بھی ہیں آنکھیں تری ادھر
تو اس ستم کا میرؔ سزاوار کیوں نہ ہو

خط آ گیا پہ اس کا تغافل نہ کم ہوا
قاصد مرا خراب پھرے ہے جواب کو

کہنے سے میرؔ اور بھی ہوتا ہے مضطرب
سمجھاؤں کب تک اس دل خانہ خراب کو

ہوگا کسی دیوار کے سائے کے تلے میرؔ
کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو

ہوتے ہو بے دماغ تو دیکھو ہو ٹک ادھر
غصہ ہے ہم پہ کاش کے اکثر رہا کرو

بے اضطرار دیکھ کر اب دشمنوں سے بھی
کہتا ہوں اس کے ملنے کی کچھ تم دعا کرو

قبلہ و کعبہ، خداوند ملاذ و مشفق
مضطرب ہو کے اسے میں نے لکھا کیا کیا کچھ

پر لکھوں کیا رقم شوق کی اپنے تاثیر
ہر سر حرف پہ وہ کہنے لگا کیا کیا کچھ

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
اب ہوئے خاک انتہا ہے

وصل اس کا خدا نصیب کرے
میرؔ دل چاہتا ہے کیا کیا کچھ

اس کے ایفائے وعدہ تک نہ جیے
عمر نے ہم سے بے وفائی کی

زور رنج کچھ نہ تھا تو بارے میرؔ — کس بھروسے پہ آشنائی کی

وا اس سے سرحرف تو ہو گو کہ یہ سر جائے — ہم حلق بریدہ ہی سے تقریر کریں گے

تجھ کو مسجد ہے مجھ کو مے خانہ — واعظا اپنی اپنی قسمت ہے

کہیں جو کچھ ملامت گر بجا ہے میرؔ کیا جانیں — انھیں معلوم جب ہوتا کہ ویسے ہی جدا ہوتے

دل کو تسکین نہیں اشک دمادم سے بھی — اس زمانے میں گئی ہے برکت غم سے بھی

آج پھر تھا بے حمیت میرؔ واں — کل لڑائی سی لڑائی ہو چکی

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز — اسی خانہ خراب کی سی ہے

آہ میری زبان پر آئے — پھر بلا آسمان پہ آئے

جب نام ترا لیجے تب چشم بھر آئے — اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آئے

اس ستمگر کے کوچے کے ہواداروں میں — نام فردوس کا ہم لے کے گنہگار ہوئے

باہم سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم گرم — کاہے کو میرؔ کوئی دبے جب بگڑ گئی

آلودہ اس گلی کی جو ہوں خاک سے تو میرؔ — آب حیات سے بھی نہ وہ پاؤں دھوئیے

میکدے سے تو ابھی آیا ہے مسجد میں میرؔ — ہو نہ لغزش کہیں صحبت ہے یہ بیگانوں کی

جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مر گئے — کتنے ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے

گھبرا نہ میرؔ عشق میں اس سہل زیست پر — جب بس چلا نہ کچھ تو مرے یار مر گئے

دو حرف اس کے منہ کے تو لکھ میرؔ بھیجو شتاب — قاصد چلا ہے چھوڑ کے تو جاں بلب مجھے

اپنے تو ہونٹ بھی نہ ہلے اس کے روبرو — رنجش کی وجہ میرؔ یہ کیا بات ہو گئی

اب رحم پر اسی کے موقوف ہے کہ یاں تو — نے اشک میں سرایت نہ آہ میں اثر ہے

گھر درد جگر سے بھر گیا آہ — کب تک مری چشم تر نہ ہووے

سرگذشتیں نہ مری سن کہ اچٹتی ہے نیند — خاصیت یہ ہے مری جان ان افسانوں کی

پہنچا تو ہوگا سمع مبارک میں حال میرؔ — اس پر بھی جی میں آئے تو دل کو لگائیے

کیا کروں شرح خستہ جانی کی — میں نے مر مر کے زندگانی کی

میرے تغیر حال پر مت جا — اتفاقات ہیں زمانے کے

دم آخر ہے کیا نہ آنا تھا — اور بھی وقت تھے بہانے کے

اس کدورت کو ہم سمجھتے ہیں — ڈھب ہیں یہ خاک میں ملانے کے

دل و دیں صبر و ہوش سب ہی گئے — آگے آگے تمہارے آنے کے

اک شخص مجھی سا تھا کہ تھا تجھ پہ عاشق — وہ اس کی وفا پیشگی وہ اس کی جوانی

یہ کہہ کے میں رو دیا تو لگا کہنے نہ کہہ میر — سنتا نہیں میں ظلم رسیدوں کی کہانی

پاس ناموس عشق تھا ورنہ — کتنے آنسو پلک تک آئے تھے

چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے — اس گریباں ہی سے اب ہاتھ اٹھایا ہم نے

سرہانے میر کے کوئی نہ بولو — ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

بہت سعی کیجے تو مر رہیے میر — بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

اب چھیڑ یہ رکھی ہے کہ عاشق ہے تو کہیں — القصہ خوش گذرتی ہے اس بدگمان سے

جس جگہ دور جام ہوتا ہے — واں یہ عاجز مدام ہوتا ہے

میر صاحب بھی اس کے یاں تھے پر — جیسے کوئی غلام ہوتا ہے

کبھو وادی عشق دکھلائیے — بہت خضر بھی دل میں گمراہ ہے

آتے کبھی واں سے تو یہاں رہتے تھے اداس — آخر کو میر اس کی گلی ہی میں جا رہے

کھل گئی بات تھی سو ہر اک پر — تو وہی منہ چھپائے جاتا ہے

وہ تو بگڑے ہے میر سے ہر دم — اپنی سی یہ بنائے جاتا ہے

کہتے ہیں جاں بہ لب تھے ہم دوری بتاں سے — آئے ہیں پھر کے یارو اب کی خدا کے ہاں سے

نکتہ داں بھی خدا نے تم کو کیا — پر ہمارا نہ مدعا سمجھے

آسماں شاید ورے کچھ آ گیا — رات سے کیا کیا رکا جاتا ہے جی

میر دریا ہے سنے شعر زبانی اس کی
اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اس کی

تیز یوں ہی نہ تھی شب آتش شوق
تھی خبر گرم اس کے آنے کی

رحم بھی دینا تھا تھوڑا ہائے اس خوبی کے ساتھ
تجھ سے کل کیا گفتگو یہ وہ ادا مختصر سے تھی

وہ کہاں دھوم جو دیکھی گئی چشم تر سے
ابر کیا کیا اٹھے ہنگامے سے کیا کیا برسے

یہ رات ہجر کی یاں تک تو دکھ دکھاتی ہے
کہ شکل صبح مری سب کو بھول جاتی ہے

ڈر کیوں نہ محلے میں رہے رونے سے میرے
سیلاب نے اس کوچے میں گھر مول لیا ہے

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

مقدور تک تو ضبط کروں پر میں کیا کروں
منہ سے نکل ہی جاتی ہے اک بات پیار کی

قاصد کے تصنع نے کیا دل کے تئیں داغ
جیتاب مجھے دیکھ کے کچھ بات بنائی

واعظ ناکس کی باتوں پر کوئی جاتا ہے میر
آؤ میخانے چلو تم کس کے کہنے پر گئے

حیرت سے دیکھ رہیو اے نامہ بر منہ اس کا
بس اور کچھ نہ کہیو ہرگز مری زبانی

حسرتیں اس کی سر شکتی ہیں
مرگ فرہاد کیا کیا تو نے

پتھر کی چھاتی چاہیے ہے میر عشق میں
جی جانتا ہے اس کا جو کوئی وفا کرے

فرہاد و شیبا کی سن کے کہا بے دماغ ہو
دیکھو تو اس بلا کو یہ شاید کہ میر ہے

ترے بندے ہم ہیں خدا جانتا ہے
خدا جانے تو ہم کو کیا جانتا ہے

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

جی ہی دینے کا نہیں کڑھنا فقط
اس کے در سے جانے کی حسرت بھی ہے

اس کا غضب ہے نامہ نہ لکھنا تو سہل ہے
لوگوں کے پوچھنے کا کوئی کیا جواب دے

خدا کرے مرے دل کو ٹک اک قرار آئے
کہ زندگی تو کروں جب تک کہ یار آئے

نہیں ہے چاہ بھلی اتنی بھی دعا کر میر
کہ اب جو دیکھوں اسے میں بہت نہ پیار آئے

حرف النون

ناجی :۔

نام محمد شاکر۔ اس شہر کے شعرا میں سے ہیں۔ اور محمد شاہ کے ہم عصر ہیں۔ ان کی طبیعت ایہام کی طرف مائل ہے۔ ان کا کلام ہے :۔

تری نگاہ کی حسرت سے اے کماں ابرو
ہمارے سینے میں تودا ہوا ہے تیروں کا

محبت سے محل کی دیکھ ناجی
ہوا ہے دل مرا اب حیدر آباد

گر سلیماں کا تخت دیں مت لے
کہ سب آخر کو جائے گا برباد

دیکھ دلبر تری کمر کی طرف
پھر گیا پانی اپنے گھر کی طرف

غم نہیں گر دلبری سے دل کو لے جاتا ہے وہ
پاس میرے جب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

عرض غصے میں کبھی اہل وفا کی نہ سنے
ہٹ پہ آجائے وہ کافر تو خدا کی نہ سنے

تصور سے ترے رخ کی گئی ہے نیند آنکھوں سے
مقابل جس کے ہو خورشید کیوں کر اس کو خواب آئے

نالاں :۔

نام محمد عسکری۔ دہلی کے افلاس زدہ لوگوں میں سے تھے۔ مصحفی نے ان کو اپنے ابتدائی شاگردوں میں شمار کیا ہے۔ دو سال ہوئے کہ نوے برس کی عمر میں انتقال کیا۔ ان کا کلام ہے

سحر کے ہونے کا از بس خیال رہتا ہے
شب وصال بھی دل کو ملال رہتا ہے

وہ بدگماں ہوں کہ اس بت کے ساتھ پر بھی مجھے
رقیب ہی کا سدا احتمال رہتا ہے

نلاآں :۔

عظیم آباد کے شعرا میں سے ایک صاحب ہیں۔ ان کا شعر ہے:۔

کچھ ان دنوں میں تم نے یہ روز نو نکالی ملنا کسی سے جا کر بد نام ہم کو کرنا

نادم :۔

دہلی کے متوسط طبقہ کے لوگوں میں سے ہیں۔ اپنا کلام میر حسین تسکین کو دکھاتے تھے۔ یہ ان کا کلام ہے:۔

آتے ہی تیرے شام ہوئی جلد کس طرح کیا آفتاب داغ دل بے قرار تھا
آج پھر دیکھیں کہ ہوتی ہے سحر کس طور سے شام ہی سے جوش پر کچھ نالۂ شب گیر تھا

ناصر :۔

نام نواب ناصر جنگ۔ یہ نواب مظفر جنگ شکستہ کے فرزند تھے۔ جن کی بزرگی اور بلندی مرتبہ کو ہر شخص جانتا ہے۔ ان کی شمع جلالت چراغ آفتاب کے مانند روشن کرنے سے بے نیاز ہے ۱۲۲۸ھ میں جس دن سورج گہنایا اسی دن ان کی عمر کا چاند گہن میں آگیا۔ ان کا شعر ہے:۔

آگے تو تھی ہی بر سر پیچش کمند زلف پیچھے پڑی ہے کا ہے کو کاکل بلا کی طرح

نادر :۔

نام گنگا سنگھ۔ لکھنؤ کے رہنے والے اور میر حسن کے شاگرد تھے۔ ان کا یہ شعر نظر سے گزرا:

قاصد تو اس بہانے سے اس پاس جائیو
یہ کس کا خط ہے مجھ کو ذرا پڑھ سنائیو

نادرہ۔

نام میر محمد عارف علی۔ اصل وطن ان کا کشمیر ہے لیکن قیام دہلی میں رہتا ہے ان کا شعر ہے

سو طرح سے بات اگر کیجیے تو کھلتا ہی نہیں — معمہ میں اور اس میں دہ جانوں پڑ گئی ہے کیا گرہ

نازک۔

نام زینت۔ یہ ایک مساۃ ہیں۔ ان کا کلام ہے۔

یاد آتے ہیں ان آنکھوں میں اندوہ نشے کے — ساقی سے گل رنگ سے جب جام بھرے ہے

ہے نالہ و زاری کا مرے شور فلک تک — پر وہ بت مغرور کوئی کان دھرے ہے

ناظم:۔

سوا اس کے کہ یہ صاحب لکھنؤ کے ہیں اور کچھ حال معلوم نہیں ہو سکا۔ ان کا شعر ہے:

وصل ایسا ہو گیا اس کے گلے سے میرا تن — رات کو میں یار سے یک جان دو قالب بن گیا

نامی:۔

نام مرزا رجب علی بیگ۔ لکھنؤ کے اعزہ میں سے ہیں۔ امیر الدولہ حیدر بیگ خاں ان کے چچا ہیں۔ ان کا شعر ہے:

بس کہ مدت سے ہے راہ انتظار یار پر — چھا گئی آخر سفیدی دیدۂ خونبار پر

نامی:۔

نام مبارز الدولہ مرزا حسام الدین حیدر خاں بہادر۔ ان کا سلسلہ قرابت احکام لکھنؤ

تک پہنچتا ہے۔ وہ بڑے امرا میں سے ہیں۔ انھوں نے عمدہ طبیعت پائی ہے اور فکر مستقیم رکھتے ہیں۔ ان کے افعال پسندیدہ اور عادات و اطوار شریفانہ ہیں۔ ان کا مثل و نظیر ہونا ممکن نہیں والد بزرگوار کے احبا میں اُن کا شمار ہوتا ہے۔ فن شعر کو انھوں نے میر مستحسن خلیق سے حاصل کیا۔ اب شاعری نہیں کرتے۔ لیکن شعر سننا اب بھی پسند کرتے ہیں۔ ان کے نتائج طبع میں سے یہ اشعار ہیں:۔

دم شماری ہیں مجھے چھوڑ کے جانا کیا تھا
جان جانے کو ہے عاشق کی نہ جانا کیا تھا

رابطہ محبت جو باہم تھا ہم میں ان میں چھوٹ گیا
دونوں طرف سے جو کشیدہ رشتہ الفت ٹوٹ گیا

تابش خور سے نہ کس طرح وہ کملا جائے
عارض یار ہے ہم رنگ گل تازۂ صبح

تھک گئے ہم تو شب ہجر میں نالے کرتے
کیوں سناتا نہیں مرغ سحر آوازۂ صبح

قتل کے دم بھی نہ کچھ نامی نے قاتل سے کہا
کیا بیاں تم سے کروں اس کم سخن کی سرگذشت

امید دل وہی اس سنگدل سے سخت بے جا ہے
مگر ان چاہنے والوں کا پتھر کا کلیجا ہے

مرید پیر مغاں پیر خانقاہ کیے
یہ بے طریق کئی ہم نے رو براہ کیے

نہ اپنوں سے اسے الفت نہ بیگانوں سے ملتا ہے
دلِ وحشی کا اپنے طور دیوانوں سے ملتا ہے

نامی:۔

باوجود اس کے کہ ان کا تخلص نامی ہے۔ ان کا نام معلوم نہیں ہو سکا ان کا کلام ہے:۔

آتش عشق سے نامی کا جگر جلتا ہے
آپ ہنس ہنس کے یہ کہتے ہیں کوئی آ دیکھے

واہ کیا خوب مثل ٹھیک بندھی ہے اس دم
گھر کسی کا جلے اور کوئی تماشا دیکھے

ناسخ:۔

شیخ امام بخش نام۔ ارباب لکھنؤ میں سے ان کی چمن طبع کی نسیم نکہت ریز ہے اور ان کے

فکر کے پھولوں کی خوشبو دلآویز ہے ان کے غور (فکر و خیال) کا طائر بلند پرواز شاخ سدرہ کے علاوہ کہیں آشیانہ نہیں بناتا۔ اور ان کے خیال کا طائر تیز پرواز بام فلک کے علاوہ جلوہ انداز نہیں ہوتا۔ بلند سرمایہ عالی درجہ بلند اندیشہ اور نازک خیال ہیں۔ نئے مضامین اور اسلوب معانی کی تلاش میں بے مثل و مثال ہیں۔ ؎ اصناف شاعری میں وہ غزل سرائی کی طرف مائل ہیں اور غزلیات اور رباعیات کے علاوہ کوئی اور صنف شاعری ان کے کلام میں نظر نہیں آئی تمام عمر لکھنؤ میں رہے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ وہ وہاں کی حکومت کے کارکنوں کی طرف سے مطمئن نہیں رہے۔ اور چونکہ قیام کا موقع نہ تھا، اس لیے الہ آباد چلے گئے۔ پھر کانپور گئے اور اب چونکہ اراکین سابق میں تغیر و تبدل ہو گیا ہے، وہ اپنے مرکز پر پھر واپس ہو گئے ہیں لوگوں کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ وہ لکھنؤ سے باہر تھے، لکھنؤ اور احباب لکھنؤ کے فراق میں انھوں نے درد انگیز اشعار کہے تھے۔ ان کے اس نقل و حرکت کا قصہ طویل ہے اس مختصر تذکرہ میں اس کی تفصیل نہیں آسکتی۔ اس کے علاوہ انداز تذکرہ کے بھی خلاف ہے کہ قصے کہانیاں بیان کروں چنانچہ میرا ارادہ اس کی تفصیل سے بعض مقامات کے علاوہ متعلق نہ ہو سکا۔ ان کا دیوان نظر سے گزرا۔ اس رسالہ کی ترتیب و تحریر کے بعد معلوم ہوا کہ ان کی فکر روشن سے ایک دوسرا دیوان بھی فراہم ہوا ہے اور شہر میں بھی آچکا ہے، لیکن آسودگی پسند طبیعت اس کے انتخاب سے رکی، اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہوا کہ یہ تذکرہ مشہور و عام ہو چکا تھا۔ اب اس میں تبدیلی نامناسب نظر آئی البتہ ایک دو اشعار ان نئی غزلوں کے بھی لکھ دیے ہیں جو احباب لکھنؤ نے ارمغاں میں بھیجے تھے

مہندی سے ہے شعلہ قدم اس رنگ پری کا ‌ ‌ ‌ پاپوش نے سیکھا ہے چلن کبک دری سے

ہم نے جو بتی بنائی ہے ترے موقاف کی ‌ ‌ ‌ نافۂ مشکیں بنا ہے منہ ہر اک ناسور کا

ایڑیاں بھی اب رگڑ سکتا نہیں کروٹ تو کیا ‌ ‌ ‌ ہو چکا تابوت بن اے آشنا ترے رنجور کا

عکس پڑتا ہے جو تیرا آئینہ میں پیشتر ‌ ‌ ‌ اضطراب اس واسطے جاتا رہا سیماب کا

یہ ساعدوں کا ہے اس کے عالم کہ جس نے دیکھا ہو اوہ بے دم
نیام تیغ قضا سے مبرم لقب ہے قاتل کی آستیں کا

مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہو گیا
آفتاب اونچا ہوا اتنا کہ تارا ہو گیا

محشر میں ہم کو نامۂ اعمال دیکھ کر
قاصد خیال آئے گا خط کے جواب کا

کافروں میں ہم رہیں محروم واعظا
کرمے کدہ پہ حکم نہ جاری فرات کا

دے دوپٹہ تو اپنا ململ کا
ناتواں ہوں کفن بھی ہو ہلکا

پر لگائے مجھے وحشت نے اڑا پھرتا ہوں
مجھ سے پامال کوئی خار بیاباں نہ ہوا

اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے
آج آتی شب فرقت میں تو احساں ہوتا

وصل سے یاں آج بھی ہے عید کل بھی عید تھی
کیا شب فرقت میں ظالم طول تھا اک سال کا

ذبح کر ڈالوں گا گر اب کے تو بولا شب وصل
میں نے سو بار تجھے مرغ سحر چھوڑ دیا

تھی شہادت سے غرض سو اس ادا میں ہو گئی
گو نہ قاتل سے نزاکت کے سبب خنجر اٹھا

دور سے دے گی دکھائی روشنی جا کے سواد
یاد رکھ قاصد نشاں ہے یہ دیار یار کا

لاغر ایسا ہوں کہ میں اکثر ہوا سے اڑ گیا
میرے پیکر میں ہے عالم کاغذی تصویر کا

آگے کشت آرزو کی آبرو میر کا رہے
برق ہی گرتی جو میں باران رحمت مانگتا

ہاتھ دو ڈرا تھے زمیں سے سو شہید ناز نے
آگیا چلنے میں قاتل کا جو داماں زیر پا

دیں گے تیرے بازوے نازک کو پھر تکلیف تیغ
لائیو اپنے شہیدوں کا نہ مدفن ذیر کا

بس میں ہوتا نہ پرائے میں کبھی اے ناسخ
آہ میرا مرے قابو میں اگر دل ہوتا

لے چلی موت مجھے سوئے حسینان بہشت
ایک دم پاس جو وہ حور شمائل نہ ہوا

روز روشن تیرہ بختی سے نہ دیکھا عمر بھر
شب کی شب گویا میں اس محفل میں مہماں رہ گیا

اشک بے تاثیر کو نادم کیا برسات نے
مینہ کے باعث میرے گھر میں رات جاناں رہ گیا

شوق اسے کہتے ہیں مجنوں جو لحد سے نکلا
شور محشر کو بھی آواز حدی خواں سمجھا

تجھ سے انصاف تو کر چھٹ نہ سکا ایک رقیب
میں نے کیوں کر تری الفت میں زمانا چھوڑا

کیا خبر تھی کہ ترے غیر کی دل میں ہے جگہ
بات ہم نے نہ کوئی تیرا ٹھکانا چھوڑا

کس چین سے ہم اس کے تصور میں محو تھے
کنج لحد میں شور قیامت مخل ہوا

ثابت قدم ہم اپنی وفا پر جو ہیں سو ہیں
ناسخ ہزار بار وہ پیماں گسل ہوا

کی ہے یاں شدت سی شدت پر تنگاں اشک نے
کیوں نہ واں آجائے موسم سبزے کے آغاز کا

ہاتھ میں تیرے نہ ٹھہرے گا وہاں مکتوب شوق
یاد رکھ قاصد یہی ہے بس نشان کوئے دوست

ہے یہاں کس کو شب فرقت میں ہوش
ہو چکی ہو گی ہزاروں بار صبح

اس نے جس سنگ پہ کھودی تھی شبیہ شیریں
قبر فرہاد کو لازم ہے اسی کا تعویذ

اپنے صنم کوے کے شب وصل باغ میں
بھاگا میں آشیانہ مرغ سحر سے دور

مر گیا کیا ناسخ میکش جو سارے مے فروش
مسجدوں میں بیٹھے اپنی اپنی دکان چھوڑ کر

اے مے کشو نزاکت ساقی کو دیکھنا
لاتا ہے رکھ کے مثل سبو جام دوش پر

رنج اٹھائے ہیں حسینوں سے جہاں میں اس قدر
بعد مردن بھی نہ آنکھ اپنی پڑے گی حور پر

خط جو ہم کر چکے تحریر تو پہچانے کو
آشیانوں سے نکل آئے کبوتر باہر

بس یہی تدبیر اب ان کے بھگانے کی رہی
جی میں ہے ہو جاؤں عاشق چند روز اغیار پر

شب جو الٹی اس نے روئے حیرت افزا سے نقاب
چاندنی مثل سفیدی رہ گئی دیوار پر

جنت کو جائیں گے لیے دوزخ بغل میں ہم
ناسخ یونہی جو بعد فنا ہے وفائے داغ

پہلے تیشہ مارتے خسرو کے اے شیریں دہن
جی نہ کھوتے مفت اپنا ہوتے گر فرہاد ہم

حال دل کہنے کے ناسخ جو نہیں پاتا بار
پھینک جاتا ہے وہ اشعار ترے کوچے میں

انتقام اس کا کہیں لے نہ فلک ڈرتا ہوں
جھوٹے وعدوں سے جو وہ شاد کیا کرتے ہیں

عشق میں دل ہی پھنسایا تو ہوا غیر کو رنج
نہیں اپنے میں مزہ جو ہے بیگانے میں

دکھلا گیا کبھی نہ وہ چشم سیاہ کو
آنکھیں مری سفید ہوئیں انتظار میں

سر رگڑوں آستان بت نازنیں سے میں
ہے جی میں داغ سجدہ مٹاؤں جبیں سے میں

فیلسوفی محتسب کی دیکھنا اے مے کشو
توڑتا ہے شیشۂ مے میکدے کی راہ میں

پیش تر نشۂ ایجاد سے بے ہوش ہوں میں
خم گردوں بھی نہ تھا جب کے مدہوش ہوں میں

جو مجھ کو یار نے مارا تو غیر کر کر قتل
عزیزو اس کے سوا اور انتقام نہیں

عشق کا ہو درد اے ناسخ نہ کیوں کہ لادوا
زخم ہائے تیر مژگاں کا نشاں ہوتا نہیں

وہ ادھر رخصت ہوا اٹھا ادھر طوفان اشک
تیرتا جاتا ہے اس قاتل کا توسن آب میں

ہم مست بھی ہیں تارک لذات زاہدا
اک دن تو دیکھ کیسی ہے تلخی شراب میں

صبح فرقت تیرگی میں شام سے کچھ کم نہیں
چاند نکلا ہے افق سے تیر اعظم نہیں

ہر کسی کا کام رکھتا ہے ادھورا آسماں
گر ہمہ پہنچا سر شوریدہ تو پتھر نہیں

قوی ہوں گو ستم آسماں سے نزار ہوں میں
الجھ کے دامن محشر پھٹے وہ خار ہوں میں

ہوا اگرچہ سبک دشمنوں کی نظروں میں
پر اپنے دوست کے دل پر ہنوز بار ہوں میں

بارہا بیٹھ کے کعبہ میں لنڈھائی ہے شراب
محتسب کیا ہے خدا کا ہمیں جب پاس نہیں

کیوں اٹھا لاتے ہیں ہمدم مجھ کو ناسخ بعد قتل
چین سے لاشہ پڑا تھا کوچۂ سفاک میں

ہے جو یوں مکروہ طبع پاک کو مضمون غیر
وصل کا مضمون شایاں اپنے ہی دیوان میں ہے

رحمت حق جوش پر ہے کیوں نہ عصیاں کیجے
شغل بہتر مے کشی سے ابر و باراں میں نہیں

بھلا تکبر و غیبت سے زاہدا حاصل
یہ رند کیا ہی مزے کے گناہ کرتے ہیں

رفعت کبھی کسی کی گوارا یہاں نہیں
جس سر زمیں کے ہم ہیں وہاں آسماں نہیں

دھوکا نہ کھا ظروف وضو کو تو دیکھ کر
مسجد ہے مے فروش کی ناسخ دکاں نہیں

صبح محشر سے سوا صبح شب وصل ہے ناسخ
آج ہے تجھ سے زیادہ شب فرقت ہم کو

دم اخیر تو کروں نظارہ جی بھر کر
الٰہی خنجر سفاک آب دار نہ ہو

دو شب تار سے تشبیہ ہمارے دن کو
تیرگی سے نظر آتے ہیں ستارے دن کو

نہ کیوں بندہ رقیبوں کو جلائے اے بت تو ہر دم
جہنم میں خدا بھی ڈالتا ہے اپنے دشمن کو

یوں نزاکت سے گراں ہے سرمہ چشم یار کو
جس طرح ہو رات بھاری مردم بیمار کو

رحم آجائے اگر موران کوئے یار کو
کھینچ لے جائیں لحد سے میرے جسم زار کو

دعائے مرگ دی اس کو تری جور و جفا نے کر
نیست آیا ترے بیمار کی جو چارہ سازی کو

بھولے نہ بعد مرگ بھی ہم رقص یار کو
ٹھوکر کی آرزو ہے ہمارے مزار کو

آئی شب وصال ہوئی صبح شام سے
قسمت نے آفتاب کیا ماہتاب کو

ہوش اڑتے ہیں جو سنتا ہوں تری آواز کو
کیا ترے پردے سے نسبت پردہ ہائے ساز کو

تیرے کوچے کے سوا ہو جو تمنائے بہشت
جاؤں دوزخ کو مرا حشر ہو شداد کے ساتھ

کیسے شب وصل آئے نظر شام و سحر ساتھ
گھڑیالیوں نے دونوں بجائے ہیں گجر ساتھ

خط نکل آیا وہاں باقی ہے یاں مضمون شوق
دیکھیے کب ہو فراغت نامۂ تحریر سے

فندقوں سے گوری گوری انگلیاں ہیں مثل شمع
ہے بجا تمثیل ناخن گیر کو گل گیر سے

مے پرستو آؤ کر لیں محتسب کو سنگسار
بچ رہے ہیں سنگ کچھ میخانے کی تعمیر سے

زار انتظار خط نے کیا اس قدر مجھے
پہچانتا نہیں ہے مرا نامہ بر مجھے

یہ آدمی ہے کہ برسوں جلال رہتا ہے
وگرنہ ماہ کو یک شب کمال رہتا ہے

یہ بھپک رہا ہے مرا جسم آتش غم سے
کہ طوق بھی مری گردن میں لال رہتا ہے

ٹھوکر اک پائے حنائی سے لگایا چاہیے
پھول کوئی میری تربت پر چڑھایا چاہیے

داغ فرقت زیست بھر سوز جہنم بعد مرگ
ان بتوں کو کس توقع پر خدایا چاہیے

یاں سرکاوش توانائی کے عالم میں نہ تھا
آج جسم ناتواں کیوں خار پائے مور ہے

تنگ ہو کر جب کہا میں نے کہ مر جاؤں کہیں
بدگماں سمجھا کہ اس کو اشتیاق حور ہے

آتے آتے کیوں نہ الٹے پاؤں بھاگے عدو سے
صبح ڈرتی ہے بہت میری شب دیجور سے

یاد کی مانند ساقی سے اڑا پانی مجھے
کشتی مے ہو گئی تخت سلیمانی مجھے

آیا مہ صیام علی الرغم محتسب
روزے شراب سے سر بازار توڑ دے

فرقت قبول رشک کے صدمے نہیں قبول — کیا آئیں ہم رقیب تری انجمن میں ہے
فصل گل ہے چار دن ایام توبہ ہیں مدام — عمر بھر اے میکشو باب اجابت باز ہے
یہ لگی چاٹ مرے زخموں کو تسکیں نہ ہوئی — ہو گئے یار کے کہتے ہی نمکداں خالی
دو چار حزیں پہنچیں اگر اور بھی ہم سے — ہستی کی طرف منہ نہ کرے کوئی عدم سے
نالے سیاہ ہوتے ہیں تشبیہ کے لیے — مضمون ڈھونڈتا ہوں اگر اس کے خال کے
ڈر تھا اثر کا اس کو سو وہ بھی نکل گیا — نادم ہوا ہوں منہ سے میں نالہ نکال کے
مشرق سے کانپتا نہیں نکلا یہ بے سبب — خورشید ڈر گیا مرے روز سیاہ سے
دھوئی کیوں اشک کے طوفان سے لوح محفوظ — سرنوشت اپنی ہی ناسخ نے مٹائی ہوتی
شوق مے نے کر دیا اس درجہ مجھ کو بے حواس — محتسب سے راہ پوچھی خانۂ خمار کی
اے موذن کر دعا جائے اذان — وصل کی شب اور کوئی دم رہے
وصل کو کہا ہے ناسخ درد عاشق کی دوا — دل ہمارا قابل تشخیص جالینوس ہے
دامن اگر نہ فتنۂ محشر سنبھالتا — چلنا محال تھا اسے دامن کے بوجھ سے
میرے لاشے کے وہ ہمراہ لحد تک ہو لیے — اے اجل تیرا قدم مجھ کو مبارک ہووے

نثار:۔

عبدالرسول نام۔ اکبر آباد کے شعراء میں سے ہیں۔ میر و سودا کے ہمعصر ہیں۔ ان کا کلام ہے:

ہاتھ سے ان خانہ زیبوں کے نکل جائیں گے ہم — یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلائیں گے ہم
ماہ رو کی جو مہربانی ہے — یہ مدد ہم پر آسمانی ہے
اس کے عارض کو دیکھ جیتا ہوں — عارضی میری زندگانی ہے
جب حرف محبت کے باہم سے گئے گذرے — ہم تم سے گئے گذرے تم ہم سے گئے گذرے
تم انجمن میں رات عجب آن سے گئے — بسمل کئی پڑے تو کئی جان سے گئے

نثار :۔

نام نثار علی بلگرامی۔ ایک عاشق مزاج انسان ہیں۔ ان کا کلام ہے :۔

اترے ملک فلک سے یوسف زمیں سے نکلے — ممکن نہیں کہ تجھ سا کوئی کہیں سے نکلے
بوسے کے بدلے گالی شیریں لبوں سے پائی — یہ بھی نصیب اپنے زہر انگیں سے نکلے

نثار :۔

محمد امان۔ باپ کا نام سعادت اللہ معمار۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے باپ نے جن عمارتوں کی بنیاد رکھی تھی ان میں سے ایک دہلی کی جامع مسجد بھی ہے۔ خود ان کو بھی فن تعمیر میں کافی دستگاہ ہے۔ فن شاعری کو انھوں نے شاہ حاتم سے حاصل کیا۔ ان کا کلام ہے :

اس ابر میں وہ ساقیٔ گلفام نہ آیا — کیا یار جو یاروں کے کبھی کام نہ آیا
چھوڑ کے تنہا مجھے جب کہ وہ گھر جائے گا — جان ادھر جائے گی یار ادھر جائے گا
اس کے پاؤں سے لگی رہتی ہے دن رات حنا — خوب دنیا میں بسر کرتی ہے اوقات حنا
اے محتسب نظر کی تو نے اگر سبو پر — سنتا ہے مر مٹیں گے ہم اپنی آبرو پر
نامے کو مرے پڑھ کے پٹک دے ہے زمیں پر — دیکھی رقم شوق کی تاثیر سو کیا خاک
خوبی میں ترے حسن کے کچھ حرف نہ شک ہے — لیکن یہ ذرا خط ہے سو اصلاح طلب ہے
زخمی کو محتسب کے ہر طرح سے راحت ہے — گر لون بھی تو چھڑکے ہر تو سنگ جراحت ہے
مجھ میں اور ان میں سبب کیا جو لڑائی ہو گی — یہ ادائی کسی دشمن نے لڑائی ہو گی
گردش کا اس نگاہ کی اب طور اور ہے — اے ساکنان میکدہ یہ دور اور ہے
صورت موافقت کی کبھی سوجھتی نہیں — صاحب کی وضع اور مرا طور اور ہے
اس آئینہ طلعت کی اب مجھ سے یہ صورت ہے — ظاہر میں صفائی ہے باطن میں کدورت ہے

نجف :-

نام میر نجف علی - قدما میں سے ہیں - ان کا شعر ہے :-

کس طرح رابطہ نہ ہو زلف سے دیوانوں کو
رابطہ ہوتا ہے پریشاں سے پریشانوں کو

نجابت :-

نام سید زین العابدین - لوگوں کا کہنا ہے کہ فارسی میں بہت مہارت رکھتے ہیں خاص طور پر قصائد میں فارسی کلام ان کا میرے پیش نظر نہیں ہے - کبھی کبھی اردو میں بھی فکر شعر کرتے ہیں - ان کا کلام ہے :-

یاں تلک سر کو بلک ہجر میں توڑے پتھر
کہ نہیں دامن کہسار میں چھوڑے پتھر

آنکھیں پتھرا گئیں تس پر ہیں ٹپکتے آنسو
بل بے ہجراں تری قدرت کہ نچوڑے پتھر

ندرت :-

نام مرزا مغل - اگلے لوگوں میں سے ہیں - ان کا شعر ہے :-

مجھے تو پائے تخت عیش ہے نقش قدم اس کا
بڑی دولت ہے ندرت جو میسر ہو مجھے پابوسی

ندیم :-

نام مرزا علی - مشہور مرثیہ گویوں میں سے ہیں - اور میر و مرزا کے حلقہ میں دہلی میں بسر کرتے ہیں - ان کا شعر ہے :-

جدائی میں ترے ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں
بجائے مو بدن سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں

نزہت :۔

نام مرزا ارجمند۔ نواب اعتماد الملک کی سرکار میں نامہ نویسی کی خدمت کے سلسلہ میں قیام تھا۔ ان کا شعر ہے :۔

چاک کر پھینک دیا ہاتھ کا الجھاؤ گیا ایک قصہ تھا گریبان کے سلوانے کا

نزاکت :۔

بدیع الجمال، جان نواز، دل آرام، ماہ پیکر روشن رخ ہستی، جن کا نام رجو ہے۔ ان کا وطن بلدۂ نارنول ہے۔ بچپن سے دہلی میں قیام ہے۔ اور اس شہر میں رونق افروز ہیں۔ وہ ایک شاہد شیریں اور دلبر نمکین ہیں۔ ان کے رخ روشن کی تڑپ کے سامنے آفتاب کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔ اور ان کے قامت کے زیبائش سے شمشاد شرم سے زمین میں گڑ جاتا ہے غنچہ ان کے لب خنداں سے طرز تبسم سیکھتا ہے۔ اور شمع ان کے رُخ روشن کے مقابلہ میں اپنا چہرہ نورانی کرتی ہے۔ ان کی گلی کی ہوا باد بہاری کے مقابلہ میں زیادہ عطر بیز ہے۔ اور ان کے بالوں کی خوشبو، تتاری ہرنوں کے نافوں سے زیادہ رنگ و بو کی بارش کرتی ہے۔ ان کی شکل و صورت اور عادات و اطوار پسندیدہ ہیں۔ مبارک قدم، خوش سلیقہ، نازک ادا خوش خرام۔ بہار جوانی کا تازہ پھول، اور باغ زندگانی کا ثمر نورس ہیں۔ وہ گلستان حسن کی سرو نوبہار ہیں، ان صفات ظاہری کے ساتھ ساتھ باطنی محاسن سے بھی آراستہ و پیراستہ ہیں۔ اب حسن صورت کا کیا ذکر، جب کہ حسن باطنی اس سے سوگنا زیادہ ہے۔ وہ صفائی فکر، جودت ذہن اور رسائی فہم میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ ان کی طبع لطیف اپنی فطرت کے مطابق، فنون میں کمال حاصل کرنے کی طرف مائل ہے۔ اور اپنی سرشت کی بنا پر ان کو ناپسندیدہ طریقوں سے کلی نفرت ہے اور

اچھی عادات سے رغبت رکھتی ہیں۔ وہ بہت عقلمند، زیرک، سمجھدار شوخ اور سنجیدہ ہیں۔ آئین دردمندی و بے دردی وفا پروری و بے رحمی سے خوب باخبر ہیں۔ کبھی کبھی نغز سخن اور دلکش اشعار کی تخلیق کرتی ہیں۔ ان کا طرز کلام بہت عمدہ ہے۔ یہ چند شعر ان کے ہیں۔

بسکہ رہتا ہے یار آنکھوں میں — ہے نظر بے قرار آنکھوں میں

محفل گل رخاں میں وہ عیار — لے گیا دل ہزار آنکھوں میں

سرمۂ خاک پا عنایت ہو — آگیا ہے غبار آنکھوں میں

کیسے جور رقیبوں سے برائی تو کرے وہ — ہے وہ ہی وفادار جو بلیس ہے نباہی

پڑا ہے خون دل سر سے قدم تک جابجا میرے — بنایا تھا مجھے گویا کہ خاک کوئے قاتل نے

کہتا ہے آپ کی بھی ہے کیا عاشقی غلط — گر کہیے تیرے عہد میں الفت نہیں رہی

کیا کیا عذاب اٹھائے ہیں اندوہ عشق کے — جز نام اب تو کچھ بھی نزاکت نہیں رہی

ہوں نزاکت وے کوئی کیا ذکر — دم رخصت ترے سنبھال سکے

کیوں نہ میں قربان ہوں جب وہ کہے ناز سے — ہم کو جفا کا ہے شوق اہل وفا کون ہے

وہی شوق پنہاں کی تاثیر دیکھو — کہ دلدار بھی دلربا جانتا ہے

نزاکت ہوں ہر ناتوان محبت — لطیفہ مرے نام کا جانتا ہے

نامنصفی اور اے بت بیداد گر ایسی — چاہت تری غیروں کو بھی ہوگی مگر ایسی

حرماں ہے اگر چاہ کی تقدیر تو ظالم — تقصیر نہ ہوگی کبھی بار دگر ایسی

ہم بزم میں دشمن کو چھپا نا ہی تھا قاصد — کہتا ہے کسی سے کوئی نادان خبر ایسی

نسیم:

نام گلزار علی۔ شرف الدین مسرور کہتے ہیں کہ وہ ان کے والد سے کسب سخن کرتے تھے۔ ان کا کلام ہے :۔

جنت اگر ملے تو مجھے اب نہیں تلاش — اے وائے کیا کروں کہ ہے وہ رشک حور دور

غیروں کے ساتھ اس کو تو ماری تپاک ہے ۔۔۔ اک ہم ہی اے نسیم اڑانے کو خاک ہیں

نسیم نو۔

نام مرزا راجہ کدار ناتھ بہادر۔ یہ راجہ رام ناتھ بہادر کے پوتے تھے۔ یہ صاحب ایک سنجیدہ انسان تھے۔ ان کا شمار معززین میں ہوتا تھا۔ دربار سلطانی کی پیشکاری نظارت کا عہدہ وراثتاً ان کے متعلق تھا۔ دو سال ہوئے کہ وفات پائی۔ ان کا شعر ہے۔

قتل ہاتھوں سے ترے عاشق رنجور ہوا ۔۔۔ درد سر روز کا تھا خوب ہوا دور ہوا

نشاط:۔

نام مولوی الٰہی بخش۔ پڑھے لکھے سمجھدار لوگوں میں سے ہیں۔ ان کا مکان قصبہ کاندھلہ میں ہے۔ انھوں نے علمی فنون کو مولانا عبدالعزیز طاب ثراہ سے حاصل کیے اور اس میں خاص طور پر ممتاز رہے۔ وہ ایک بے نظیر فقیہ ہیں۔ ان کا شعر ہے۔

تیغ ابرو کا اگر کچھ بھی اشارا ہو جائے ۔۔۔ آپ کا نام ہو اور کام ہمارا ہو جائے

نشاط:۔

نام ایسری سنگھ عرف بسنت سنگھ۔ قوم کائستھ۔ والد کا نام سندر داس تھا جو خالصہ شریفہ کے دفتر کے متصدی تھے۔ اپنے کو انشاء اللہ خاں کا شاگرد بتاتے تھے۔ ان کا کلام ہے:

کوئی تڑپے ہے مارا چشم کا اور کوئی قامت کا ۔۔۔ ترے کوچے میں ہے گرم آج ہنگامہ قیامت کا

پاؤں تک دسترس کہاں ہے نشاط ۔۔۔ ہاتھ سے ہاتھ لگ نہیں سکتا

ہو اجازت تو ذرا لیجیے دم سائے میں ۔۔۔ تیری دیوار کے آ پہنچے ہیں ہم سائے میں

تڑپوں ہوں دیکھنے کو ہے وقت آخری یہ ۔۔۔ وہ آئے یا نہ آئے یارو بلا تو دیکھو

نصیر:-

نام شاہ نصیر الدین۔ سجادہ نشیں۔ شاہ صدر جہاں علیہ الرحمہ والغفران کے خلفا میں سے ایک ہیں۔ ساٹھ سال سے جذب کی کیفیت طاری ہے۔ اکثر مشہور شہروں میں مثلاً لکھنؤ وحیدر آباد وغیرہ کئی کئی دفعہ گئے اور ہر شہر کے مشہور شعراء سے ملے۔ ان سے مقابلے اور مشاعرے کئے۔ اور استادی میں نام پیدا کیا۔ جہان آباد کے دوران قیام میں ہر ماہ کی پندرہ اور ۲۹ تاریخ کو محفل مشاعرہ منعقد کرتے ہیں اور بڑی مشکل زمینوں کے مصرع طرح دیتے ہیں۔ مجھ سے بھی شناسائی اور تعارف ہے۔ نیک آدمی ہیں اور ان کے عادات واطوار اچھے ہیں۔ ان کا کلام ہے:-

پشت لب پر ہے ترے یہ خط ریحاں ایسا
منہ تو دیکھو لکھے یاقوت رقم خاں ایسا

نکلے تھی دم تیشہ زنی سنگ سے آواز
فرہاد یہ دشمن ہے تری جان کا لوہا

قیامت آپ کا قد اس کے دل پذیر ہوا
چھڑی لے سرو چمن لے نوا فقیر ہوا

کمان وتیر نمط ربط تھا مجھے اس سے
جب اس نے آپ کو کھینچا میں گوشہ گیر ہوا

خود بخود طاق سے شیشہ جو گرا اے ساقی
روح تھی کس کی یہ مینائے مے ناب میں بند

قدم نہ رکھ مری چشم پر آب کے گھر میں
بھرا ہے نوح کا طوفاں حباب کے گھر میں

کبھو نہ اس رخ روشن پہ چھائیاں دیکھیں
گھٹائیں چاند پہ سو بار چھائیاں دیکھیں

سب سے ملاؤ ابرو ہم سے نفاق رکھو
اس دوستی کو اپنی بالائے طاق رکھو

دیجے دل میں کیوں جگہ اس آہ بے تاثیر کو
جس میں پیکاں بھی نہ ہو رکھنا ہے کیا اس تیر کو

یہ عالم اس کے خط سبز نے دکھایا ہے
کہ جس کو دیکھ کے عالم نے زہر کھایا ہے

شوق نظارہ ترا کھینچ کے لایا تھا اسے
گرچہ تھی قیس کے پاؤں میں سلاسل بھاری

دیکھ لیتے جو اٹھا کر ترے کیا ٹوٹتے ہاتھ
لیلیٰ ایسا تو نہ تھا پردۂ محمل بھاری

دل کا کیا مول بھلا زلف چلیپا ٹھہرے
تیرے کچھ کانٹھ گرہ میں ہو تو سودا ٹھہرے

جنبش لب پہ قیامت ہے کہ جی اٹھے ہم
آج اک بات میں تم رشک مسیحا ٹھہرے

دل یہ کہتا ہے کہ مت یاد بتاں دلواؤ
چھیڑنے کا مرے پھر آپ مزا دیکھیں گے

دیکھنے بیٹھا جو وہ مہ اپنے گھر کی چاندنی
جب تلک بیٹھا رہا ہرگز نہ سر کی چاندنی

درپردہ آنکھ یار سے لڑتی ہے رات سے
تارنگہ کو رشتہ ہے چاک قنات سے

نظیر:۔

نام شیخ ولی محمد اکبرآبادی۔ ان کا مکان روضہ تاج گنج کے پڑوس میں ہے۔ جو کہ بیرون شہر واقع ہے۔ "ایسا شہر تو شہروں میں پیدا ہی نہیں کیا گیا" (آیت قرآن) کہ یہ ذکر باغ شداد کے لیے آیا ہے۔ اسی پے مہر بہ وہاں ہوں ورنہ اس چمن کی تعریف میں یہی حقیقت زبان پر آتی ۔ . . . . لوگوں کا بیان ہے کہ نظیر حلم و خلق اور انکساری میں بے نظیر تھے۔ بچوں کو تعلیم دے کر زندگی بسر کرتے تھے۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ اس عالم فانی سے جنت کو سدھارے۔ ان کا کلام بہت ہے جو بازاری لوگوں کی زبانوں پر ہے۔ ان اشعار پہ نظر رکھتے ہوئے ان کے کلام کا شمار کیا جانا چاہیے۔ لیکن منتخب اشعار کی رعایت سے قطع نظر کی گئی۔ اُن کا کلام ہے:۔

سبھوں کو مے ہمیں خونناب دل پلاتا تھا
فلک ہمیں پہ تجھے کیا یہ زہر کھانا تھا

ہم نے چاہا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد
وہ بھی کمبخت ترا چاہنے والا نکلا

داغ مرنے کا دہی محروم جانے جس کو آہ
موت آپہنچے شتاب اللہ یار آیا دیر کر

سر چشمۂ بقا سے ہرگز نہ آب لاؤ
حضرت خضر کہیں سے جاکر شراب لاؤ

عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے
دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے

میں دست و گریباں ابھی دم باز نہیں ہے
ہمدم اسے لاتا ہے تو لا جلد کہیں سے

کچھ نہ دیکھا ہم نے جز بیداد تیرے ہاتھ سے　　اے مرے بیداد گر فریاد تیرے ہاتھ سے

نظیر:-

نام گنپت رائے - مذہباً ہندو اور شاہ نصیر کے شاگرد ہیں۔ ان کا شعر ہے:-

کیا زرد ہوئیں عشق کی آزار سے آنکھیں　　ہم چشم ہیں اب نرگس بیمار سے آنکھیں

نظیر:-

یہ بنارس کے ایک صاحب کا تخلص ہے۔ جو اپنے کو سودا کا شاگرد بتاتے ہیں ان کا شعر ہے:-

تا دیکھ نظر دیکھے تجھے اے مہ تاباں　　رہتا ہے سدا مہر درخشاں ہمہ تن چشم

نظام:-

نام نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر۔ یہ ایک جلیل القدر وزیر اور عالی شان امیر ہیں۔ ان کا حال شرح و بیان سے مستغنی ہے۔ مرزا رفیع سودا، ان کے مداح ہیں۔ قصیدہ کا خزینہ جو انھوں نے بڑی شان و شوکت سے ان کی مدح میں کہا ہے ہر خاص و عام کی زبان پر ہے۔ اور ان کو اکثر زبانوں میں شاعری کرنے پر قدرت ہے۔ میر شمس الدین فقیر و الہ داغستانی ان کے مصاحب ہیں۔ ان کے نتیجہ فکر سے یہ اشعار ہیں:-

اعجاز لب اس کا دم عیسیٰ سے نہیں کم　　وہ پنجۂ سیمیں ید بیضا سے نہیں کم

معدوم کو کیوں کر کوئی ثابت کرے دانا　　مضمون کمر یار کا عنقا سے نہیں کم

نوازش:-

نام نوازش حسین - جو مرزا خانی کے نام سے مشہور ہیں نواب ناصر خاں کے پوتے ہیں

میر سوز کے شاگرد ہیں۔ صاحب دیوان ہیں۔ لیکن ان کا دیوان میری نظر سے نہیں گزرا۔ ان کا کلام یہ ہے:۔

نہ باتوں باتوں میں بات نکلی ہی کے شدید بس اپنے ڈرے
عزیز جب تک جیا نوازش کبھی سے کرتے سخن نہ دیکھا

مری چشم خونبار کے کر حوالے
رنگا چاہے گر ارغوانی دوپٹہ

یہ بل کرتا ہے تو نوک مژہ کی آبداری پر
تجھے یہ طنطنہ کتنا ہے اتنی سی کٹاری پر

مجھے رونا نہ اپنے حال پر کس طرح سے آوے
نوازش برق بھی ہنستی ہے میری بے قراری پر

یہ سانس ہے پیکاں ہے نشتر ہے کہ دل ہے
کانٹا سا کھٹکتا ہے یہ کیا دیکھیو بر میں

اس تند خو سے بوسے میں نے بصد سماجت
جب سو پچاس مانگے تب تین چار ٹھہرے

نیاز:۔

نام مولوی نیاز احمد۔ یہ صاحب صوفی مشرب اور صافی طینت ہیں۔ قیام بریلی میں ہے۔ ان کا کلام ہے:۔

وہ جو نقش پا کی طرح رہی تھی نمود اپنے وجود کی
سو کشش نے دامن ناز کی اسے بھی زمیں سے مٹا دیا

مجھے چین خواب عدم میں تھا نہ تھا زلف یار کا کچھ خیال
یہ جگا کے شور ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

صبر و قرار و شکیب طاقت و تاب و تواں
اور تو سب چل بسے رہ گئی اک جان تو

ہجر کی جو مصیبتیں عرض کیں اس کے روبرو
ناز و ادا سے مسکرا کہنے لگا جو ہو سو ہو

نیاز:۔

نام میر محمد اکبر آبادی۔ ان کا پیشہ معلمی ہے۔ اُن کا شعر ہے:۔

کہاں ہے دسترس اپنی جو پہنچے تیرے داماں تک
نہ پہنچے ناتوانی سے یہ ہاتھ اپنے گریباں تک

حرف الواوٗ

واصفؔ :-

حسن بخش خان اعظم الدولہ نے ان کو اپنا چچازاد بھائی اور اپنا شاگرد لکھا ہے ان کا شعر ہے :-

آتا ہے دل ہیں چاک گریبان کیجیے　　صحرا کے آج چلنے کا سامان کیجیے

واصلؔ :-

نام محمد واصل - بادشاہی محل کے زنانخانہ کے افسر ہیں - ان کا شعر ہے :

سرگرم ناز کیوں نہ ہو وہ رشک آفتاب　　عالم میں اس کے حسن کا بازار گرم ہے

وجیہہؔ :-

نام وجیہہ الدین خاں بہادر - یہ حسام الدولہ نواب حسام الدین خاں بہادر کے چھوٹے بھائی ہیں - یہ شاہی کار پردازوں کے افسر تھے - اپنا کلام فاخر مکیں کو دکھاتے تھے - فارسی میں برترؔ تخلص تھا - یہ ان کا شعر ہے :-

تسکین درد دل کو نہ آج ہو نہ کل ہو　　بے یار بے کلی ہے وہ ہی ملے تو کل ہو

وحشتؔ :-

جعفر علی حسرتؔ کے شاگردوں سے ہیں - مزید حال معلوم نہ ہو سکا - ان کا شعر ہے :

آہ آگے تو نکلتی تھی جگر سے باہر   اب جگر نکلے ہے خود دیدۂ تر سے باہر

وحشتؔ :۔

نام میر ابوالحسن۔ مینو سواد جہان آباد کے رہنے والے ہیں۔ ان کا شعر ہے :۔

میں نے شروع نزع میں کی تھی تجھے خبر   پہنچا تو اس گھڑی کہ مرا کام ہو چکا

واقفؔ :۔

یہ صاحب فیض آباد کے ایک درویش تھے۔ جن کے اشعار فی الواقع دلچسپ ہوتے تھے۔ ان کا کلام ہے :۔

سرو ہی بازار خوباں گرم بازاری نہیں   کتنے یوسف دیکھتا ہوں پر خریداری نہیں

خوب رو ہو کے وہ وفا ہووے   میں نہ مانوں اگر خدا ہووے

عشق میں کیا فضل و ہنر چاہیے   آہ میں تھوڑا سا اثر چاہیے۔

صبح پر وصل یار کی ٹھہری   ہائے پھر انتظار کی ٹھہری

والہؔ :۔

فیض آباد کے ہندوؤں میں سے ایک صاحب ہیں۔ دہلی بھی آئے تھے۔ ان کا کلام ہے :

اعجاز لب اس کا دم عیسا سے نہیں کم   وہ پنجۂ سیمیں ید بیضا سے نہیں کم

معدوم کو کیوں کر کوئی ثابت کرے والہؔ   مضمون کمر یار کا عنقا سے نہیں کم

والہؔ :۔

نام مرحمت خاں۔ کشمیر الاصل ہیں۔ اور وہ خود اس شہر میں قیام کرتے ہیں اور لکھنؤ

میں ایک انگریزی اخبار کے داروغہ کی حیثیت سے ملازم تھے۔ ان کے بزرگ باعزت لوگ تھے۔ زبان فارسی میں بھی کلام کرتے تھے اور اس حال میں ثاقب تخلص نظم کرتے تھے۔ ان کا کلام ہے:۔

گئے جو بندوں میں اپنے تو ایک بار مجھے | تو خلق میں ہو خدائی کا اعتبار مجھے
ہے عیاں جلوہ ترا انسان کی تصویر سے | صورت معنی ہو ظاہر لفظ کی تحریر سے

وحشت:۔

نام غلام علی خان۔ یہ میر فرحت اللہ خاں کے صاحبزادے ہیں۔ مولانا محمد رشید الدین خان غفرلہ کے داماد ہیں۔ یہ ایک بزرگ خاندان سے ہیں۔ اور بڑے لوگوں کی اولاد ہیں۔ ان کی ولادت مراد آباد میں ہوئی۔ بنارس و شاہجہاں آباد میں نشوونما پائی۔ فی الحال بلند شہر میں ایک معزز انگریزی منصب پر فائز ہیں۔ سخن سنجی و سخن دانی کی بستیوں کے روشن چاند اور آسمان مضامین کے روشن سورج ان کے افکار کا گلدستہ بزم حسیناں کے لائق اور ان کی نظم کے جواہرات کا آویزہ یاقوت لبوں کے کانوں کا زیور ہے۔ وبدبہ کلام کا کیا کہنا کہ حاسدوں کی زبان بھی بلا ارادہ طنز کے بجائے واہ واہ کہہ اٹھتی ہے اور ذوق کلام کا کیا بیان کہ زہر خند میں بھی دشمنوں کے ذہن سے شراب ٹپکنے لگتی ہے۔ میدان نظم ان کے نظم کے ترک تاز سے پامال ہے۔ انصاف یہ ہے کہ گو چہ فن شعر ان ہی کے قبضے میں ہے۔ باوجود کم عمری اور عنفوان شباب کے اکثر کمالات میں ان کا مرتبہ بہت بلند و ارفع ہے۔ عمر کے تقاضے سے رموز عشق کے بھی ماہر ہیں اور ان کے چہرہ سے آشفتگی کی علامات ظاہر ہیں۔ وہ ایک سراپا دوستی اور نفاق سے دور پر خلوص دوست ہیں مدتوں ہم دونوں نے محبت کے جوئے کھیلے اور شش جہت میں یگانگت و یکدلی کے چھکوں پر چھکے پھینکتے رہے۔ مومن خاں کے موقر شاگردوں میں سے ہیں۔ یہ اشعار اسی نکتہ داں کے کلام سے انتخاب کیے گئے ہیں:۔

وقتِ مضمون سے لکھا مری تقدیر کا
کھل گیا اس پر کہ یہ خط ہے اسی دلگیر کا

بس کہ رنج افزائے طبع نازک جاناں نہیں
آسماں پر ہے دماغ اس ماہ بے تاثیر کا

اس نے دکھلایا جو خطِ ظہر منہ فق ہو گیا
ہاتھ آیا اپنے یہ نسخہ نیا اکسیر کا

تھی زبس مرضی قاتل تو جدا زندہ ہوا
روز محشر سر ہے تن تن بے سر میرا

غیر سے گر نہیں بے پردہ ہوئے ہو تو پھر
آپ کا بند یہ کیوں روزن دیوار ہوا

ہے منا ہی کہ نہ کھینچے کوئی مجنوں کی شبیہ
اس قدر اب مری صحبت سے وہ بیزار ہوا

دل ترا سنگ ہے پر آگ نہ نکلی گا ہے
رخ ترا آئینہ ہے پر کبھی حیراں نہ ہوا

آئتیں حرمت صہبا کی سناتا ہوں اسے
ذکر سن سن کے رقیبوں کی مے آشامی کا

منفعل ضعفِ جنوں سے ہوئے ایسے کہ نہ پوچھ
طوق آہن جسے سمجھے تھے گریباں نکلا

سارے عالم سے صفائی ہوئی اپنی وحشت
کیا مکدر کہیں وہ آئینہ رخسار ہوا

میرے مرنے کی خبر غیر کو یوں دیتے ہیں
مر گیا وحشت جاں باز تری جان سے دور

اے دل آسان نہیں جور اٹھانے اس کے
نوجواں یار ہے وہ کچھ فلک پیر نہیں

اڑ چکا ہے جو یہ شدت سے قلق کی بالکل
رنگ رخ میں مرے اس واسطے تغیر نہیں

مجھ کو کثرت نے گناہوں کے بچایا کہ وہاں
ایسے مجرم کی مقرر کوئی تعزیر نہیں

جو نہ جاتا ہو کہیں کوچۂ جاناں کے سوا
ایسے دیوانے کو کچھ حاجت زنجیر نہیں

دل میں عدو کے بڑھ گئی کیا الفت آپ کے
کچھ ان دنوں میں پہلے سے لطف و کرم نہیں

سن سن کے مجھ سے شکوہ لطف عدو کہا
ان کو تو کچھ بھی رشک جفا و ستم نہیں

ناصح یہی تو عین محبت کی بات ہے
ان کو جو میرے مرنے کا ہجراں میں غم نہیں

جوش وحشت میں یہ حالت ہے کہ سایہ مجھ سے
یوں گریزاں ہے کہ سائے سے گریزاں ہوں میں

پھری وحشت مری دن پھر کے جو دیکھا اس نے
گردش چشم ہوئی گردش دوراں مجھ کو

میں تو میں صبح تو یہ ہے دشمن نہ بدلے اے فلک
ملگجا اس کا دوپٹہ چادر مہتاب سے

میں تو انساں ہوں یہ بیتابی دل ہے وہ بلا — ہجر کی شب خواب اڑ جاتا ہے فرش خواب سے

گرم غم خانہ ہے اتنا آہ آتش بار سے — جا لگتی ہے دھوپ میرے سایۂ دیوار سے

پردۂ جاناں کہاں مجھ کو نصیب اے بلہوس — حیرت آئے ہے ہجوم حسرت دیدار سے

... وت کو بھی ہوا شوق شہادت ان دنوں — اڑ گئی ہے آب کیا ظالم تری تلوار سے

بے تکلف آئے وہ بہر تماشا دم نزع — کام آساں ہو گیا یاں مرنے دشوار سے

... د شوخی دیکھا کرتا ہے صرف بزم سور — وہ ستمگر ہے کے میرا خوں بہا اغیار سے

نازکی سے کسب طاقت ناتوانی دیکھنا — جان آتی ہے نگاہ نرگس بیمار سے

دیکھوں کیا کوئے بہشت آنکھیں مری — اٹ رہی ہیں خاک کوئے یار سے

کیوں نہ باطل سمجھوں اقرار وفا — گر چکے ہے تری گفتار سے

خط کے آنے سے گئی شرم سخن — آئینہ طوطی ہوا زنگار سے

نالہ میرا روز و شب سن سن کے عادت ہو گئی — اہل عالم اب نہیں ہونے کے بانگ صور سے

بزم میں ہر دم کریں کیوں کر نہ ہم اغیار پر — ہے سیہ مستی نگاہ نرگس مخمور سے

... ہے اسی کی شفاعت ہو چند گو — گالی میں ان لبوں سے جو آیا مزا مجھے

گذرا اس اعتماد محبت سے میں خدا — مجھ سے چھپائیں کاش وہ الفت رقیب کی

کہیں ہو رو جفائے یار کے ہم ہوں نہ بعد اس کے — مرے مر جانے کا اغیار کو اس واسطے غم ہے

تیر پہ تیر ناز کا دل پہ مرے گذار تھا — رخنہ زخم ہر خدنگ دیدۂ انتظار تھا

اس اوج تک تو سیل سرشک اپنا جا چڑھا — جس میں کہ ابر جوں کف دریا بہا پھرا

سانس بھی لیتے نہیں اب کھٹکے ہے میرے جان سے — کیا ہی نعل بر آتش ہے ناتوانی ان دنوں

اس پائے حنائی پر رکھتا ہوں جو میں سر کو — کس ناز سے وہ ہنس کر کہتا ہے کہ بس سر کو

تھکا ہے منزلوں کا یا پیام یاس لاتا ہے — الٰہی خیر کیجو نامہ بر کچھ سست آتا ہے

حاجت تیر و کماں ہے سخت جانوں کے لیے — قتل کو میرے ذرا ابرو پہ بل عدکار ہے

ہے گرفتاری سے میری سارے عالم کو نجات　　شور نالہ سے مرے ہر قفس شب بیدار ہے

اٹھانے کو کسی نے پھر نہ میری آستیں پکڑی　　بہ رنگ نقش پا اس در پہ جب میں نے زمیں پکڑی

وحدت :۔

نام جمعیت رائے۔ میرٹھ کے کائستھوں میں سے ہیں۔ ان کا شعر ہے ،

ہر دم ہے عندلیب کو اب عزم نا لگی　　فصل بہار آتی ہے اس کو ہوا لگی

وزیر :۔

نام خواجہ وزیر۔ لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ اور شیخ ناسخ کے متعین شاگردوں سے ہیں۔ ایک عزیز نے یہ اشعار ان کے نام سے پڑھے تھے :۔

ہے چشم نیم باز عجب خواب ناز سے　　فتنہ تو سو رہا ہے در فتنہ باز ہے

ایک عالم نے جبہہ سائی کی　　اے بت تم نے بھی خدائی کی

وزیر :۔

نام وزیر علی خاں۔ ان کو نواب آصف الدولہ مغفور نے اپنی فرزندی میں لیا تھا مرحوم کی وفات کے بعد ان کی جانشینی، اہل فرنگ کے خلاف اور ان لوگوں کا انھیں معزول کرنے کی داستان، اور اُن کا ان لوگوں کی طرف سے آنکھ پھرانا، اور پھر بدقسمتی سے ان کا انھیں اہل فرنگ کے ہاتھوں میں پڑ جانا، یہ سب باتیں مشہور ہیں۔ اس لیے ان سے قطع نظر کرتا ہوں۔

جب وہ قید ہوئے ہیں تو یہ مطلع کہا تھا

اٹھ گئے محفل سے سارے یار اور جل چل پڑی　　اے فلک انداز گردش اب تو تجھ کو کل پڑی

یہ شعر بھی ان کا ہے :۔

بعد رنجش کے مزا ملنے سے کچھ حاصل نہیں　　گر تمھیں الفت نہیں اپنا بھی اب دماغ نہیں

وسعت :-

نام مستقیم خاں قوم افغان - رام پور کے رہنے والے ہیں اور قدرت اللہ شوق کے شاگرد ہیں۔ ان کا شعر ہے:-

وائے قسمت ایک گالی کی ہوئیں در تین چار　　وقت گفتن جب زباں پر اس کی لکنت آگئی

وصال :-

نام نصر اللہ خاں - والد کا نام حکیم ثنار اللہ خان، فراقؔ، ماہرین فن طب میں سے ہیں۔ وہ بہت صلاحیت شعار آدمی ہیں اور ان کے طور طریقے بہت پسندیدہ ہیں - انھوں نے فن شعر اپنے والد سے حاصل کیا - ان کا شعر ہے:-

آئینہ گھورنے کو سب سے نرالا نکلا　　منہ تو دیکھو یہ بڑا چاہنے والا نکلا

والا :-

نام مظہر علی خاں - والد کا نام سلیمان علی خاں ودادؔ کہ جو فارسی کے مشہور شعرا میں سے ہیں۔ ان کو میر نظام الدین ممنونؔ کا شاگرد بتایا جاتا ہے - ان کا شعر ہے:

یوسف کا جو نقشہ در و دیوار پہ کھینچا　　کیوں تو نے زلیخا نہ دل زار پہ کھینچا

ولی :-

عالمگیر بادشاہ کے زمانے میں تھے - اس بارے میں اختلاف ہے کہ جس نے سب سے پیشتر اردو میں شاعری کی یہ وہی ہیں - یا ان سے پیشتر بھی اس زبان میں کلام شائع ہوا تھا اور تحقیق

سے یہ ثابت ہے کہ دوسری رائے، پہلی پر سبقت رکھتی ہے۔ ان دونوں باتوں کو یوں بھی جمع کیا جا سکتا ہے، ان کے زمانے تک ان کے رتبے کو کوئی نہیں پہنچا تھا۔ اور ولی کو موجد کہنے کی وجہ یہی ہے کہ اگرچہ ان کی زبان میں اور اس زبان میں کہ جواب رائج ہے میں اتنا ہی فرق جتنا آفتاب و ماہتاب میں اور دن رات میں ہے۔ گویا کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ زبانیں ہیں۔ اور ایک کو دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن بہرحال ان کی استادی کا حق تمام اردو شعرا پر ثابت ہوتا ہے اور اس سے انکار، انصاف کا خون کرنا ہوگا۔ میں نے ان کا دیوان دیکھا ہے۔ محاورات سے قطع نظر بعض جگہ مناسب مضامین اس میں پائے جاتے ہیں۔ یہ اشعار اس میں سے انتخاب کیے گئے ہیں:-

طاقت نہیں کسی کو کہ اک حرف سن سکے
احوال گر کہوں میں دل بے قرار کا

آئے ولی ہمارے طرف تیغ ناز سے
اس شوخ کو خیال اگر ہے شکار کا

مسند گل منزل شبنم ہوئی
دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا

جنون عشق تھا اس قلندرین کو محیط
کہ پارسا کو ہوئی موج بوریا زنجیر

دورنگی سے تری اے سرو رعنا
کبھی راضی کبھی بیزار ہیں ہم

خط کے آنے سے خبردار کیا گل رو کو
نشۂ ہوش ہے اس بادۂ ریحانی میں

ایک دل نہیں آرزو سے خالی
ہر جا ہے محال گر خلا ہے

مرا دل مجھ سے کر کے بیوفائی
پسند خاطر خوباں ہوا ہے

ترک کر اے رقیب فرعونی
آہ میری عصائے موسیٰ ہے

ولی:-

نام مرزا ولی محمد۔ دہلی وطن ہے لیکن سکونت مرشد آباد میں رہی۔ ان کا کلام ہے:-

کبھی جو زلف اٹھاوے تو منہ نظر آوے
اسی امید میں گزری ہے صبح و شام ہمیں

بند قبا چمن میں جو وہ یار وا کرے
لے برگ گل کو ہاتھ میں پنکھا صبا کرے

حرف الہاء

ہادی :-

نام میر محمد جواد علی خاں۔ عماد الملک مغفور کے رفقا میں سے تھے آخر الامر گوشہ نشین ہوگئے اور ۱۲۱۵ھ میں انتقال کیا۔ ان کا ایک دیوان یادگار ہے یہ اشعار اس میں سے انتخاب کیے گیے ہیں

تو نے پہچانا نہ یار اس کو تغیر حال سے
ورنہ کوچے میں ترے ہادی مکرر ہو گیا

کچھ آج شکستہ ہے بہت رنگ رخ گل
صیاد نے کس بلبل شیدا کو ستایا

ہے تا حشر یقین ہم کو صنم جب سے خدا نے
آشوب قیامت تری قامت سے دکھایا

کیا ہے کس کی مجھے یاد زلف نے بیمار
کہ پیچ و تاب میں ہے تار تار بستر کا

چمن میں ہادی نازک مزاج جب آیا
لیا جنوں نے رگ گل سے کام نشتر کا

وہی زندگی اپنی سے نہ خاطر کو تعلق
دلدادہ پشیمان ہے یار سفری کا

کیا مضائقہ اس میں ہم بھی گر ہوئے رسوا
شوق تھا بڑا تم کو اپنی خود نمائی کا

نہ تجھ سے ہادی کا شکوہ ہے کچھ نہ سودا کو
بلا کشان محبت پہ جو ہوا سو ہوا

محمل لیلیٰ دل مجنوں ہی تھا پھر کیوں عبث
در پئے ناقہ ہوا سرگشتہ کیا دیوانہ تھا

دل ہوا آگے نہ ہادی سن کے حال رفتگان
بلکہ مہر خواب غفلت یہ بھی اک افسانہ تھا

اندیشہ کچھ نہ کر مری فریاد و آہ کا
فریاد رس ہے کون تری داد خواہ کا

میرے اعمال بد کی شامت سے
روسیہ مفت ہو گیا کاغذ

ہادی . . . . . ادھر چلی پر آہ
آیا نہ میری خاک پہ وہ گلبدن ہنوز

حالت خستگی وضعف ہونا اسپہ عیاں ہمراہ نامہ ہیں بھیجنی تصویر ہے شرط
اٹھتا ہے جائے نالہ مرے دل سے اب غبار اس خاکداں میں آہ مکدر ہوں یاں تلک

صدقے ترے ہوکے مر گئے ہم کرنا تھا یہی جو کر گئے ہم
خنداں خنداں جدھر جدھر وہ پھرا گریاں گریاں ادھر گئے ہم
ہم تو مدت سے مر گئے ہادی یار کو اب تلک خبر ہی نہیں
کسی پر نہ ہوگی ہرگز پس مرگ یہ عقوبت کہ جو زندگی میں ہم پر ہوئے ہیں عذاب تجھ بن
یاں تو نالے نے جگر آب کیا ہے ہادی پر خدا جانے کہ اس دل میں اثر ہے کہ نہیں
جس میں حسرت نہ رہے زخم کی تیرے قرباں قتل کے بعد بھی پھر کیجیو تو وار کئی

ہاشمی :۔

نام میر محمد ہاشم۔ لکھنؤ کے رہنے والے ہیں اور سوداؔ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کا کلام ہے :۔

سراسو بار اس تک نامہ پر آرزو پہنچا ادھر سے پر جواب صاف پہنچا جب کبھو پہنچا
دماغ آشفتہ ہوتا ہے صبا نگہت سے سنبل کے مشام آرزو میں تو کسی کاکل کی بو پہنچا

ہاشمی :۔

ان کا حال سوائے اس کے معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کا اصلی وطن شہر جہان آباد تھا۔ ان کا کلام ہے۔

نشہ نے مے کشوں کی کیا فلک سر پر اٹھایا ہے کہ مستانہ ابر سیہ ہو کر چمن میں جھوم آیا ہے
مجھے تھا وصیاں زلفوں کا جو وہ خورشید رو آیا خدا نے غم کی راتوں میں خوشی کا دل دکھایا ہے

ہدایت :۔

نام ہدایت خاں۔ یہ ثناء اللہ خاں مرحوم کے چچا تھے جن کا تخلص فراق تھا۔ خواجہ درد

مغفور کے مریدوں اور شاگردوں میں سے ایک تھے۔ ان کو فنونِ نظم پر قدرت حاصل تھی اور اس کے نکات اور باریکیوں کے ماہر تھے۔ ۱۲۱۵ھ میں اس جہانِ فانی سے دارالبقا کو رحلت کی۔ یہ اشعار ان کے دیوان سے نقل کیے گئے ہیں:

نہ رحم ان کے ہی جی میں نہ دل میں اپنے صبر — ہماری گزرے گی کیونکر الٰہی کیا ہو گا

دیکھا اس کی چشمِ مست کو دل تو بہک گیا — بس میری جان وہ ہی پیالوں میں چھک گیا

ناتوانی کا بھی احساں ہے مری گردن پر — کہ ترے پاؤں سے سر مجھ کو اٹھانے نہ دیا

چاہا میں دردِ دل کہوں پر اس کے روبرو — جیوں زخم یکہ گر لبِ اظہار سل گیا

جس دم زباں پہ یار ترا نام آ گیا — کچھ دل کو چین جان کو آرام آ گیا

کٹتی ہی نہیں یہ ہجر کی شب — یارب کیا آج سو گئی صبح

سینے کے تیرے کھلتے ہی اے میری جاں بند — آئینہ ساز کر گئے اپنی دکان بند

میں چھوڑتا ہوں کوئی اس کو مثلِ حلقۂ در — یہ سر لگا ہے مرا اس کے آستانے سے

ہنستے ہیں آپ اپنی رونے پہ ہم بدا ثبت — گریہ میں اب ہمارے تاثیر ہے نہ گریہ ہے

شبِ ہجراں میں تری صبح کے ہوتے ہوتے — استخواں شمع صفت بہہ گئے روتے روتے

کرتا نہیں ہے جانے کو دل کوئے یار سے — گو اس میں جی رہے نہ رہے ہم تو یار رہے

صبا کوچے سے اس کے مت اڑانا خاک کو میری — مبادا گرد اس کے چہرۂ گلفام پر بیٹھے

ہرچند:-

نام ہرچند کشور۔ یہ راجہ جگل کشور بانڈی گر کے پوتے ہیں۔ ان کا شعر ہے:-

پردۂ ظلمات، دل پر سے دہیں سب اٹھ گئے — شمعِ روشنی جب چراغِ بزم کو گل کر دیا

ہمدم:-

نام عبداللہ خاں رام پور وطن۔ یہ نواب فتح علی خاں کے بیٹے اور کیٹھر کے روسا ہیں۔

سے ہیں۔ ان کا کلام ہے:۔

تو گرفتار ہوں کچھ رسم مجھے یاد نہیں
اس لیے لب پہ مرے نالہ و فریاد نہیں

کس کو حال دل غمگیں میں سناؤں اپنا
قیس صحرا میں نہیں کوہ میں فرہاد نہیں

ہمزہ :۔

نام شاہ ہمزہ ۔ دہلی کے درویشوں میں سے ہیں۔ عظیم آباد بھی گئے تھے ۔

ہائے کس کس کے تئیں بیٹھ کے ہم یاد کریں
غم مجنوں کریں یا ماتم فرہاد کریں

ہمت :۔

ہمت کے استاد، رام پور کے اومی زادگان میں سے ہیں۔ ان کا شعر ہے :۔

عجب گردش میں اپنی ان دنوں اوقات کٹتی ہے
غنیمت ہے کوئی ساعت جو تیرے ساتھ کٹتی ہے

ہوش :۔

غلام مرتضیٰ نام ۔ اسی خوبصورت شہر کے رہنے والے ہیں۔ ان کا کلام ہے :۔

جاں گر تن سے جدا ہو تو جدا ہو لیکن
جان منظور نہیں تیری جدائی مجھ کو

باغ ہستی کی وہیں سوجھ گئی کیفیت
مے گل رنگ جو ساقی نے پلائی مجھ کو

زاہد کا دل نہ خاطر مے خوار توڑیے
سو بار تو بہ کیجیے سو بار توڑیے

ہوش :۔

نام میر شمس الدین ۔ میر سجاد کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کا شعر ہے :۔

یار ہنستا ہے چشم ترکو دیکھ
گریہ ٹک اپنے تو اثر کو دیکھ

ہوش :-

نام مرزا احمد تقی خاں۔ لکھنؤ کے بڑے لوگوں میں سے ہیں۔ وہ پسندیدہ اطوار اور حمیدہ اوصاف رکھتے ہیں۔ ان کا کلام بہت ہے۔ وہ مصحفی سے اپنے کلام کے بارے میں مشورہ کرتے تھے۔ یہ اشعار ان کے ہیں :

نزع میں ہم نے عجب طرح سے دل شاد کیا
آئی ہچکی تو کہا اس نے ہمیں یاد کیا

جانا ہوس کی جرم میں تجھ کو روا نہیں
بدنام ہے تو دوستیٔ گل سے اے صبا

مجھے کیا اگلے زمانے کی خبر سچ تو یہ ہے
کہ ترے عہد میں تجھ سا کوئی پیدا نہ ہوا

محشر میں ساتھ دے نہ گیا کیوں نشان یار
سینے سے میں نکال لے پیکاں خجل ہوا

دی مجھ کو درد عشق نے غم میں بھی اک خوشی
رونے پہ میرے، دیر تک وہ ہنسا کیا

انکار سے کیا تمھارے صاحب
بندہ تو غلام ہو چکا اب

ہوش جب ذکر آ جاتا ہے اوس کا
زباں ہوتی نہیں دم دوپہر بند

رنجش کا انھوں نے بھی کیا وقت نکالا ہے
مجھ سے وہ بگڑتے ہیں جب خوب سنورتے ہیں

یہی ہے سوچ مجھے چین کیونکر آئے گا
جو یاد تیری ادائیں مزار میں آئیں

غش آ نہ جائے دیکھ کے فصاد کو کہیں
پردے سے اپنا ہاتھ نہ باہر نکال تو

میں درد دل کہوں تجھ سے تو کھل کھلا کے ہنسے
نہ میری سادہ دلی نہ ترا لڑکپن جائے

تڑپا نہ ترا صید ترے تیر کو کھا کر
اس ڈر سے کہ پہلو سے نہ پیکان نکل جائے

مجنوں سے ہوش ہوویں گے ہم جا کے مقابل
تھوڑی سی توانائی بھی ہم کو اگر آئے

حرف الیا

یادؔ :-

نام میر غلام حسین۔ مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عزیزوں میں سے ہیں۔ انھوں نے مولانا فخرالدین طاب ثراہ کی خدمت سے باطنی فیض حاصل کیا۔ اور فن شعر کو ثناء اللہ خان فراقؔ سے۔ ان کا شعر ہے:۔

ہے کون جو ہوا بروئے خم دار کے آگے　　رستم بھی نہ ٹھہرے تری تلوار کے آگے

یاسؔ :-

نام خیرالدین۔ ساکن دہلی۔ وہ ایک شگفتہ طبیعت رکھتے ہیں۔ اب شاعری ترک کردی ہے۔ مومنؔ خان کی خدمت سے فیض حاصل کیا ہے۔ فی زمانا فن طب کو حاصل کر رہے ہیں۔ گویا کہ یہی سبب شاعری کو ترک کرنے کا ہے، ان کا کلام ہے:۔

ہوں وہ ثابت رہ الفت میں کہ جوں نقش قدم　　جب تلک مٹ نہیں لیتا نہیں اصلا ہلتا

اس طرف کو دیکھنا بھی ہے تو شرمایا ہوا　　اب تلک ہے آنکھ میں شب کا سماں چھایا ہوا

زانوے یاسؔ کہاں اور سر دلدار کہاں　　ہم نشیں بات وہ کر جس کا ہو کچھ بھی سر پاؤں

ربط غیروں سے بڑھا مجھ سے وفا چاہتے ہو　　دل میں سمجھو کہ یہ کیا کرتے ہو کیا چاہتے ہو

عشوہ و ناز و ادا طعن سے کہتے ہیں مجھے　　ایک دل رکھتے ہو کس کس کو دیا چاہتے ہو

عاشق زرد و رخ اپنے کے جلانے سے حصول　　سمجھو تو سونے کو تم خاک کیا چاہتے ہو

شربت وصل نہ پینے دو نہ سم کھانے دو
کیا قیامت ہے نہ جینے دو نہ مر جانے دو

بے ستم میرا وہ بیتابی سے در پر جانا
اور ترا ناز سے کہنا اسے مت آنے دو

لب بند ہوں لذت سے جو نام آئے زباں پر
ہے کیا کوئی بوسے لب شیریں کے تمہارے

وصل جاں سوز سے پڑنے کو کیا ہوتا ہے
کم ہی ٹھنڈا کوئی قسمت کا جلا ہوتا ہے

دم تو لے تیغ تلے اے تپش دل تھم جا
دیکھ قاتل کا مری وصیان بٹا جاتا ہے

گردن غیر پہ خنجر کو ہنسی سے رکھنا
وہاں تجھے کھیل ہے یاں کام ہوا جاتا ہے

پرچھیں گے چارہ نو بند گئے سنگدلاں
کہ برہمن ہیں پرستار کہن پتھر کے

مجھ کو تسبیح عقیق اپنی پنھا دی اس نے
دب گیا ہاتھ تلے سیکڑوں من پتھر کے

کاش میں پردے کا شکوہ ہی نہ کرتا ان سے
بے حجابی نے کیا اور بھی بیتاب مجھے

یقینؔ:

نام انعام اللہ خاں۔ والد کا نام ظہیر الدین خان۔ وطن سرہند ہے ولادت اور تربیت ان کی جہان آباد میں ہوئی۔ مرزا مظہر سے بظاہر بہت زیادہ رابطہ تھا۔ اور ان کی شاگردی کا فخر بھی حاصل تھا۔ یہ ایک خوبصورت اور خوش سیرت۔ نوجوان آدمی تھے پچیس سال ہوئے کہ ان کے والد نے ان کو قتل کر دیا اور قتل کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ فن شاعری میں ان کا ایک بلند مقام ہے۔ ان کے کلام میں دلخواہ حلاوت بھی ہے اور نمکینی بھی۔ میں نے ان کا دیوان دیکھا ہے اور اس میں سے اشعار منتخب کر کے ان اوراق میں درج کیے ہیں

ہر گھڑی صحرا نشینی پر نہ کر جرأت یقینؔ
آ گئی تھی راس مجنوں کو بیاباں کی ہوا

آشنا کبھو جہاں میں کوئی بے وفا نہ تھا
ملتے ہی تیرے مجھ سے یہ دل آشنا نہ تھا

جو کچھ کہیں یہ تجھ کو یقینؔ ہے سزا تری
بندہ جو تو بتوں کا ہوا کیا خدا نہ تھا

خار سے مژگاں کے جی ڈرتا ہے میرا بے طرح
رکھ مری آنکھوں پہ دیتے ہو کف پا بے طرح

بہار آخر ہوئی ہے اب تو سینے دے گریباں کو
یقین کرتا ہے کوئی اس قدر دیوانہ پن بس کر

تو نہ تھا حیف یقیںؔ ورنہ دوا نہ ہوتا
آج اس طرح کا دیکھا ہے پری زاد کہ بس

کعبہ بھی ہم گئے نہ گیا پر بتوں کا عشق
اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں

اس عشق کی کشور میں الٹا ہے حق و باطل
پرویز کو دین افسر، فرہاد کا سر چھیریں

خسرو کے منہ پہ پڑھنا اور بے ستوں سے بھڑنا
کچھ عاشقی نہیں ہے زور آزمائیاں ہیں

یقین بتوں ہوا جب سے بندہ تب سے ہے داغ
جو ہووے کافر اسے کس طرح عذاب نہ ہو

اُن گنہگاروں میں ہوں میں کہ مزے کے مارے
جی نکلتا ہے مرا دور سے جلاد کو دیکھ

گلا تو پھٹ گیا ہے نالہ و فریاد سے میرا
قیامت دور ہے کس دن ملے گی داد کیا جائے

یار کی بات ہمیں کون سناتا ہے یقیںؔ
کب کوئی گل کی دوا نیکو خبر کرتا ہے

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
نرا برا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے

ندی فرصت کہ ان ہاتھوں سے کچھ کام اور بھی نکلے
ہم آخر ہوں گے دامن گیر اس چاک گریباں کے

دل چھوڑ گیا ہم کو دلبر سے توقع کیا
اپنے نے کیا یہ کچھ بیگانوں کو کیا کہیے

کیا قیدی کا شروع گل میں اور پروانہ دل میں
ندی فرصت زمانے نے ہمیں دھومیں مچانے کی

اپنے بندوں کو جلا کر داغ رکھتے ہیں یقیںؔ
ان بتوں کی ضد سے ہو جاؤں مسلماں تو سہی

جس کو منظور مرنا ہے جینا ہے عذاب
ہے دم پاک مسیحا دم شمشیر مجھے

جور و جفا میں یار بہت ہو گیا دلیر
کرتے تو کی یہ راس نہ آئی وفا مجھے

یکرنگ :-

نام مصطفٰے خاں۔ اسی شہر کے رہنے والے ہیں۔ اور مرزا مظہر علیہ الرحمہ کے شاگرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ مثل میرے خلوص کی صفت میں کوئی دوسرا شخص نہیں ہے اور وہ مکر و فریب سے ہمیشہ دور رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس اسم مبارک میں سرور دو عالم

محمد مصطفےٰ صلی اللہ و علیہ وسلم کی خدمت سے یہی اثر ہے کہ اس نام والا ، مثل دل مومن نفاق سے دور رہتا ہے اور اسما کی تاثیر لوگوں میں مسلم ہے .... اور اسی وجہ سے انھوں نے یہ تخلص اختیار کیا تھا۔ ان کا کلام ہے ۔

کیوں ہوئے ہو تم کہو دشمن ہمارے اس قدر
دوست کا ہوتا ہے دشمن کوئی پیارے اس قدر

رو رہا ہوں اس سبب ہر بار میں
تا لگے تیرے لگوں اے یار میں

نگہبان چاہیے مدہوش کے پاس
تری آنکھوں سے کیونکر دل جدا ہو

کیا جانیئے وصال ترا ہو کسے نصیب
ہم تو ترے فراق میں اے یار مر چلے

جدائی سے تری اے صندلی رنگ
مجھے یہ زندگانی دردِ سر ہے

یوسف :۔

نام میر یوسف علی ۔ یہ حکیم عزت اللہ خاں عشق کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کا شعر ہے

نہیں ہے غیر کے قصہ کی کچھ ہم کو خبر یوسف
زباں پر رات دن اس یار کا افسانہ رکھتے ہیں

خاتمہ

(انٹرنیشنل پریس کراچی)

تاریخ اسلام مکمل تین حصے

مصنفہ :- مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

پہلا حصہ: عہد رسالت مآب سے لے کر خلافت راشدہ تک۔ دوسرا حصہ: عہد بنی اُمیہ سے لے کر خلافت بنی عباس مصر تک۔ تیسرا حصہ: بنو امیہ اندلس سلجوقیہ، عثمانیہ اور مغولان چنگیز کی تمام مسلمان حکومتوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ صفحات حصہ اوّل ۵۹۲، حصہ دوم ۶۷۲، حصہ سوم ۶۰۸۔ مجلد بڑی سائز

قیمت فی حصہ بارہ۱۲ روپے مکمل ہر سہ حصہ چھتیس روپے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ

مصنفہ: ڈاکٹر طہٰ حسین - مترجمہ: شاہ حسن عطا ایم - اے۔

پیغمبر اسلام کے اوّلین دو جانشینوں کا محققانہ اور والہانہ انداز میں تذکرہ، اسلام کی دو عظیم شخصیتوں کے حالات اور ڈاکٹر طہٰ حسین کا جادو نگار قلم۔

ضخامت ۲۷۲ صفحات بڑا سائز مجلد

قیمت چھ روپے بارہ آنے۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ

مصنفہ: ڈاکٹر طہٰ حسین

مترجمہ: علامہ عبدالحمید نعمانی

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں اس موضوع سے اہم کوئی موضوع نہیں مل سکتا۔ یہ ایسے ہولناک انقلاب کی داستان ہے جس نے تاریخ اسلام کا رُخ بدل دیا۔ اس موضوع پر اب تک ہزارہا کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ یہ ایک ایسے غیر جانبدار مؤرخ کے قلم سے ہے جس نے خالص تاریخی واقعات و حقائق کی روشنی میں یہ کتاب لکھی ہے۔ مصنف نے ایسے مستند ترین واقعات کو تاریخی ترتیب سے پیش کیا ہے جن کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ بڑے سائز کے ۵۱۶ صفحات، مجلد قیمت: بارہ۱۲ روپے۔

سفرنامہ ابن بطوطہ مکمل دو۲ حصے

مشہور و معروف سیاح نے جب رخت سفر باندھا تو اس کی عمر ۲۵ سال کی تھی یہ نوجوان سمندروں کی لہروں سے لڑتا، ہولناک ریگستانوں سے گزرتا، جنگلوں، بیابانوں اور برفستانوں کو قطع کرتا ہوا دیار حجاز، مصر، بغداد، شام، عراق، ایران، ترکستان، بلخ، بخارا، بدخشاں، افغانستان، آذربائیجان، قسطنطنیہ، ترک وغیرہ کا دورہ کرتا ہوا ہندوستان پہنچا۔ ہندوستان کے تمام مشہور شہروں کی اُس نے سیر کی۔ ہندوستان میں یہ محمد تغلق کے زمانہ میں آیا۔ اپنے ۲۵ سالہ سفر کے حالات اتنے دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے ہیں کہ ایک صفحہ پڑھنے کے بعد جب تک کتاب ختم نہ کر لیں آپ کو قرار نہیں آئے گا۔ اس سفرنامہ کو اہم تاریخی دستاویز کا مقام حاصل ہے۔ بڑے سائز کے صفحات ۸۲۴ مجلد

قیمت: پندرہ روپے

اَلادبُ المُفرَد

یعنی

کتابِ زندگی

مصنفہ: حضرت امام بخاری کا اُردو ترجمہ

مترجمہ: علامہ عبدالقدوس ہاشمی (ندوی)

اس لادینی اور اخلاقی بے راہ روی کے زمانے میں اس کتاب کا مطالعہ ذہنی تربیت اور عادات و اخلاق کی اصلاح کا موجب ہوگا۔ ہر مرد اور عورت کے لئے اس کتاب کا مطالعہ مفید ہے۔ بڑے سائز کے ۳۷۲ صفحات مجلد - قیمت: آٹھ روپے

فقہ الاسلام

مصنّفہ: حسن احمد الخطیب

مترجمہ: سید رشید ارشد ایم، اے

فقہ اسلامی کی نوعیت وکیفیت اس کا تدریجی ارتقا، ائمہ فقہ کے مجتہدات اور عہد بہ عہد کے فقہی نمونے اور اسلوب کا عالمانہ و فاضلانہ بیان اسلامی شریعت کے اصولوں کو جدید انداز میں پیش کیا گیا ہے اور موجودہ زمانہ کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ موجودہ حالات میں اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ بڑا سائز کے صفحات ۵۷۶ مجلّد قیمت بارہ۱۲ روپے

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی

مصنّفہ:۔ علامہ مناظر احسن گیلانی

ایک عظیم الشان فقیہہ، ایک فقید المثال اصولی، ایک محیر العقول مصنّف، ایک بیباک داعیٔ حق جس نے ساری عمر جابر اور ظالم حکمرانوں کے خلاف اعلان حق میں گزار دی ایسی عظیم اسلامی شخصیت کے مفصّل حالات زندگی، بڑا سائز کے صفحات ۵۶۰، قیمت بارہ۱۲ روپے

نظام الملک طوسیؒ

مصنّفہ: مولانا عبد الرزّاق کان پوری

خواجہ حسن نظام الملک طوسی عالم اسلام کا پہلا وزیر اعظم جس نے اسلامی آئین کی تدوین کی اس اہم تذکرہ میں عمر خیام نیشاپوری اور حسن بن صباح بانی فرقہ فاطمیہ کے مفصّل اور مستند حالات، بڑی سائز مجلّد صفحات ۵۶۰، قیمت بارہ۱۲ روپے

شاہجہانؒ کے ایّام اسیری اور عہدِ اورنگ زیبؒ

مصنّفہ:۔ ڈاکٹر فرانسیس برنیر

مترجمہ:۔ خلیفہ محمد حسین مرحوم

یہ جہاندیدہ فرانسیسی سیّاح ۱۶۵۶ء سے ۱۶۶۸ء تک ہندوستان میں رہا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب شاہجہان جیل میں تھا۔ اور شہزادے تخت کے لئے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ مغلیہ سلطنت کے اس نازک دَور کے چشم دید حالات نہایت دلکش انداز میں لکھے ہیں یہ کتاب ایک اہم سیاسی تاریخی دستاویز بھی ہے اور صحیفۂ عبرت بھی! بڑا سائز ۶۱۲ صفحات مجلّد قیمت: بارہ۱۲ روپے

صحابیات

مصنّفہ:۔ علامہ نیاز فتحپوری

رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ازواج مطہّرات، بناتِ طیّبات اور جلیل القدر خواتین اسلام کے حالات زندگی۔ بڑا سائز مجلّد، صفحات ۲۷۲، قیمت چھ۶ روپے۔